تمہیں میں کس طرح دیکھوں

الماس عبدالغفور

Sohni Digest.Com

ناول

الماس عبدالغفور

تمہیں میں کس طرح دیکھوں

محبت کئی طرح کی ہوتی ہے مثال کے طور پر خاموش محبت، سیریس والی محبت، ٹائم پاس کرنے کے لئے محبت، حقیقی محبت، مجازی محبت، کوئی محبت میں اپنے محبوب کے لئے تاج محل بنواتا ہے تو کوئی پتھر کھاتا ہے۔ کچھ ناکام عاشق بلیڈ سے ہاتھ کاٹنے لگتے ہیں تو ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور بلیڈ پھینک کر کہتے ہیں کہ جہنم میں جائے یہ محبت اس کے چکر میں تو حوروں سے بھی جائیں گے۔ محبت کے کئی رنگ ہوتے ہیں لیکن اگر جذبات سچے ہوں تو محبت مل ہی جاتی ہے۔

یہ کہانی بھی کچھ ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے دل محبت کے سچے جذبات سے لبالب بھرے ہیں۔

☆......☆......☆

''اٹھ جاؤ نوال کب سے سو رہی ہو''۔ زرینہ صاحبہ نے اس کے کمرے کا اے سی بند کرتے ہوئے کہا تو وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھی۔

'ایک تو امی آپ کو پتا بھی ہے قطر کی گرمی کا پھر بھی اے سی بند کر دیا'۔

''اف ہر کسی میں الگ الگ ٹیلنٹس ہوتے ہیں۔ اگر اس میں صبح جلدی اٹھنے کا ٹیلنٹ ہے تو مجھ میں دیر سے

اٹھنے کا اور اگر آپ نے میرا ٹیلنٹ دبانے کی کوشش کی تو میں نور کی بچی کا گلہ دبا دونگی‘۔اس نے کمبل سمیٹتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے اپنے ٹیلنٹ کو سراہا۔

”پتا نہیں کیوں یہ نمونی میرے ساتھ اس دنیا میں آئی۔جڑواں تو ایک جیسی حرکات کرتے ہیں یہ کیوں متضاد ہے میرے“؟

”بکواس بند کرو، روز کا تماشہ بنا رکھا ہے۔جلدی آؤ نیچے ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے“۔امی اسے غصے سے کہتی چلی گئیں اور وہ بڑبڑاتی ہوئی باتھ روم میں گھس گئی۔

ڈائننگ ٹیبل پر احمر صاحب، نور اور چھوٹا بھائی ریحان بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔امی چہرے پہ غصہ سجائے دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئیں اور وہی روایتی ماؤں کی طرح بیٹی کی فکر کرنے لگیں۔

”پتا نہیں اپنے سسرال میں کس طرح یہ اپنی زبان بند رکھے گی، یہ لڑکی ہماری ناک کٹوائے گی“

”امی اگر آپ کو اپنی ناک کٹنے کی فکر ہے تو نوال آپی کی زبان ہی کاٹ دیں۔آپی اگر اپنے ان لوز کے آگے کچھ کہے گیں بھی تو وہ لوگ انھیں تو تلا سمجھ کر ترس ہی کھائیں گے“۔ریحان نے امی کو مفت مشورہ دیا تھا۔

”ریحان!چپ چاپ ناشتہ کرو اور پڑھنے بیٹھو، چھٹیاں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پڑھنا ہی بند کر دو“۔ نور نے اسے ڈپٹا۔

”اس کی زبان بہت چلنے لگی ہے۔آج میں اسے پڑھاونگی، مار مار کر منہ نہ لال کر دیا تو میرا نام بھی نوال نہیں“۔نوال اسے گھورتی ہوئی اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔

”میں آپ سے نہیں پڑھنے والا، آپ کو میتھس آتا نہیں، میرا بھی وقت برباد کرتی ہیں۔نور آپی زندہ باد۔ یاں سے ہی سمجھوں گا میں“ ریحان نے نور کے نام کا نعرہ لگایا۔

”اف اتنے فینز ہیں میرے، سوچ رہی ہوں کہ پاکستان میں اگلے الیکشنز کے لئے کھڑی ہو جاؤں“۔نور نے نوال کو چڑھاتے ہوئے کہا

”بس کر دو تم لوگ، لڑے بغیر کیا تم لوگوں کا ناشتہ حلق سے نہیں اترتا“؟امی نے ان تینوں کو ڈانٹا۔احمر صاحب خاموش بیٹھے اپنے بچوں کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔

"اور ہاں اپنے کپڑے وغیرہ بیگ میں رکھ لو، پتا ہے ناں مہوش پھوپھو کا، کہ ان کے بچوں کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی وہ سب کو اپنے گھر میں دیکھنا چاہتی ہیں"

امی نے ان کو یاددھیانی کرائی تو تینوں نے بخوشی سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

محمد یعقوب، احمر صاحب کے والد پاکستان سے قطر جاب کے سلسلے میں آئے تھے اور یہیں بس گئے لیکن دل پاکستانی ہی رہا۔ ان کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی مہوش، ان کے بعد احمر پھر آخر میں سحرش۔ بچے پاکستان کو نہ بھول جائیں اسی لئے انھوں نے اپنے بچوں کو پاکستانی تعلیم دلائی۔ گھر میں ہر وقت پاکستانی ملی نغمے گونجتے رہتے۔

مہوش پھوپھو کے پانچ بچے تھے، سب سے بڑی بیٹی میاسہ، پھر یکے بعد دیگرے تین بیٹے جلیس، نوید، حمدان اور آخر میں بیٹی اریج۔

سب کے گھر، ان کے گھر سے تقریباً آدھے گھنٹے کے فاصلے پر تھے لیکن اپنے بچوں کی شادی میں جس طرح سب کو اکٹھا کرتی تھیں تو گویا ایسا محسوس ہوتا جیسے شادی میں خاندان والے کراچی سے لاہور آرہے ہوں۔

چھوٹے سے ملک میں ان کا چھوٹا سا خاندان اپنی مثال آپ تھا۔ ایک دوسرے کے لئے جان دینے والے لوگ، لڑائی جھگڑوں اور ذاتی مفادات سے پاک دل رکھنے والے لوگوں کا خاندان شروع سے ہی مثالی رہا۔ ہیپی فیملی۔

☆......☆......☆

"اللہ کا شکر ہے کہ آخری پیپر بھی اچھا ہو گیا"۔ نمرہ نے گھاس پر بیٹھ کر سکون کی سانس لی۔

"ابھی تو کالج ختم ہوا ہے، یونیورسٹی کے تھپیڑے کھانا تو ابھی باقی ہے"۔ رخسار عبید اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یار! پہلے رزلٹ تو آنے دو۔ تمہارا بس چلے تو کل ہی یونی پہنچ جاؤ"۔ نمرہ نے بڑے بیزار لہجے میں کہتے ہوئے بوتل سے پانی کے گھونٹ بھرے۔

''سر عباس کو سنا تم نے ؟ کہہ رہے تھے کہ حجاب کرنے والی لڑکیاں شرم وحیا میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ ہنہ، انھیں تکلیف یہ ہے کہ حجاب والی لڑکیاں ان سے فری نہیں ہوتیں۔ سر اور چہرہ ہی ڈھکتی ہیں نہ دماغ پر تھوڑی پردہ پڑا ہوتا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کبھی کسی حجاب کرنے والی لڑکی نے آپریشن کرتے وقت کوئی بندہ مار دیا جہاز کریش کر دی ہو؟۔ مجھے بہت افسوس ہوتا ہے جب کوئی مسلمان ہو کر کے غیر مسلموں کے رواج بڑی شان سے اپناتا ہے''

رخسار کو سر عباس کی کہی گئی باتیں یاد آئیں تو اس نے چھوٹی سی تقریر کر ڈالی۔

''اچھا چھوڑو اس ٹاپک کو، پتا ہے ناں تمھیں سر کے نظریات ایسے ہی بے تکے ہوتے ہیں''

نمرہ نے اس کی طرف پانی کی بوتل بڑھاتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر بات ختم کرنی چاہی۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ پیپرز کیسے ہوئے تمہارے؟''

''الحمد اللہ بہت اچھے اور مجھے اللہ پر پورا یقین ہے کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میری محنت ضائع نہیں جانے دیں گے''۔ رخسار نے پر امید نظروں سے آسمان کو دیکھا۔

''اچھا واقع ؟ تو پھر اسی خوشی میں ٹریٹ دو''۔ نمرہ نے پہلے کینٹین کی طرف پھر رخسار کی طرف بھوکوں کی طرح دیکھا۔

''چلو پھر کھڑی ہو جاؤ''۔ رخسار اپنے ہاتھ جھاڑتی ہوئی کھڑی ہوئی اور نمرہ کے ہمراہ کینٹین کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

مہوش پھوپھو کے گھر احمر صاحب کی فیملی پہنچ چکی تھی اور سحرش پھوپھو کی فیملی ابھی پہنچی تھی۔

مہوش پھوپھو کا گھر محل جیسا تھا۔ بڑا سا لان، کھلا لاؤنج اور بہت سے کمرے۔

''خالہ! کھانا کھلا دیں بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے''۔ سحرش پھوپھو کے بیٹے جاسم نے گھر میں قدم رکھتے ہی بھوک بھوک کا شور مچا دیا۔

''بیٹا جی! ابھی لگواتی ہوں تھوڑا سا صبر اور بس''۔ مہوش پھوپھو نے اسے پیار سے کہا۔

"جاؤ بچیوں سب کو بلالاؤ کھانے کی ٹیبل پر"۔مہوش پھوپھو نے سر جوڑے بیٹھی نور، نوال اور سحرش پھوپھو کی بیٹی فاطمہ کو حکم دیا تو وہ تینوں فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نوال نے سب سے پہلے حمدان کے کمرے کی جانب اپنے قدم بڑھائے۔

"کیا ہو رہا ہے؟ حمدان عبداللہ!"نوال دھاڑ سے حمدان کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

حمدان نے اسے آتا دیکھ ہڑبڑاتے ہوئے لیپ ٹاپ کی اسکرین بند کر دی۔

"او ہو کس کو دیکھ رہے تھے جو میرے آتے ہی اسکرین بند کر دی؟"

نوال نے مشکوک نظروں سے پہلے لیپ ٹاپ کو پھر حمدان کے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں اس سے مطلب، کسی بھی لڑکی کی تصویر دیکھوں"۔حمدان نے اطمینان سے جواب دیا۔

"لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم کسی لڑکی کی تصویر دیکھ رہے ہو"۔نوال نے ایک ابرو اٹھا کر اسے ایسے دیکھا جیسے پولیس نے چھاپہ مار کر مجرم کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

"تمہاری زبان زمین چھو رہی ہے،اسے سمیٹو اور کمرے سے نکل جاؤ شاباش"۔حمدان کا اطمینان برقرار تھا۔نوال اس کے طنز کو نظر انداز کرتی ہوئی اس کے فون کی جانب بڑھی۔

"ارے پاسورڈ نہیں لگا ہوا"۔نوال نے ہاتھ اس کے فون کی جانب بڑھایا، حمدان برق رفتاری سے اپنے فون پر جھپٹا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ میرے کمرے میں کیوں آئی ہو۔

"پھوپھو کھانے کی ٹیبل پر بلا رہی ہیں"

"اچھا تم چلو میں......"نوال نے اس کی بات کاٹ دی۔"پھوپھو نے کہا ہے کہ تمہیں ساتھ لے کر آؤں"۔نوال اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھی۔

"کس ڈھیٹ کو میرے سر پر مسلط کر دیا"حمدان بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

نوال بھی ہنستی ہوئی اس کے پیچھے چل دی۔

☆......☆......☆

''کیسا ہوا آخر پیپر؟'' رخسار کے گھر آتے ہی زینب بی بی نے اس سے پوچھا۔

''جی امی! باقی پیپرز کی طرح یہ بھی بہت اچھا ہوا ہے''۔اس نے سر سے اسکارف اتار کر صوفے پر بیگ اور اسکارف ڈال کر زینب بی بی کو مطمئن کیا۔

''زینب! رخسار آگئی ہے؟''۔عبید عبدالرحمان نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اپنی بیگم کو آواز دی۔رخسار بھی ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''جی ابو ابھی ابھی آئی ہوں'' امی کی جگہ اس نے جواب دیا۔

عبید، بیٹی کو بالکل نظر کرتے ہوئے اپنی بیوی سے مخاطب ہوئے۔''ساری تیاریاں ہوگئیں؟۔ہمیں جلد مسجد پہنچنا ہے، ہمایوں کے بیٹے کا پیپر ہے اسے آج شام کی ہی فلائیٹ سے واپس جانا ہے اس لئے وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ جلد از جلد نکاح کی رسم ادا کر دی جائے''

''کس کا نکاح امی!'' رخسار نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

زینب کچھ دیر بیٹی کے معصوم چہرے کو دیکھتی رہیں پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیمے سے کہا ''تمہارا نکاح''

رخسار ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور بے یقینی کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''میرا نکاح؟ امی آپ یہ کیا۔۔

زینب فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھ سے تھپک کر اسے تسلی دینے لگیں۔

'' بیٹا بہت اچھا رشتہ ہے۔ پوری فیملی لندن میں سیٹلڈ ہے بہت اونچا گھرانہ ہے اور لڑکا شہزادوں جیسا ہے۔تم خوش رہو گی''

''امی آپ لوگ میرے ساتھ اس طرح کیسے کر سکتے ہیں'' وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

''میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔ میں کیسے کسی سے شادی کرلوں جس کو میں جانتی تک نہیں۔ابو! امی مذاق کر رہی ہیں نہ؟''

وہ بچی کھچی امید کے ساتھ عبید کی طرف لپکی۔

”کیوں کریں گے ہم تمہارے ساتھ اس طرح کا مذاق؟۔اتنا بہترین رشتہ ہم ہاتھ سے کیسے جانے دیتے۔ رشتوں کی کوئی کمی نہیں تھی ہمایوں کے بیٹے کو، ایک سے ایک امیر گھرانوں کے لوگ اپنی بیٹیاں دینے کو تیار تھے لیکن اس نے دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے مجھ سے تمہارا رشتہ مانگا۔اب کیا تمہاری فضول سی ضد کے پیچھے میں اتنے اچھے رشتے کو انکار کر دیتا“۔عبید نے بلند آواز میں کہا۔

”کیا آپ لوگوں نے مجھے اور بھائی کو گود لیا تھا جو ہم سے اتنی جلدی اکتا گئے“

سرخ چہرے کے ساتھ اس نے چیخنے کے سے انداز میں بلند آواز میں کہا۔آنسو تیزی سے اس کے گالوں پر گرتے چلے جا رہے تھے۔

”بھائی کو آپ نے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور اب ۔۔اب مجھے بھی اتنی دور بھیج رہے ہیں۔مجھے نہیں کرنی اتنی جلدی شادی۔ابو میں ۔۔

”بس کرو“عبید نے سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔غصے سے ان کی کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔

”اگر تم ایسا سمجھتی ہو کہ ہم نے تمہارے بھائی کو گھر سے نکالا ہے اور تم سے بھی چھٹکارہ پانا چاہتے ہیں تو ایسا ہی سہی۔لیکن اگر تم نے نکاح کے وقت کوئی بدمزگی کی تو میرا مرا منہ دیکھو گی“

وہ صاف گوئی سے کہتے ہوئے اپنی بیٹی کے چہرے پر آنے والے بے یقینی کے تاثرات دیکھے بغیر باہر چلے گئے۔

☆......☆......☆

”بھابھی یہ اریج پٹاخہ کہاں غائب ہے؟ سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھایا“ نور نے جلیس بھائی کی بیوی مدیحہ کے ساتھ کچن میں برتن دھلواتے ہوئے ان سے پوچھا۔

”پتا نہیں کافی دنوں سے یہی حال ہے اس کا۔اپنے کمرے میں بند رہتی ہے۔مجھ سے تو کہہ رہی تھی کہ نائن کلاس کی اسٹڈی بہت ٹف ہے اور بورڈ کے ایگزیمز بھی ہیں اسی لئے پڑھائی کا بہت برڈن ہے“

مدیحہ نے چائے کو کپوں میں ڈالتے ہوئے سرسری سے انداز میں بتایا۔

”ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔اریج پڑھائی کو سیریس لینے لگے؟ ناممکن“

”وہ تو نوال کی شاگردہ ہے جہاں جہاں نوال آفت، وہاں وہاں اریج پٹاخہ“

نور اپنے ہی کہے گئے جملے سے محظوظ ہوئی۔ ”خیر آپ پوچھیے گا اس سے۔ اتنے خطرناک طوفان کا ایک دم تھم جانا مجھے کچھ کھٹک رہا ہے“

”ہاں میں بات کرونگی اس سے فکر نہ کرو“

مدیحہ نے اسے تسلی دی اور چائے وغیرہ کی ٹرے ہاتھ میں تھامے دونوں کچن سے باہر آ گئی۔

سب کزنز لاؤنج میں جمع تو ڈانس پریکٹس کے لئے ہوئے تھے لیکن پوپ کارن اور دیگر لوازمات دیکھ کر سب بھول بھال کر اسنیکس کے ساتھ انصاف کرنے لگے۔

”اے جاسم کے بچے! کب سے چکن نگٹس پر ہاتھ صاف کر رہے ہو دوسروں کے لئے بھی تو چھوڑو“۔ فاطمہ نے بھائی کے ہاتھ پر زور سے چٹکی بھری۔

”چڑیل! مرد جتنی محنت کرتے ہیں انہیں بھوک بھی اتنی ہی لگتی ہے“

جاسم نے پلیٹ سے آخری نگٹ بھی منہ میں رکھتے ہوئے اپنے مرد ہونے کا ثبوت دیا۔

”اوہو بڑے آئے مرد۔ سب پتا ہے ہمیں تم لوگوں کی حرکات۔ دو سال پہلے جلیس بھائی کی مایوں میں بریانی کی دیگ اڑا لے گئے تھے۔ محنت تو بہت لگی ہوگی چھوٹے چھوٹے مردانہ ہاتھوں سے دیگ اٹھانے میں“

نوال نے اس کی مردانگی پر چوٹ کی اور زور کا قہقہہ لگایا۔

”اچھا بیٹا! اور تم لوگوں کو بھی یاد ہوگا جب نانا نے تم لڑکیوں کو صبح کی جھاڑ پلائی تھی کیونکہ تم لوگ بنا کسی کو بتائے ڈھیر سارا میک اپ کر کے مال میں گھوم رہی تھیں اور۔۔“

جاسم بھی جواب میں کوئی پول کھولنا چاہتا تھا کہ سحرش پھوپھو ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گئیں اور جاسم کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

”آج ہم جس مقام پر اور جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہیں ناں بیٹا! یہ سب امی ابو کی ہی بدولت ہے۔ ایک خاندان کو مضبوط بنانے میں میاں بیوی کا ہی ہاتھ ہوتا ہے۔ امی ابو نے کبھی ہم لوگوں میں فرق نہیں کیا۔ بچپن سے ہم نے بس یہی سیکھا ہے کہ اپنے سے جڑے رشتوں کو مضبوط سے مضبوط بنانے کے لئے اپنی

انا، اپنا ذاتی مفاد، خود غرضی سب قربان کر دو"۔ پھوپھو چائے کا گھونٹ بھرنے کے لئے رکیں پھر دوبارہ سب بچوں کو سمجھانے لگیں۔

"پتا ہے زیادہ تر لڑائیاں کس وجہ سے ہوتی ہیں؟"

انھوں نے رک کر سب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر خود ہی بتانے لگیں۔"بچوں کی وجہ سے۔ بچے آپس میں لڑ کر اپنے ماں باپ سے شکایت کرتے ہیں اور پھر ان کی امائیں آپس میں لڑنے کھڑی ہو جاتی ہیں یہ جانے بغیر کہ غلطی کس کی ہے اور یہاں سے دلوں میں فاصلے پیدا شروع ہونے لگتے ہیں اور یہ چھوٹی سی لڑائی بڑی لڑائیوں کو موقع فراہم کرتی ہے اور مستقل دوریوں کا سبب بنتی ہیں۔ بچوں کا کیا ہے وہ تو پھر سے دوستی کر لیتے ہیں مگر بڑے چاہے کتنے بھی گلے شکوے کر لیں دل میں ایک خلاسی رہ ہی جاتی ہے۔ اس لئے میرے بچوں! محبتوں کو قائم رکھنے کے لئے قربانیاں دینا سیکھو۔ ایک دوسرے کی ڈھال بن جاؤ۔ ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظرانداز کرو۔ تب جا کر کے بنتا ہے ایک مثالی گھرانہ"

سب خاموش بیٹھے ان کی باتوں کو سن رہے تھے۔ کوئی جبراً تو کوئی غور سے۔

سب کزنز خاموشی سے ان کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے۔

"اگر نوید کی شادی میں امی ابو ہوتے تو خوشیوں کو چار چاند لگ جاتے"۔ پھوپھو نے نم ہوتی آنکھوں کو دوپٹے سے رگڑا۔

"ارے امی! اب آپ خوشی کے موقع پر سب کو اداس مت کریں"

جاسم اپنی امی کے آنسو دیکھ کر جھنجھلایا۔

سحرش پھوپھو ایک دم ہنسی۔

"ارے بس یونہی یاد آ گئی ان کی"

"چلو شاباش سب پھوپھو کو اپنا اپنا ٹیلنٹ دکھاؤ کون کتنا اچھا ڈانس کر سکتا ہے"

نور ہاتھ جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ ماحول کی سنجیدگی کو ختم کرنے کا اسے یہی ایک حل نظر آیا۔

☆......☆......☆

اس کی تمام مذمتیں دم توڑ گئی تھیں کیونکہ کوئی اس کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا تھا۔اپنی امی کی آنکھیں بھی اسے اجنبی لگی تھیں۔اس نے خاموشی سے بہزاد نامی شخص سے نکاح کر لیا تھا اور وہ کرتی بھی تو کیا؟ کوئی بھی اس کے حق میں نہیں بولا تھا۔

''بیٹا آج سب سے آخری بار مل لو کیونکہ کل ہم تمہیں اپنے ساتھ لندن لے جا رہے ہیں۔بہزاد کے پیپرز کا مسئلہ تھا ورنہ تو وہی تمہیں ساتھ لے کر جاتا۔ویسے ایک ہی بات ہے اپنے شوہر کے ساتھ جاؤ یا اپنے ساس سسر کے ساتھ۔ہم بھی تو تمہارے اپنے ہیں''

رخسار کی ساس شیریں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے بڑی اپنائیت سے کہے جا رہی تھیں اور رخسار وہ تو خالی نظروں سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

کتنی عجیب اور ڈراونی بات تھی ناں کہ کچھ اجنبی لوگ اتنے دھڑلے سے اسے اپنا کہہ رہے تھے اور وہ اپنے جن کو وہ بچپن سے دیکھتی آئی تھی،اتنے اجنبی لگ رہے تھے کہ ان کی شکلیں بھی پہچان میں نہیں آ رہی تھیں۔

کئیں گھنٹوں کے سفر کے بعد اب وہ اپنے ساس سسر کے ساتھ ان کے گھر میں موجود تھی۔

''بہزاد کو فون کیا تھا میں نے۔کہہ دیا تھا میں نے اسے کہ ڈنر کے بعد تمہیں ہم گھر ڈراپ کر دیں گے''

شیریں کی بات پر وہ چونکی۔''کس کے گھر ڈراپ''؟

اس کے سوال پر شیریں ہنس دی۔

''تمہارے اور بہزاد کے گھر ڈراپ کرنے کی بات ہو رہی ہے۔اصل میں بہزاد ڈنر کے بعد جم جاتا ہے اور رات میں دیر سے آتا ہے اس لئے وہ تمہیں لینے نہیں آ سکے گا''

شیریں نے کافی کا کپ اسے تھماتے ہوئے سرسری سے انداز میں بتایا۔

''بہزاد اپنی ڈائیٹ کا بہت خیال رکھتا ہے۔صبح میں جاگنگ،رات میں جم۔بہت فٹ رکھتا ہے اپنے آپ کو ماشاءاللہ۔بھئی اپنی صحت کا خیال تو خود ہی رکھنا چاہیے۔آج کل کہاں اصلی غذا کھانے کو ملتی ہیں۔ذرا اپنے آپ سے غفلت برتی اور بس بیماریوں نے پکڑ لیا''

شیریں اپنے بیٹے کی تعریفیں،اس کی پسند،ناپسند سے رخسار کو آگاہ کر رہی تھیں لیکن رخسار کی ساری توجہ کافی

کے کپ سے اٹھتے دھوئے پر تھی۔ فیری ٹیلز ہیری پوٹر جیسی جادوئی دنیا سے کسی دیو نے اسے حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا تھا۔ 'حقیقت کی دنیا پر اسرار دنیا'

☆......☆......☆

میاسہ کے اپنے بھائی کی شادی میں کینیڈا سے آنے کے بعد ہلہ گلہ مزید بڑھ گیا تھا اور ان سب کے اصرار پر نوید ان سب کو باہر کھانا کھلانے پر راضی ہو گیا تھا۔

''چلو اٹھو! نوید بھائی سب کو ریسٹورنٹ لے جا رہے ہیں''

نوال نے اریج کے کمرے میں آ کر اسے تیار ہونے کو کہا۔

''آپ لوگ چلے جاؤ مجھے اسائمنٹس مکمل کرنے ہیں۔ میرے لئے پارسل کر لینا''

اریج نے پیپرز کا بنڈل اٹھا کر اپنے سامنے رکھا اور بنا نوال سے نظریں ملائے، جانے سے صاف انکار کر دیا۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ نائن کلاس ہی میں تو گئی ہو نہ کروڑوں کا بزنس تھوڑی جائن کیا ہے جو تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے۔ زیادہ ڈرامہ نہیں کرو اٹھو فورا''

نوال نے اسے سخت سست سنائی اور اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اٹھانا چاہا۔

''کیا پرابلم ہے؟ کہہ دیا میں نے کہ میں نہیں جا رہی تو کیوں زبردستی کر رہی ہو''

اریج نے بے دردی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ انداز میں اکتاہٹ تھی۔

پہلے تو نوال نے اسے بے یقینی سے دیکھا پھر بے یقینی پر غصہ غالب آ گیا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے اسائمنٹس۔ دوبارہ میرے منہ بھی مت لگنا'' وہ تن فن کرتی دروازہ دھاڑ سے بند کرتی چلی گئی اور پیچھے اریج اسے آوازیں دیتی رہ گئی۔ آنسو اس کے چہرے کو بھگانے لگے۔

''میں نے جو غلطی کی ہے ناں نوال آپی اس کے بعد مجھے کوئی حق نہیں کہ میں آپ جیسے پیارے لوگوں کے بیچ بیٹھ سکوں''

☆......☆......☆

"السلام علیکم اینڈ گڈ مارننگ مائی ڈیئر اسٹوڈنٹس۔ میرا نام حاشر عبید ہے۔ حال ہی میں نے اسی یونیورسٹی سے ماسٹرس کیا ہے اور مجھے اپنی تعریف تو نہیں کرنی چاہیے لیکن آپ لوگوں کی جان کاری کے لئے میں بتادوں کہ میں اس یونیورسٹی کا برائٹ اسٹوڈنٹ رہا ہوں اس لئے مجھے ٹیمپورری طور پر لیکچرار رکھ لیا گیا۔ اور جب تک کوئی بڑی عمر کے مجھ سے زیادہ ایکسپرینس اینڈ سخت قسم کے ٹیچر نہیں مل جاتے تب تک آپ لوگ مجھے جھلیں گے" حاشر نے اپنے نظر کے چشمے کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

لڑکیاں پلکیں جھپکائے بغیر اپنے نئے، ینگ اور انتہائی ڈیسنٹ اور گڈ لکنگ ٹیچر کو دیکھ رہی تھیں۔ اپنا تعارف کروانے کے بعد وہ ہر ایک اسٹوڈنٹ سے ان کے نام پوچھنے لگا۔

"جی اور آپ کا نام؟"

حاشر نے خاموش بیٹھی ڈیسک کو گھورتی ہوئی لڑکی کو مخاطب کیا لیکن سامنے سے کوئی جواب نہ موصول ہونے پر ہلکا سا کھنکارا مگر وہ لڑکی اسی طرح بت بنی بیٹھی رہی۔

ساتھ بیٹھی فریحہ نے اس کا بازو ہلایا تو وہ اچانک کسی خواب سے بے دار ہوئی۔ "کہاں غائب ہو؟ سر تم سے کچھ پوچھ رہے ہیں"

فریحہ نے اسے آنکھ کے اشارے سے حاشر کی موجودگی کا احساس دلایا۔ وہ ہڑبڑا کر اپنی سیٹ سے کھڑی ہوگئی۔

"اٹس اوکے آپ ایزی ہو کر بیٹھ جائیں اتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں"

سر حاشر نے اس کی گھبراہٹ پا کر اسے اطمینان سے بیٹھے رہنے کو کہا۔

"وہ میں۔۔۔ آئی ایم سوری سر میرا دھیان کہیں اور تھا" اس لڑکی کے کنفیوز چہرے کو دیکھ کر حاشر ہلکا سا ہنسا

"تو اس کا مطلب مجھے اپنا تعارف پھر کروانا پڑے گا؟"۔ اسنے سوالیہ آئی برو اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

فریحہ فوراً بول پڑی

"سر کوئی بات نہیں میں اسے آپ کے بارے میں سب بتادونگی"

"دیٹس گڈ"

عارض نے فریحہ کو کہا پھر دوبارہ اس لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ ”آپ کا نام؟“

”اربش اربش مشتاق“۔ دھیمے لہجے میں جواب دیا گیا۔

”دو دفعہ اربش اربش؟“

سر کے سنجیدہ سے سوال پر کلاس میں دبی دبی ہنسی کی آوازیں سنائی دیں۔

”نہ۔۔نہیں ایک ہی دفعہ ہے۔اربش مشتاق“

وہ لڑکی پہلے سے زیادہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئی تھی۔

”سوا اربش !اگر آپ کا دھیان اسی طرح بھٹکا رہا تو آپ کے گریڈس پر برا اثر پڑ سکتا ہے اس لئے آئندہ خیال رکھیے گا“ حاشر نے اسے مفت مشورہ دیا اور دوسروں سے بات کرنے لگا۔

اربش اپنی بے دھیانی پر افسوس کرتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

شیریں اسے بہزاد ہمایوں ہاؤس میں ڈراپ کر کے چلی گئی تھیں اور رخسار اب بڑے سے لاؤنج کے بیچ و بیچ کھڑی ویران اور وحشت زدہ گھر کو دیکھ رہی تھی۔

سب سے پہلے اسے اپنا کمرہ ڈھونڈنا تھا۔وہ لاؤنج سے ہوتی ہوئی ایک ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکنے لگی۔اس کا سامان کہی نہیں تھا۔

سارے کمرے چھان مارنے کے بعد آخر کار اسے اپنا کمرا مل ہی گیا۔اس کے سوٹ کیس بیڈ پہ پڑے تھے جو وہ پاکستان سے لائی تھی۔

اس نے اپنا ہینڈ بیگ بھی بیڈ پہ رکھا پھر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

کمرے کی ہر چیز ان چھوئی لگ رہی تھی جیسے کوئی اس کمرے میں رہ ہی نہ رہا ہو۔وارڈ روب میں بھی صرف اسی کے کپڑے ٹنگ رہے تھے جو اسے سسرال کی طرف سے دیئے گئے تھے۔اسے کچھ کھٹکا لیکن اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹکتی واپس لاؤنج میں چلی آئی اور صوفے پر بیٹھ کر سامنے ٹیبل پہ رکھے میگزین کو پڑھنے لگی۔اسے وہاں بیٹھے چند لمحے ہی گزر رہے تھے کہ اچانک بھاری قدموں کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔رخسار ایک دم کھڑی اپنی

جگہ سے کھڑی ہوئی اور سامنے سے آتے شخص کو ایک ٹک دیکھنے لگی۔

بلیک جینز، ڈھیلی ٹی شرٹ کے اوپر بلیو جینز کوٹ پہنے وہ لاؤنج سے گزر رہا تھا کہ رخسار کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ بکھرے بال، مغرور کھڑی ناک اور نیلی آنکھوں والا وہ لمبا چوڑا لڑکا اسے ایک شہزادے کی مانند ہی لگ رہا تھا۔

ایک اچٹتی نظر اس نے رخسار کے سادہ شلوار قمیص پر ڈالی اور بھاری آواز میں انگریزی میں اس سے پوچھا۔

''تم کون؟''

''میں۔۔۔میں وہ'' رخسار کو سارے الفاظ بھول گئے۔

''کیا بکری کی طرح میں میں لگا رکھا ہے۔ صاف صاف بتاؤ کون ہو تم اور گھر میں کیسے آئی؟'' بہزاد نے تیز لہجے میں کہا۔

''میں رخسار''

لرزتی آواز میں اس نے جواب دیا۔

''اوہ'' بہزاد کے ہونٹوں پہ ایک دم زہریلی سی مسکراہٹ پھیلی۔

''تو تم وہ رخسار ہو جس کا پاکستان میں مجھ سے نکاح ہوا تھا''

وہ حقارت بھری نظروں سے اسے ایسے ہی دیکھ رہا تھا جیسے ظالم بادشاہ کسی میلے لباس میں ملبوس سوالی کو۔

''تو مس رخسار۔۔۔! اگر تمہیں اپنی عزت نفس کا خیال ہے تو کہیں اور اپنا بندوبست کر لو اور اگر تم یہیں یعنی کہ بہزاد ہمایوں کے گھر رہنا چاہتی ہو تو یہ یاد رکھنا کہ میں نے تم سے نکاح ڈیڈ کے کہنے پر کیا ہے۔ سو پلیز مجھ سے کسی قسم کی آس لگا کر اپنے آپ کو ہلکان مت کرنا'' وہ بے پرواہی سے کہتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا پھر کچھ سوچ کر مڑا اور رخسار کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا۔

''اور ایک بات اور''

انگلی اٹھا کر اس نے دھمکانے کا سا انداز اپنایا ''اگر تم نے موم ڈیڈ کو میرے متعلق الٹا سیدھا کچھ بھی کہا تو اپنے کہے کی تم خود ذمہ دار ہونگی۔ کیونکہ میں پھر وہ کروں گا تمہارے ساتھ جس کے بارے میں تم بھول کر بھی سوچ نہیں سکتیں''

رخسار کے کانوں میں وہ بہت سے دھماکے کر کے اپنے روم میں چلا گیا اور وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی پھر صدمے کی سی کیفیت میں سر پکڑ کر صوفے پہ گر سی گئی۔ اتنی ذلت، اتنی بے عزتی۔ کتنا کڑوا لہجہ تھا اس شخص کا۔

''ابو آپ نے کس شخص کے حوالے کر دیا مجھے'' بہت سے آنسو خاموشی کے ساتھ اس کے رخساروں سے لڑھکتے ہوئے اس کے قمیص کے دامن میں جذب ہو گئے۔

شہزادہ ہی تو تھا وہ۔ لیکن مغرور، بے حس، بدتہذیب و بداخلاق شہزادہ۔

☆......☆......☆

اریج اپنے کمرے میں بیٹھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔ دروازے پر دستک دے کر مدیحہ بھابھی اندر داخل ہوئیں۔

''تم رو رہی ہو؟''

انھوں نے اریج کے مقابل بیٹھ کر اس کے چہرے کا تفتیشی جائزہ لیا۔

''نہیں وہ۔۔میں بس ایسے ہی''

اریج نے اپنے گالوں کو ہتھیلی سے رگڑ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں اتنی پریشان رہنے لگی ہو۔ سب کو تمہارا کٹا کٹا سا رویہ تفتیش میں مبتلا کر رہا ہے۔ ہم سب کو تمہاری یہ خاموشی تکلیف دے رہی ہے''

انھوں نے بہت محبت سے بال کی کھال نکالنے کی کوشش کی۔

''بھابھی بس پڑھائی کی ٹینشن۔۔۔

مدیحہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تم اتنی بزدل تو نہیں کہ نائن کلاس کی پڑھائی تمہیں ڈسٹرب کر دے۔ کیا تمہارے نزدیک میری اتنی بھی اہمیت نہیں کہ تم مجھ سے کچھ شیئر کرو۔ ہاں؟''

مدیحہ نے اسے ہلکا پھلکا سا اموشنل بلیک میل کیا تو وہ جو حلق تک بھری بیٹھی تھی ان کی بات پر رونے لگی۔

''ارے ہوا کیا ہے بتاؤ تو''

بھابھی نے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''بھابھی میں نے بہت غلط کردیا ہے۔آپ لوگ مجھ پر اتنا بھروسہ کرتے ہیں اور میں نے۔۔۔

اس کی آواز اب سسکیوں میں بدل رہی تھی۔ مدیحہ کے دل نے اس کی بات پر خطرے کی گھنٹی بجائی لیکن بظاہر پرسکون چہرے کے ساتھ انھوں نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔''اب ریلیکس ہو جاؤ اور شروع سے بتاؤ کہ کیا بات ہے''۔

اریج نے کانپتے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر ایک سانس میں ختم کیا پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''ہماری اسکول بس میں سیکنڈ ایئر کا ایک لڑکا بھی پڑتا ہے سعد نام کا۔ جب بھی میں بس میں چڑھنے لگتی تھی وہ مخلص بندے کی طرح میرا بیگ تھام لیتا تاکہ میں آرام سے چڑھ جاؤ۔وہ مجھے دیکھ دیکھ کر مسکراتا، مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرتا لیکن میں نے اسے کبھی لفٹ نہ کرائی۔ لیکن پھر ایک دن میرے فون پر اس کا میسج آیا نہ جانے کہاں سے اسے میرا نمبر ملا۔ وہ روز مجھے میسج کرنے لگا اسلامک قسم کے۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے میسج مت کیا کرو لیکن اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اس کا مجھ سے رابطہ ختم ہو اور سچ تو یہ تھا کہ میں بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ مجھ سے بات کرنا بند کردے۔اسی طرح ہمارے درمیان دن رات باتیں ہونے لگیں اور ایک دن اس نے مجھے آئی لو یو کا میسج کیا اور اور میں نے آئی لو یو ٹو کا''

کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی البتہ مدیحہ بھابھی کی آنکھیں پھٹی ہوئیں اور منہ آدھا کھلا ہوا تھا (یعنی حیرت زدہ چہرہ)

''میں نے اسے اپنی بہت سی تصویریں بھی بھیجیں''

بھابھی کو مزید ایک جھٹکا اور لگا۔

''اور پھر یہاں سے سعد کی خباثت کا آغاز ہوا'' اریج کے آنسوؤں میں ایک بار پھر روانی آ گئی۔

''وہ مجھے انتہائی گھٹیا اور فحش میسجز کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر اس نے دوبارہ مجھے ایسے میسجز کیے تو میں اس سے رابطہ ختم کردونگی مگر میری بات کو اس نے مذاق میں اڑا دیا اور دھمکی دی ہے کہ اسکول ری اوپن ہونے سے پہلے اگر میں اس سے ملنے نہ گئی تو وہ اپنے ساتھ کچھ کر بیٹھے گا اور یہ کہ اس کے دوست اس سے بہت

محبت کرتے ہیں اور اگر انھیں یہ پتا چلا کہ اس کی اس حالت کی ذمہ دار میں ہوں تو وہ لوگ پورے اسکول، فیس بک اور ہر جگہ میری تصویریں اور میسجز پھیلا کر مجھے بدنام کر دیں گے"

اریج اپنی بات مکمل کر کے ایک بار پھر بھابھی سے لگ کر رونے لگی۔ "آئی ایم سوری بھابھی مجھ سے غلطی ہوگئی۔اب میں کیا کروں پلیز میری مدد کریں۔پلیز بھابھی"

مدیحہ اسے تھپکتے ہوئے کچھ سوچتی رہی پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں

"اس لڑکے کو میسج کرو کہ تم اس سے ملاقات کے لئے تیار ہو"

☆......☆......☆

"دیکھا تم نے ہمارے نئے سر کی پرسنیلٹی؟ کتنے اچھے اور کائنڈ ہیں اور ہم سے چار پانچ سال ہی بڑے ہونگے" فریحہ آنکھوں میں چمک لیے حاشر کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی۔

"ہوں" اربش نے جبراً مسکراتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

"اف اربش! اب تو نکل آؤ اپنے ماضی سے۔جو ہونا تھا ہوگیا۔اپنے آپ کو تکلیف دینے سے ماضی غائب نہیں ہوسکتا۔تمھاری لاف لائنز مٹ رہی ہیں۔تم جو میری باتوں پر مسکراتی ہو تو صاف پتا لگتا ہے کہ صرف میرا دل رکھنے کو یہ مشکل اسٹنٹ کر رہی ہو"

فریحہ کے شکوے بڑھتے جا رہے تھے۔

"مجھ سے نہیں مسکرایا جاتا فریحہ۔جب بھی میں خوش رہنے کی کوشش کرتی ہوں تو میرے ذہن میں ماضی کا قصہ گھوم جاتا ہے۔تم نہیں سمجھ سکتیں اس اذیت، اس تکلیف کو جو انسان بے گناہ ہو کر بھی خاموشی سے برداشت کرتا ہے" اربش کے آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔تکلیف اس کے ہر لفظ میں عیاں تھی۔

"تم دعا کرنا میرے لئے کہ میں بھی کسی دن پھر دل سے مسکرا سکوں"

اربش نے التجائی نظروں سے فریحہ کو دیکھ کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"میری دعاؤں میں تم ہمیشہ شامل رہو گی" فریحہ نے اسے یقین دلایا۔

☆......☆......☆

رخسار کو بہزاد ہمایوں ہاؤس میں دو دن گزر چکے تھے اور ایک بار بھی اس نے بہزاد سے کوئی بات نہیں کی تھی اور بہزاد، وہ تو ویسے بھی اسے گھر کی کوئی ملازمہ سمجھ رہا تھا۔ ان دو دنوں میں وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی کہ اسے اپنا فیوچر سکیور کرنے کے لئے اب کیا کرنا ہے۔ وہ مزید ذلت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ بہت سی ہمت جمع کر کے وہ بہزاد کے کمرے کے سامنے آ رکی اور کانپتے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔

"کم ان"

کمرے کے اندر سے مردانہ آواز آئی۔ رخسار نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ ایک خوشگوار سی پرفیوم کی مہک کمرے میں پھیلی تھی۔

بیڈ پر نیم دراز مغرور شہزادہ کانوں سے ایئر فونز نکال کر دروازے پہ کھڑی رخسار کو دیکھنے لگا۔

"میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں"

رخسار نے مضبوط لہجے میں اس سے کہا۔

"اگر تم مجھ سے یہ کہنے آئی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا تمہیں کیوں نہ اپنایا بلا بلا تو الٹے قدموں واپس مڑ جاؤ کیونکہ میں ان فضول سے سوالوں کے جواب دینے کے موڈ میں بالکل نہیں"

بہزاد بے زاری سے کہتا ایئر فونز اپنے کانوں میں واپس ٹھونسے لگا۔

"میں آپ کے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتی ہوں"

رخسار کا لہجہ اب بھی مضبوط تھا۔ بہزاد کے کانوں میں ایئر فونز ڈالتے ہاتھ رکے۔ ناسمجھی سے اس نے رخسار کی طرف دیکھا۔

"کیسی ڈیل؟"

رخسار نے گہری سانس لی اور دو دن کے جمع کیے الفاظ بہزاد کے گوش گزار کرنے لگی۔

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ سے رشتہ ختم کر کے اس گھر سے اور آپ کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے چلی جاؤں تو اس سب کے لئے مجھے اپنے پیروں پہ خود کھڑا ہونا پڑے گا اور اس کے لئے مجھے اپنی پڑھائی مکمل کرنی ہو گی تاکہ مجھے کوئی عزت دار جاب مل جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ میرا یہاں یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرا دیں"

ایک سانس میں رخسار نے سارا پلان اس کے سامنے رکھ دیا۔

"تمہیں مجھ سے پیسے چاہیے ہیں؟" بہزاد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے آپ سے قرض چاہیے" رخسار نے بھی اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مجھے جاب ملتے ہی میں آہستہ آہستہ آپ کا دیا ہوا قرض ادا کر دونگی"

بہزاد اس کی بات پہ بے اختیار ہنسا

"اتنا آسان لگتا ہے تمہیں یہ سب؟ ڈری سہمی، پردہ نشیں دیسی لڑکی مردوں کے بیچ جاب کرے گی اور قرض اتارتی پھرے گی؟ امیزنگ"

اسنے مذاق اڑانے کے سے انداز میں رخسار کو داد دی اور پھر منہ میں بڑبڑایا۔

"ایک لمبی خواری"

وہ اس کی بڑبڑاہٹ پا کر ایک لمحے کو اپنے لئے گئے فیصلے کے بارے میں سوچنے لگی۔ کیا اسے فوراً ایسی جاب مل جائے گی کہ وہ قرض ادا کر سکے کیونکہ اچھی جاب کے لئے اچھا خاصہ تجربہ اور کانفیڈنس چاہیے ہوتا ہے اور دونوں چیزوں کی اس میں کمی تھی جسے وہ جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے دل میں اللہ کو یاد کیا اور دھیمے لہجے میں انگلیاں مروڑتے اس نے بہزاد سے کہا۔

"آپ اس کی فکر مت کیجیے۔ بات میری عزت نفس پر آ گئی ہے اور مجھے میری عزت نفس بہت عزیز ہے اور اپنی عزیز چیز کی حفاظت کے لئے میں کسی نہ کسی طرح اپنا بندوبست کر لونگی۔ بس مجھے آپ یہ یقین دلا دیں کہ آپ میری اس ڈیل پر راضی ہیں"

رخسار اب اس کی رضامندی کے انتظار میں تھی۔

بہزاد خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اس کی نیلی گہری دلکش آنکھیں جو کسی کے بھی حواس باختہ کرنے کے لئے کافی تھیں، رخسار کو بری طرح کنفیوز کر گئیں۔ اس کے پیروں کی لرزش بڑھنے لگی۔

ایک ثانیے کی خاموشی کے بعد بہزاد کی آواز ابھری۔

"میں تمہاری ڈیل کو قبول کرنے کو تیار ہوں لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔ ہماری سیپریشن کا ملبہ مجھ پر نہیں

کرنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ موم ڈیڈ مجھ پہ شک کریں اور میری پرسکون زندگی میں کوئی ڈسٹربنس ہو۔ تم ہی ان کے آگے جواب دہ ہو گی مجھے نہیں گھسیٹو گی منظور ہے؟''

بہزاد نے اطمینان سے اپنا پہلو بچا لیا۔

''منظور ہے''

رخسار نے بلا توقف کہا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ کچھ کچھ سمجھ گئی تھی کہ بہزاد اپنی شخصیت سے میچ کرتی کسی شہزادی کا منتظر تھا یا شاید کسی شہزادی کو وہ دل دے چکا تھا۔

☆......☆......☆

''اربش! آپ میرے پیریڈ میں آگے بیٹھیں گی''

فریحہ سے کچھ ڈسکس کرتی اربش اپنا نام پکارے جانے پر چونک کر حاشر کو دیکھنے لگی۔

''میرے لیکچر دینے کے بعد میں کسی بھی وقت آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ پوری کلاس کو پھر سے میرا دیا گیا لیکچر سمجھائیں'' حاشر پرسکون انداز میں اربش کے نروس چہرے پر نظر جمائے کہہ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ یہاں سب برائٹ اسٹوڈنٹس بیٹھے ہیں لیکن میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا کیونکہ۔۔۔

کلاس میں کسی دل پھینک لڑکی نے حاشر کی بات کاٹ دی۔

''کیونکہ اربش! تم نے ہمارے اتنے ہینڈسم سر کی باتوں پر دھیان نہیں دیا تھا'' آگے بیٹھے تمام اسٹوڈنٹس کے سر اس بے باک لڑکی کو دیکھنے کے لیے مڑے جو بڑی ہی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے سارے دانت دکھا رہی تھی۔

''مس! جو بھی آپ کا نام ہے، اگر آپ ٹیچرز کے لیکچرز کی جگہ ان کی ہینڈسم نیس میں زیادہ انٹرسٹ دکھائیں گی تو عین ممکن ہے کہ آپ کو بھی یہاں کھڑے ہو کر میرا سمجھایا گیا ٹاپک دوبارہ سمجھانا پڑے''

حاشر کا بظاہر مسکراتے ہوئے کہا گیا جملہ اس لڑکی کو شرمندہ کر گیا۔ کلاس میں قہقہوں کی آوازیں گونج گئیں۔

''سر میں پوری توجہ سے لیکچرز سننے کی کوشش کرونگی'' اربش نے اسے یقین دلایا۔ اسٹوڈنٹس کا اس کی طرف متوجہ ہونا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"میں کیسے مان لوں کہ آپ پورے دھیان سے لیکچرز سنیں گی؟ ٹیسٹ تو دینا پڑے گا"

حاشر نے مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

کچھ عجیب تھا ان آنکھوں میں۔ اربش کا دل زور سے دھڑکا۔

☆......☆......☆

مدیحہ بھابھی کے کہنے پر اریج نے سعد کو پیزا ہٹ میں ملنے کو بلا لیا تھا لیکن مدیحہ نے اس کے ساتھ کوئی پلان نہیں بنایا تھا کہ کیا کہنا اور کرنا ہے۔

بوکھلائے ہوئے چہرے اور لرزتے جسم کے ساتھ اس نے پیزا ہٹ میں قدم رکھا۔ سامنے ہی وہ فاتحانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھ رہا تھا۔ آخر کار چڑیا اس کے بچھائے گئے جال میں پھنس گئی تھی۔ اریج ڈرتے ڈرتے اس کی جانب بڑھی۔ ہر ایک قدم پہ اس کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زمین میں دھنستی جا رہی ہو۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ وہ الٹے قدموں واپس بھاگ جائے لیکن اب ایسا کرنا ناممکن تھا کیونکہ وہ اسے آتے دیکھ چکا تھا۔

وہ بہت سست روی سے اس تک آئی اور مقابل صوفے پر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ تین خوبرو نوجوان بھی اسی وقت ان دونوں کے ساتھ آ بیٹھے۔ دو لڑکوں نے اریج کو اپنے درمیان میں بٹھا لیا اور ایک لڑکا سعد کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جہاں سعد کے چہرے کی ہوائیاں اڑیں، اریج کی آنکھیں بھی بے یقینی سے پھیل گئیں۔

وہ تینوں اریج کے بڑے بھائی تھے۔ بہت نارمل سے انداز میں وہ بیٹھے اور نوید نے سعد کے کندھوں پر بازو پھیلا لیا۔

"ہماری بہن کو تم نے لاوارث سمجھ رکھا تھا کہ تم اسے دھمکاؤ گے اور وہ تمہاری ہر بات ماننے پر تیار ہو جائے گی۔ ہوں؟"

بظاہر بڑے پرسکون چہرے مگر سلگتی آنکھوں کے ساتھ جلیس نے اسے گھورتے ہوئے ہر لفظ چبا چبا کر کہا۔

اریج اپنی جگہ پر سن ہو چکی تھی اور رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی۔

"تو آپ کی بہن نے بھی تو مجھے میسجز کیے تھے۔ میں اکیلا تو مجرم نہیں ہوں۔ اگر یہ مجھے ریپلائی نہ کرتی تو بات

اتنی بڑھتی ہی نہیں'' سعد نے بہت ہوشیاری سے توپوں کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔

اریج نے اپنا سر جھکا لیا۔اسکے اندر اپنے بھائیوں کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں بچی تھی۔

''ہمیں اریج سب کچھ بتا چکی ہے اور سارے میسجز بھی پڑھا چکی ہے کہ کس طرح تم نے اسے ٹریپ کیا۔ تمہاری اور اس کی باتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا''

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم میسجز ڈیلیٹ کرتی رہی ہو؟''

سعد نے بے یقینی سے اریج کو دیکھ کر کہا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ اگر تم اسے بے وقوف بنا سکتے ہو تو کیا یہ تمہیں نہیں بنا سکتی؟''

نوید نے اطمینان سے کہتے ہوئے اس کے کندھے سے نادیدہ گرد صاف کی۔

''اپنا فون نکالو''

حمدان نے اپنی ہتھیلی آگے بڑھا کر سعد سے اس کا فون مانگا۔''کیا؟''وہ بری طرح بوکھلایا۔

''وہی جو تم نے ابھی سنا''

حمدان نے مسکراتے ہوئے کہا۔اسنے پہلے تو ان تینوں کے چہروں پہ باری باری نظر دوڑائی پھر جیسے ہار مان کر فون حمدان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اریج!سارے میسجز،تصویریں سب کچھ ڈیلیٹ کر دو''

حمدان نے فون اریج کی طرف بڑھایا۔

اس نے اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر لرزتے ہاتھوں سے فون تھام کر سب کچھ مٹا ڈالا اور فون ٹیبل پر رکھ دیا۔

''آئندہ اگر تم اریج کے آس پاس بھی بھٹکے تو یہ اپنے خبیث ذہن میں بٹھا لینا کہ اس کے تین عدد بھائی ابھی زندہ ہیں'' جلیس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کی۔

حمدان نے اپنی بہن کا ہاتھ تھاما اور چاروں پیزا ہٹ سے نکل گئے۔

☆......☆......☆

بہزاد نے ڈیل کے مطابق موم ڈیڈ سے رخسار کے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کی بات کی تھی اور وہ دونوں اس کے اس فیصلے پر خوش تھے۔ البتہ بہزاد کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ رخسار کا داخلہ بھی اسی کی یونیورسٹی میں ہو گیا تھا۔ مجبوری کے تحت اسے رخسار کو اپنے ساتھ یونیورسٹی لے جانا پڑ رہا تھا لیکن وہ اسے آدھے راستے ہی میں اتار دیتا۔ وجہ یہی تھی کہ کوئی اس سیدھی سادھی لڑکی کو اس نیلی آنکھوں والے شاندار شخص کے ساتھ نہ دیکھ لے۔

رخسار ایک لمبا راستہ پیدل طے کرتی۔ صبر کے ساتھ، خاموشی کے ساتھ۔ کچھ حاصل کرنے کے لئے وہ اتنا تو کر ہی سکتی تھی۔

''ہیلو آئی ایم رداء۔ آپ پاکستان سے ہیں ناں؟''

رخسار یونیورسٹی کے پہلے دن کی پہلی کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد اپنے بیگ میں کتاب رکھ رہی تھی جب کسی رداء نامی لڑکی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

رخسار نے شلوار قمیص کے اوپر عبایا کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پہ سلیقہ سے اسکارف باندھا ہوا تھا۔

''جی میں پاکستان سے ہی ہوں''

رخسار نے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ ادھر لندن میں ہی رہتی ہیں یا پڑھنے آئی ہیں؟''

رداء نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔ رخسار نے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھا پھر مسکرا کر جھوٹ گھڑا۔

''میں پاکستان سے یہاں پڑھنے آئی ہوں۔ اپنے آنٹی انکل کے ساتھ ان کے گھر میں رہ رہی ہوں''

اف کتنا مشکل تھا اس کے لئے جھوٹ بولنا۔

''اور آپ؟'' رخسار نے بھی اس سے مروتاً پوچھ ڈالا۔

''میں تو یہاں ہی رہتی ہوں اپنی فیملی کے ساتھ۔ اوہ، بائی دی وے آپ کا نام کیا ہے''

''رخسار عبید''

''سو رخسار! کیا تم میرے ساتھ یونیورسٹی کا دورہ کرنے چلو گی''

''شیور''

رخسار نے خوش دلی سے اس کی آفر قبول کی اور اس کے ساتھ کلاس سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

حاشر کا فارمولا کام کر گیا تھا۔ اربش لیکچرز غور سے سننے لگی تھی۔ ماضی کی تلخ یادوں کو جھٹکنے میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوگئی تھی۔

روز کی طرح آج بھی تمام اسٹوڈنٹس ان کا پیریڈ اٹینڈ کرنے کے لئے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے لیکن آج حاشر کی جگہ کوئی درمیانی عمر کا ٹیچر کلاس میں داخل ہوا۔

"ایکسکیوز می سر! معذرت کے ساتھ آپ سے دریافت کرنا چاہ رہا تھا کہ سر حاشر کیوں نہیں آئے؟ خیریت؟" کلاس کے کسی لڑکے نے نئے ٹیچر سے حاشر کی غیر حاضری کی وجہ پوچھنا چاہی۔

"حاشر عبید کو کہیں اور جاب مل گئی ہے۔ آج سے میں آپ لوگوں کا پرمننٹ ٹیچر ہوں اور میرا نام کاشف ہے" سر کاشف نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

اربش نے بے اختیار اپنا ہاتھ دل پہ رکھا۔ فریحہ نے اس کی اس حرکت کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

"ویسے یار! سر حاشر لیکچر بہت اچھا دیتے تھے۔ ایک بار میں ہی سمجھ آجاتا تھا"

وہ دونوں فری پیریڈ میں درخت کی چھاؤں میں بیٹھی تھیں جب اچانک فریحہ کو حاشر کا خیال آیا۔

اربش نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور سامنے دیکھتی رہی۔

"تم انہیں پسند کرتی ہوناں؟"

فریحہ کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ اربش اسے چونک کر دیکھنے لگی پھر اگلے ہی لمحے قدرے سنبھل کر بولی۔

"وہ تو سبھی کو پسند تھے"

"ارے یار! میں نے کئی دفعہ نوٹ کیا تھا کہ ان کی نظر بار بار تم پر پڑتی تھی لیکن ان آنکھوں میں فریب تو بالکل نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو وہ تمہارے علاوہ دوسری لڑکیوں کو بھی دیکھتے ان سے فری ہوتے۔ مجھے تو کچھ گڑبڑ لگتی ہے" فریحہ نے انگلی سے اپنی تھوڑی بجائی پھر شرارت سے اربش کے شانے سے اپنا شانا ٹکرایا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ فریحہ! بولنے سے پہلے سوچ تو لیا کرو کہ تم کیا بولنے جارہی ہو۔ ایسا کچھ نہیں ہے اور میں

ان کے بارے میں ایسا ویسا کچھ نہیں سوچتی'' اربش ایک دم کھڑی ہوئی اور غصے سے اسے ڈپٹنے لگی۔

''ہمیں کسی کے دل کا حال نہیں پتا ہوتا اور آج کے زمانے کے لوگ فریب بھی اتنی سچائی سے دیتے ہیں کہ ہم ان کی اداکاری کو پکڑ ہی نہیں پاتے۔ اگر کوئی واقعی ہی کسی کے لئے سچے جذبات رکھتا ہے تو وہ اسے عزت کے ساتھ اپنا بنا لیتا ہے۔ وقتی جذبات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی کیونکہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتے ہیں اسی لئے ہمیں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ ان کا اور ہمارا ساتھ اتنا ہی تھا اور کچھ دنوں بعد وہ ہمارا نام تک بھول جائیں گے کہ کون فریحہ اور کون اربش'' تیزی سے بولنے کی وجہ سے اسے اپنی سانس پھولتی ہوئی محسوس ہوئی غالباً فریحہ سے زیادہ اس نے اپنے آپ کو سمجھایا تھا۔

''اگر اب تم نے دوبارہ مجھ سے ایسی کوئی فضول بات کی تو میں یونیورسٹی ہی چھوڑ دونگی''

''اچھا نا اب کچھ نہیں کہوں گی۔ اتنا بھی کیا غصہ کرنا۔ غلطی ہوگئی مجھ سے بھئی معاف کر دو''

فریحہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اربش سے معذرت کی تو وہ ڈھیلی پڑ گئی۔

''اب چلو کلاس کے لئے دیر ہو رہی ہے''

فریحہ اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے لئے آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

''آپ لوگ گھر چلے جائیں میں اریج کے ساتھ قریب والے آئس کریم پارلر تک جا رہا ہوں۔ بھابھی کا حکم تھا کہ آتے وقت سب کے لئے آئس کریم لیتا آؤں''

حمدان اپنے بڑے بھائیوں کو گھر چلے جانے کا کہہ کر اریج کو لیے آئس کریم پارلر چلا آیا لیکن پارسل کا آرڈر دینے کے بجائے وہ ٹیبلوں کی طرف بڑھا اور کونے والی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ مجبوراً اریج کو بھی بیٹھنا پڑا۔

حمدان نے آئس کریم کا آڈر دیا اور کچھ منٹوں بعد ویٹر آئس کریم ان کی ٹیبل پر رکھ کے چلا گیا۔

''آئس کریم کھالو پگھل جائے گی۔ کیوں میرے حلال پیسوں سے خریدی آئس کریم کو ضائع کر رہی ہو''

حمدان نے سر جھکائے بیٹھی اریج کو مخاطب کیا اور چمچ بھر کے اس کی آئس کریم کا بھی لطف لینے لگا۔

اریج ایک دم رونے لگی۔

”بھائی! یہ فون آپ رکھ لیں۔ مجھے نہیں چاہیے۔ میں اس لائق نہیں کہ اتنی بڑی غلطی کے بعد اسے اپنے پاس رکھوں“ اریج نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور فون اپنے سے پرے کھسکا دیا۔

حمدان چند لمحے اریج کو روتا دیکھتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

”غلطی تو تم نے کی ہے اریج! اور کون عام انسان غلطی نہیں کرتا؟۔ مجھ سے بھی کئی غلطیاں ہوئیں ہیں لیکن سمجھدار انسان وہی ہوتا ہے جسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ اسے اپنے کیے پر شرمندگی ہو، اپنی غلطی کو درست کرنے کی کوشش کرے اور دوبارہ وہ وہی غلطی دھرانے سے باز رہے“

خاموش ہو کر اس نے اپنی پگھلتی آئس کریم کا چچ لیا پھر ہلکے پھلکے انداز میں دوبارہ کہنے لگا۔

”تم نے سمجھداری والا کام کیا کہ مدیحہ بھابھی سے اپنی پریشانی شیئر کی۔ گھر والوں پر بھروسہ کیا، ہم سے مدد مانگی۔ بھائی ہوتے کس لئے ہیں اپنی بہنوں کی حفاظت کے لئے“

پھر کچھ سوچ کر ہنسا۔

”تمہیں کیا لگا؟ ہم تمہیں گھر میں قید کر لیں گے یا تم پر بے جا پابندیاں لگائیں گے؟۔ کوئی دودھ کا دھلا نہیں ہوتا۔ اگر بھائی اپنی بہنوں کو ان کی غلطیوں پر پیار سے سمجھانے کے بجائے مارنے پیٹنے لگیں تو وہ باغی ہو جائیں گی اور رہی سہی معصومیت بھی کھو دیں گی اور پھر انہیں ہر آدمی ایک ہی جیسا لگے گا، جلاد، وحشی اور ناقابل بھروسہ۔ رشتے طاقت سے نہیں محبت سے تھامے جاتے ہیں“ حمدان نے محبت سے اسے ہر بات سمجھا دی تھی۔

”آئی ایم سوری بھائی! میں دوبارہ کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کرونگی“ اریج نے اسے یقین دلایا۔

”گڈ۔ اب تم اپنی پڑھائی پہ دھیان دو، اپنی زندگی کو حدود میں رہتے ہوئے انجوائے کرو۔ باقی صحیح وقت آنے پر اریج پٹاخہ کو کوئی ایٹم بوم مل ہی جائے گا“

حمدان نے مزے سے کہا تو وہ اس کی بات پر ہلکے سے ہنس دی۔ ایک بوجھ اس کے کندھوں پر سے ہٹ گیا تھا۔ اس نے کتنا غلط غلط سوچا تھا لیکن اس کے بھائیوں نے مارنا تو دور، اسے گھور کر بھی نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی اسے ایک اچھا خاصہ سبق مل گیا تھا اور اس نے دوبارہ فون کے غلط استعمال سے توبہ کر لی تھی۔

☆......☆......☆

بہزاد جاگنگ سے آنے کے بعد اپنا فون اور پانی کی بوتل ڈائننگ ٹیبل پر رکھ جاتا تھا تاکہ ناشتہ کر کے وہیں سے فون اٹھا کر یونیورسٹی کے لئے نکل جائے۔ یہ اس کے روز کا معمول تھا جس سے رخسار اچھی طرح واقف ہو چکی تھی مگر کبھی کبھی انسان سے انجانے میں کوئی نا کوئی بھنڈ ہو ہی جاتا ہے۔

"اف دھیان کہاں ہوتا ہے میرا۔ ناشتہ کرنے بیٹھ گئی، بیگ تو کمرے میں ہی بھول آئی۔ ابھی وہ مسٹر جلاد آجائیں گے اور مجھے بیگ لانے تک کی مہلت بھی نہیں دیں گے"

رخسار نے اپنے سر پہ چپت لگائی اور جلدی سے اٹھ کر جانے ہی لگی تھی کہ اچانک کرسی سے اس کا پیر ٹکرایا۔ خود کو بچانے کے لئے اس نے بے اختیار پلیٹ پر ہاتھ رکھا، پلیٹ ہاتھ سے آگے کھسکی، بہزاد کے فون سے ٹکرائی اور۔۔۔ رخسار کا دل بیٹھ گیا۔ فون فرش پر اوندھے منہ گر چکا تھا اور سکرین چور ہو گئی تھی۔

"یا اللہ! یہ میں نے کیا کر دیا۔ اتنا مہنگا فون توڑ دیا۔ آج تو وہ مجھے کچا ہی چبا جائیں گے"

رخسار اپنے آپ کو کوستی ہوئی فرش پر بیٹھ کر تیزی سے فون کے بکھرے پرزے اٹھانے لگی تھی کہ اس کے ہاتھ ایک دم تھم گئے۔

بہزاد اس کے سر پہ کھڑا لب بھینچے اپنے ٹوٹے ہوئے فون کو دیکھ رہا تھا۔ رخسار بوکھلا کر کھڑی ہوئی

"م۔۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا مجھ سے غلطی سے۔۔۔ اس کی آواز رندھ گئی، آنکھوں میں بہت سا نمکین پانی اتر آیا۔

بہزاد نے خاموش نظروں سے رخسار کو دیکھا اور جھک کر اپنا فون اٹھایا۔

"فون ہی تھا، ٹوٹ گیا۔ تم سے نہیں تو مجھ سے ٹوٹ جاتا"

عام سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے فون سے اپنی سم نکالی پھر رخسار کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"اپنا فون دو"

چہرے پہ بس سنجیدگی تھی۔

رخسار ایک دم گڑبڑا گئی۔ "میں کیوں اپنا فون۔۔۔

بہزاد اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"اب جب تک میں نیا فون نہیں لے لیتا، عارضی طور پر تو کوئی فون اپنے پاس رکھوں گا ناں۔ خیر زبردستی نہیں ہے۔ اپنا فون نہیں دینا چاہتی ہو تو صاف صاف کہو۔ میں جلاد کی طرح بالکل پیش نہیں آؤں گا"

رخسار نے بے اختیار تھوک نگلا (انھیں کیسے پتا چلا کہ میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ان کو جلاد کہا تھا۔ خیر ہے خود بھی جانتے ہیں خود کو اچھی طرح) اس نے اپنی سوچوں کو جھٹک کر بہزاد کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو ایک نظر دیکھا پھر بے دلی سے اس کے ہاتھ میں اپنا فون تھما دیا۔

بہزاد نے اس کے فون سے سم نکال کر اپنی لگا دی اور جیب میں ڈال کر آگے بڑھنے لگا تھا کہ رخسار کی آواز پر رکا مگر مڑا نہیں۔

"مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کا اتنا قیمتی فون بے کار کر دیا" آواز میں شرمندگی تھی۔

"مجھ سے معافی کیوں مانگ رہی ہو؟ قرض اتارو گی ناں میرا، فون کے پیسے بھی اسی میں جوڑ لینا"

طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہوا وہ باہر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

رخسار اس کی بات پر جھنجھلا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

کوئی دھندلا سا اک چہرہ میری آنکھوں میں رہتا ہے

کوئی بھٹکا سا اک جگنو میرے خوابوں میں رہتا ہے

اک مانوس سی آواز مجھے سونے نہیں دیتی

کوئی الجھا سا اک جملہ میری یادوں میں رہتا ہے

حاشر صوفے پر لیٹا آنکھیں بند کیے گنگنا رہا تھا جب اس کا دوست جو فلیٹ میں اس کے ساتھ رہتا تھا، اس کے مقابل صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

"خیریت تو ہے بھائی؟ کس کی یادوں میں کھو کر گنگنایا جا رہا ہے؟"

فرقان نے خوشگوار لہجے میں اس سے پوچھا۔

اس کی بات پر حاشر ہلکا سا مسکرایا۔ آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری۔

''یار! میں اسے بھول نہیں پا رہا۔اس کی ویران آنکھیں، معصوم چہرہ۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے، میری سمجھ سے باہر ہے'' حاشر نے چھت کو گھورتے، الجھے ہوئے سے انداز میں کہا۔

''تمہاری بیماری کی علامات کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم محبت جیسی سنگین بیماری کا شکار ہو چکے ہو اور اس کا علاج محبوب کی نظر کرم ہے''

فرقان نے کتابوں میں پڑھی گئی شعر کی تشریح کا آج استعمال کر ڈالا تھا۔

''فرقان! میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں''

بالآخر اس کے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

''وہ پہلی لڑکی ہے جو مجھے دل سے پسند آئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آخری بھی وہی ہو''

''ہوں۔۔۔تو کیا تم اکیلے اس کے گھر پروپوزل لے کر جاؤ گے؟ اور اگر اس کے گھر والوں نے تمہارے والدین کے بارے میں پوچھا تو کیا جواب دو گے کہ اپنے ابو سے لڑ کر گھر چھوڑ آئے ہو؟''

فرقان نے سنجیدگی سے اس سے سوال کیا۔

''نہ میں ابو سے لڑا ہوں اور نہ ہی میں نے خود گھر چھوڑا تھا''

حاشر ایک دم اٹھ بیٹھا اور تیز لہجے میں فرقان کو ٹوکا۔

''میں صرف اپنی محنت سے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا تھا اور کیا غلط تھا اس میں؟ لیکن ابو چاہتے تھے کہ میں اپنی پڑھائی چھوڑ کر ان کے ساتھ بزنس جائن کر لوں۔ ایک بار صرف ایک بار میں نے ان سے اپنی خواہش ظاہر کی تو پتا ہے انھوں نے مجھ سے کیا کہا کہ اگر میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو پوری طرح کھڑا ہوں۔ اپنی یونیورسٹی کا خرچ بھی خود اٹھاؤں اور رہنے کا بندوبست بھی خود کروں۔ شاید وہ اسی انتظار میں تھے کہ کب میں ان کے فیصلے پر انکار کروں اور وہ مجھے گھر سے نکال دیں اور مڑ کر میرا حال تک نہ پوچھا۔ شاید میں ان کا سگا تھا ہی نہیں'' حاشر کی ضبط سے آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔ اتنا آسان تو نہیں ہوتا، ماضی کی تلخ یادوں کو زبان سے دھرانا۔

''میں نے جتنا سفر کیا ہے یہ میرا دل جانتا ہے۔ پھوپھو کے گھر رہنا، یونیورسٹی کی فیس بھرنے کے لئے

اسکول میں پڑھانا، کال سینٹر میں جاب کرنا، انسٹیٹیوٹ میں پڑھانا۔ دن رات ایک کیے ہیں میں نے تب جا کر کے مجھے میری پسندیدہ جاب ملی ہے اور یہ گھر، اس کی انسٹالمنٹس بھی پتا نہیں کب تک بھرتا رہونگا" حاشر نے ایک نظر اپنے فلیٹ کو دیکھا۔

"اتنا آسان نہیں تھا یہ سب۔ جب اتنا سب کچھ میں اکیلے کر سکتا ہوں تو اس کے گھر رشتہ لے کر بھی جا سکتا ہوں۔ کوشش کرنا میرا کام ہے، باقی اگر وہ میرے نصیب میں ہو گی تو مجھے مل جائے گی"

حاشر نے اپنی بات مکمل کر کے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں مسلنے لگا۔

"اچھا تو پھر اس کا مطلب ہے کہ مجھے یہ گھر چھوڑنا پڑے گا"

فرقان نے مصنوعی سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔

"جی بالکل ایسا ہی ہے" حاشر نے بھی اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ارے یار پھر سے ماموں کے گھر؟"

فرقان نے سر کھجا کر مسکین چہرہ بنایا۔ حاشر کو اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

☆......☆......☆

مایوں سے دو دن پہلے نور، نوال، فاطمہ پارلر سے مہندی لگوا چکی تھیں اور اب چاروں مدیحہ بھابھی کے کمرے میں بیٹھی ڈراونی فلم دیکھ رہی تھیں۔

بھوت کے آنے کے آثار نظر آتے تو پہلے ہی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیتیں کہ کہیں بھوت کے اچانک سامنے آنے پر ہارٹ ہی نہ فیل ہو جائے۔

اریج بھی چپس کے پیکٹس لے کر کمرے میں داخل ہوئی اور نوال کے پہلو میں آ کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

نوال نے اس کی طرف خوشگوار حیرت سے دیکھا۔

"اوہو بیگم اریج! کیسے آنا ہوا ہمارے غریب خانے میں؟ اتر گیا بھوت نائن کلاس کا"

اریج گہری سانس لے کر ہنسی۔

"شکر ہے اللہ کا بہت بڑا بھوت سر سے اتر گیا ہے"

”کیسا بھو۔۔۔
”ششششش! چپ کرو دونوں ابھی فلم میں بھی بھوت آنے والا ہے۔کنسنٹریٹ“
فاطمہ نے ان دونوں کو واپس مووی کی طرف متوجہ کیا۔
ان چاروں کا پورا دھیان ٹی وی کی اسکرین پر تھا جب اچانک دروازہ بجا اور ان چاروں کی ڈر کے مارے چیخیں ہی نکل آئیں۔
”توبہ ہے۔کیا ہو گیا؟ میں ہوں“
مدیحہ نے کمرے کی لائٹ کھولتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔
”نور! چلو بھئی تمہارا بلاوا آیا ہے“
”میرا بلاوا؟ خیریت؟“
نور نے الجھے ہوئے سے انداز میں پوچھا۔
”وہ بات یہ ہے کہ نوید بھائی کی منگنی میں جس آنٹی نے آپ کو دیکھتے ہی سوچ لیا تھا کہ یہی لڑکی میرے گھر کے برتن دھوئے گی، وہ آج اپنی سوچ کو سچ کرنے آ گئی ہیں“
مدیحہ نے شرارت سے کہا پھر مزید بتانے لگیں۔
”ان کو پتا لگا کہ تم لوگوں کی فیملی یہاں ہے تو وہ لوگ بھی یہیں آ گئے“
نور کا دل ایک دم ڈوب کے ابھرا
”بھابھی میرا جانا ضروری ہے؟ انھوں نے تو مجھے دیکھ رکھا ہے ناں“
”ان کے ساتھ، انکا بیٹا بھی آیا ہے اور تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتا ہے“
مدیحہ بھابھی نے مسکرا کر اس کے سر پہ ایک اور دھماکہ کیا۔انکی بات پر اریج وغیرہ نور کی شکل دیکھ کر زور سے ہنسیں۔
”بھئی۔۔میں وہاں نہیں جا رہی۔کتنا عجیب لگے گا ان لوگوں کے سامنے جا کر بیٹھنا“
نور نے اپنا منہ دوپٹے میں چھپا کر ناگواری سے کہا۔

”نور! ناٹک بند کرو اور اٹھ جاؤ فوراً ورنہ وہ لوگ خود چل کر تمہارے پاس آجائیں گے“

بھابھی نے اسے ذرا ڈپٹا تو وہ برا سا منہ بنا کر کھڑی ہوگئی۔

”اصلی ڈراؤنی فلم تمہارا ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہی ہے“

فاطمہ شرارت سے بولی تو وہ اسے گھور کر، پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

حناء آنٹی اور ان کے بیٹے ارحم کے جانے کے بعد نور کو کسی پل بھی چین نہیں آ رہا تھا کیونکہ ان لوگوں نے اسے پسند کر لیا تھا اور بیٹے کے چائنہ جانے سے پہلے ان دونوں کی منگنی کر دینا چاہتے تھے۔

وہ اسی سوچوں میں گھری بیٹھی تھی جب کمرے میں زرمینہ داخل ہوئیں اور اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

”یہاں اکیلی بیٹھی کیا سوچ رہی ہو؟ باہر آ کے سب کے ساتھ بیٹھو۔ سب بچوں نے لاؤنج میں محفل جمع رکھی ہے“ امی نے اس کے کھوئے کھوئے سے چہرے کا بغور جائزہ لے کر کہا۔

”امی! کیا آپ لوگوں نے حناء آنٹی کو ہاں کر دی ہے؟“

نور نے کارپٹ پر نظریں جمائے، دھیمے لہجے میں زرمینہ سے سوال کیا۔

”پاگل لڑکی! تمہاری مرضی کے بغیر ہم تھوڑی ہاں کر دیں گے۔ زندگی تو تمہیں گزارنی ہے۔ تمہاری ہاں میں ہماری ہاں اور تمہارے انکار میں ہمارا انکار“

امی نے پیار سے کہہ کر اس کے چہرے پہ آئی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔

”اگر تم ابھی منگنی کے لیے راضی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہمیں کوئی جلدی نہیں لیکن بیٹا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ کافی اچھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہیں وہ“

امی کی بات کو سن کر اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا اور گہری سی سانس لی۔ ایک انجانا سا ڈر اسے کم ہوتا محسوس ہوا تھا۔

☆......☆......☆

”ماشاءاللہ اتنا بڑا گھر ہے۔ اسے صاف کرتے کرتے تو میری کمر جواب دے جائے گی“

رخسار لاؤنج میں وائپر کرتے ہوئے رک رک کر اپنی کمر بھی ساتھ ساتھ دبا رہی تھی۔ ایک تو صبح سے جاگی ہوئی تھی اور دوسرا اسے بہزاد پہ بلاوجہ کا غصہ بھی آ رہا تھا۔

''ایسا نہیں کہ میری صفائی میں مدد ہی کر دیں۔ چلو مان لیا کہ میں انھیں اچھی نہیں لگتی۔ خیر ہے۔ مجھے بھی وہ ذرا پسند نہیں مگر گھر۔۔ یہ تو انھی کا ہے ناں۔ اسی کا ذرا خیال کر لیں لیکن نہیں۔۔ گندے جوتے لے کر لاؤنج میں دندناتے پھرتے ہیں۔ آدھا دن گھر سے باہر رہتے ہیں اور آواروں کی طرح رات گئے گھر میں آتے ہیں۔ پتا نہیں ماں باپ ایسے غیر ذمہ دار بچوں کی شادیاں اتنی جلدی کیوں کر دیتے ہیں۔

''ہنہ۔ بس ہو گئی صفائی''

اس نے آخر کار تھک کر وائپر سائیڈ پہ رکھ دیا اور اپنی گردن کو دائیں بائیں کر کے ہلکی پھلکی سی ایکسرسائز کی۔

تکلیف اسے گھر کی صفائی کرنے پہ بالکل نہیں تھی بس دل اس انجان گھر اور انجان سے شخص کی وجہ سے چڑچڑاہٹ و اکتاہٹ کا شکار تھا۔ گھر کی صفائی کرنے کے لیے بھی تو گھر اپنا سا لگنا چاہیے۔

اس کی نظر دیوار پہ لگی گھڑی پہ پڑی۔

''اوہ اتنا ٹائم ہو گیا ہے۔ عشاء کی نماز بھی اب تک نہیں پڑی۔ پہلے ایسا کرتی ہوں کہ نہا لیتی ہوں تا کہ مائنڈ تو ذرا فریش ہو''

رخسار اپنے آپ سے باتیں کرتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچی۔ استری شدہ سادہ سا سوٹ الماری سے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بالکل فریش ہو کر تولیہ سر پر لپیٹے باتھ روم کے دروازے تک آئی، دروازے پر لگا ہینڈل گھمایا اور۔۔ اس کا دماغ بھی چکرا کر رہ گیا۔ ہینڈل ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔

''اف اب یہ کیا ہو گیا؟''

رخسار نے ہاتھ میں تھامے ہینڈل کو افسوس سے دیکھا۔

''کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیوں چیزیں ٹوٹ رہی ہیں مجھ سے۔ جتنی ہر چیز سے بیزار ہوں اتنی ہی پرابلمز آئے جا رہی ہیں۔ یہ میرا سکون کہاں جا کر سو گیا ہے؟؟''

وہ اپنی پوری طاقت سے دروازے کو دھکا دینے لگی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

''اب میں باہر کیسے نکلوں گی؟ گھر میں تو کوئی بھی نہیں ہے''

رخسار نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا پھر اس امید کے ساتھ کہ شاید بہزاد گھر آ گیا ہو وہ زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی اور پیٹتی ہی رہی۔

بہزاد آدھی رات کو باہر سے گھوم پھر کر گھر آیا اور لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ کر فون استعمال کرنے لگا۔ کچھ لمحے ہی سرکے تھے کہ اس کے کانوں میں کوئی چیز دھڑ دھڑانے کی آواز آئی۔ اس نے غور سے اس آواز کو سنا۔ وہ رخسار کے کمرے کی جانب سے آ رہی تھی۔

''اوہ مین''

وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا اور بھاگتے ہوئے اس کے کمرے تک پہنچا۔ باتھ روم کا دروازہ اب تک زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

''رخسار تم اندر ہو؟ کیا ہوا ہے''

بہزاد نے باتھ روم کے قریب پہنچ کر فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

''دروازے کا ہینڈل ٹوٹ گیا ہے''

رخسار کی نم آواز سنائی دی۔ کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی پھر اس خاموشی کو بہزاد نے توڑا، وہ بھی اپنے بلند بانگ قہقہوں سے۔

''تو بیچارے ہینڈل کو ہلکے ہاتھ سے گھماتیں''

اس نے اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے بمشکل جملہ ادا کیا۔

رخسار ایک دم سلگ اٹھی۔

''آپ کو مذاق لگ رہا ہے؟ میں تین گھنٹے سے اس حبس زدہ باتھ روم میں بند ہوں اور آپ ہنس رہے ہیں؟''

''اچھا، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے''

بہزاد کو رخسار کے غصے نے مزید مزا دیا۔

''میڈم! غلطی تمہاری ہی ہے۔ جب جانتی تھیں کہ گھر میں کوئی نہیں ہے تو فون اپنے ساتھ لے کر جانا چاہیے تھا''

''میرا فون آپ کے پاس ہے''

رخسار نے دانت پیس کر کہا۔

ایک دم بہزاد کی مسکراہٹ سمٹی، ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا اور ساتھ ہی اپنی یاداشت کو بھی کوسا۔

''تھوڑا اور انتظار کرو، میں کچھ کرتا ہوں''

وہ سنجیدگی سے کہتا کمرے سے باہر گیا اور چند منٹوں بعد ٹول باکس لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ دو تین اوزار نکال کر جھک کے لاک کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی سی محنت کے بعد دروازہ کھل چکا تھا۔

کاٹن کے سادہ سے لباس میں ملبوس وہ باتھ روم سے باہر آئی۔ سر پہ اب تک تولیہ بندھا تھا، ماتھے پر پسینے کی کچھ بوندیں چمک رہی تھیں اور آنکھیں اور گال گلابی ہو رہے تھے۔ بہزاد نے ایک گہری نظر اس کے حال پر ڈالی پھر مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

''اگر فون واپس چاہیے تھا تو ڈائیریکٹ مجھ سے مانگ لیتیں، اتنا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

بہزاد کے کڑوے لہجے پر رخسار نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں صرف ایک فون کے لیے اپنے آپ کو تین گھنٹے تک باتھ روم میں بند رکھوں گی؟''

''ہو بھی سکتا ہے۔ آج کے زمانے میں کسی کی بات کا یقین کرنا بہت مشکل ہے''

بہزاد نے کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہا۔

رخسار کے تو سر پہ لگی، تلووں پہ بجھی لیکن پھر بھی قدرے ضبط سے بولی۔

''صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔ اس زمانے کے لوگ بہت دوغلے ہیں، اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ۔ لیکن اب معصوم لوگوں کو کون سمجھائے کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی''

وہ ایک کاٹ دار نظر بہزاد پر ڈالتی کمرے سے نکل گئی۔

بہزاد اسے جاتا دیکھتا رہا پھر اپنے گھنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر دھیرے سے ہنسا

''ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی، کچھ ہیرے بھی ہو سکتے ہیں۔لیکن معصوموں کو کون سمجھائے''

☆......☆......☆

حاشر نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کے سلام پھیرا پھر اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔

دائیں طرف دوسری صفت میں اربش کے بڑے بھائی فیصل اسے نماز پڑھتے ہوئے دکھ گئے تھے۔غالباً وہ مسجد میں ذرا تاخیر سے پہنچے تھے اس لئے اپنی نماز مکمل کر رہے تھے۔

''شکر ہے۔فرقان نے جو معلوم کیا وہ بالکل ٹھیک نکلا۔اربش کے بھائی مسجد میں ہی مل گئے۔لیکن بات کا آغاز کیسے کروں؟ کیا ان کے سلام پھیرنے تک مسجد میں بیٹھوں یا۔۔نہیں باہر کھڑے رہ کر انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے'' حاشر صبح صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی اربش کے گھر کی قریب والی مسجد پہنچ چکا تھا کیونکہ تین چار دن کی جاسوسی کے بعد فرقان نے اسے بتایا تھا کہ وہ باقاعدگی سے فجر کی نماز اس مسجد میں پڑھتے ہیں۔

حاشر اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے جو اس کو آفس کی طرف دی گئی تھی، اربش کے بھائی کا انتظار کر رہا تھا جب وہ مسجد سے اپنے سے کئی زیادہ عمر میں بڑے شخص سے باتیں کرتے ہوئے نکلے۔

حاشر ایک دم سیدھا ہوا۔

کچھ منٹوں کی باتوں کے بعد جب وہ اس شخص سے مصافحہ کر کے اپنی گھر کی طرف پلٹے ہی تھے کہ حاشر موقع پا کر فوراً ان کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ اس نے اپنا دایاں ہاتھ مصافحے کے لئے ان کی طرف بڑھایا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! آپ۔۔؟''

فیصل بھائی نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا اور سوالیہ نظروں سے حاشر کی جانب اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

حاشر سفید شرٹ اور گرے پینٹ میں ملبوس ایک پڑھا لکھا، صاف ستھرا، اچھے گھر کا ڈیسنڈ سا بندہ لگ رہا تھا۔بال جیل لگا کر سلیقے سیٹ کیے ہوئے تھے۔

”میں۔۔میرا نام حاشر عبید ہے۔یہیں ایک یونیورسٹی (یونیورسٹی کا نام بتایا) کے قریب ہی فلیٹ میں رہتا ہوں۔آپ یقیناً اربش کے بڑے بھائی ہیں۔ہیں ناں؟“

فیصل بھائی نے اپنی ابرو کو ذرا سی جنبش دی۔

”جی میں اربش کا بھائی ہوں لیکن آپ اربش کو کیسے جانتے ہیں؟ دوست ہیں اس کے؟“

حاشر ایک دم گڑبڑایا۔

”نہ۔۔نہیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔اربش میری دوست نہیں ہیں۔دراصل وہ یونیورسٹی میں میری اسٹوڈنٹ رہ چکی ہیں“

”اوہ اچھا اچھا۔استاد ہیں آپ اس کے“

”استاد تھا۔ابھی میں ایک نامور کمپنی میں جاب کرتا ہوں“

”ہوں۔۔تو حاشر صاحب! بتائیں، میں کیا مدد کرسکتا ہوں آپ کی“

فیصل بھائی اب اہم مدعے پہ آچکے تھے۔حاشر نے ایک گہری سانس لے کر اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

”میں وہ دراصل آپ سے ایک بات کرنا چاہتا تھا۔جانتا ہوں کہ ان باتوں کے لئے گھر کے بڑے آتے ہیں لیکن۔۔۔پھر بعد میں بھی تو آپ مجھ سے ہی بات کرنے کی خواہش کرتے تو اس لئے میں خود ہی آپ کے پاس آگیا“

”کوئی بات نہیں۔میں سمجھ سکتا ہوں۔ہاں یہ باتیں ذرا بڑے بوڑھو کو دیر میں سمجھ آتی ہیں۔باتیں بھی بنتی ہیں مگر میرے بوڑھا ہونے میں ابھی کافی وقت ہے تو مجھے دوست سمجھ کر کھل کے بات کرو“

فیصل بھائی سمجھ گئے تھے کہ حاشر کس مقصد کے تحت آیا تھا اسی لئے انھوں نے دوستانہ لہجہ اپنانے کی کوشش کی

حاشر بھی سر جھکا کر ہلکا سا ہنسا۔

”میں وہ۔۔میں اربش سے شادی کا خواہش مند ہوں“

یہ جملہ کہہ کر اس نے اپنی رکی سانس بحال کی۔

”اچھا۔۔اچھی بات ہے۔اگر برا نہ مانیں تو میں آپ کے ماں باپ وغیرہ اور آپ کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں“

حاشر کو ایسے ہی سوالوں کی امید تھی اور وہ ان کے لئے پہلے سے ہی تیار تھا۔وہ کچھ نہیں چھپانے والا تھا ان سے سب کچھ سچ سچ بتانے کے لئے تیار تھا۔

وہ فیصل بھائی کے ساتھ ساتھ ہلکے ہلکے چلتا گیا اور اپنی اگلی پچھلی ساری کہانیاں ان کو سنا ڈالیں۔

انھوں نے حاشر کی تمام باتیں غور سے سنیں پھر رک کر اس کی طرف پورا گھومے۔

”مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے جو سچ ہے وہ کہا بلا جھجک اور رہی بات رشتے کی تو میں پہلے اس بارے میں اپنے گھر والوں سے مشورہ کروں گا پھر ہی تمہیں کوئی جواب دے سکوں گا“

”جی جیسا آپ بہتر سمجھیں۔یہ میرے نمبر ہیں اور یہ میرے آفس کا کارڈ۔آپ جب چاہیں مجھے ان نمبرز پہ کال کر سکتے ہیں“

حاشر نے ایک پرچے پہ اپنے فون نمبر لکھ کر آفس کے کارڈ سمیت فیصل بھائی کو تھما دیا۔

”ہوں۔۔ٹھیک ہے۔گھر آؤ ناں چائے ناشتہ کرو ہمارے ساتھ“

”ارے نہیں۔جزاک اللہ۔بس اب مجھے چلنا ہوگا۔آفس پہنچنا ہے وقت پر“

حاشر نے ایک بار پھر گرم جوشی سے ان سے ہاتھ ملایا اور ان کا ہاتھ پکڑے رکھ کر امید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

”میں آپ کے جواب کا منتظر رہونگا۔السلام اعلیکم!“

”وعلیکم السلام“فیصل بھائی نے بھی ہلکے سے سر کو جنبش دے کر سلام کا جواب دیا اور حاشر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلے جانے تک وہی کھڑے رہے۔

☆......☆......☆

”اللہ اللہ کر کے تو رشتہ آیا ہے اربش کا اور اب بھی آپ اتنا سوچ رہے ہیں۔تو کیا ہوا وہ اپنے والدین کے ساتھ نہیں رہ رہا، چھوٹی موٹی لڑائیاں تو ہر گھر میں ہوتی رہتی ہیں۔ماں باپ ہیں وہ اس کے، کب تک ناراض

رہے گا" اربش کی بھابھی نیلم، اپنے شوہر کو اربش کے لیے آئے رشتے پر راضی کر رہی تھیں۔

"آپ نے لڑکے کے بارے میں پتا تو کیا ہے۔ پڑھا لکھا ہے، شریف ہے، اچھی نوکری ہے، گھر بھی اپنا ہے اور کیا چاہیے۔ ویسے بھی گزرے دنوں میں کتنا سہا ہے بچی نے۔ اب اگر اچھا رشتہ آ گیا ہے تو یونہی تھوڑی ہاتھ سے جانیں دیں گے"

انہوں نے تحمل سے اپنی بیوی کا مشورہ سنا پھر سنجیدگی سے کہا

"میں اس بارے میں پہلے اربش سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے کمرے میں بھیجو"

نیلم ان کے حکم پر سر ہلاتی ہوئیں کمرے سے باہر چلی گئیں اور کچھ منٹوں بعد اربش کمرے میں داخل ہوئی۔

"آپ نے بلایا تھا بھائی؟"

"ہاں بیٹھو!"

بھائی نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اس پر ٹک گئی۔

"اربش! تمہارے لیے رشتہ آیا ہے"

انہوں نے بغیر کوئی تمہید باندھے بات شروع کی۔ اربش کا دل انکے سپاٹ جملے پر زور سے دھڑکا۔

"میرا رشتہ؟"

وہ بالکل بے یقین تھی۔

"ہاں۔ لڑکے کا نام حاشر عبید ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ تم یونیورسٹی میں اس کی اسٹوڈنٹ رہ چکی ہو اور یہ کہ وہ تم سے شادی کا خواہش مند ہے"

بھائی سنجیدگی سے کہتے ہوئے فون استعمال کرنے لگے۔

اربش کے چہرے پہ ایک دم سے کئی رنگ پھیل گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کیا حاشر کے دل میں اس کے لیے اس قدر سچے جذبات تھے کہ وہ اس کے گھر رشتہ لے آیا۔ اس کے دل میں اٹھنے والی خواہش اتنی جلدی پوری ہونے جا رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے، کیا کرے۔ ہنسے کہ روئے یا پھر بھائی کے سامنے سے اٹھ کر بھاگ جائے۔

”کیا تم اس رشتہ پر راضی ہو؟“

فیصل بھائی کی آواز پر وہ ایک دم چونکی پھر لہجے کو نارمل کر کے دھیمے سے بولی۔

”جو آپ لوگوں کو صحیح لگے“

پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال ابھرا

”لیکن بھائی! کیا آپ نے انہیں ہمارے لاہور سے کراچی آنے کی وجہ بتائی تھی؟“

”نہیں میں نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ وہاں جو ہوا تھا، ان سب یادوں کو وہیں رہنے دو۔ اب ان سب پرانی باتوں کو بھول جاؤ اور دوسروں کو بھی مت یاد کراؤ اور مجھے امید ہے کہ تم حاشر یا کسی کو بھی کچھ نہیں بتاؤ گی۔۔ بالکل بھی نہیں“

وہ قطعی لہجے میں کہہ کر واپس اپنے فون پہ مشغول ہو گئے۔

اربش مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ گئی لیکن وہ مطمئن نہیں تھی اسے کسی نہ کسی طرح نکاح ہونے سے پہلے ہی اسے سب کچھ بتا دینا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ بعد میں حاشر کو کہیں اور سے جھوٹی بات پتا لگے۔ اس سے پہلے ہی وہ سچ بتا دینا چاہتی تھی مگر کیسے؟

☆……☆……☆

آج شام کو نوید کی دلہن، کرن کی مایوں تھی۔ گھر کے سب بڑے صبح ہی صبح جاگ چکے تھے البتہ نور کے علاوہ تمام کنوارے سر منہ لپیٹے سو رہے تھے۔

ایسے میں نور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی مورننگ شو دیکھ رہی تھی جب مدیحہ بھابھی ہاتھ میں زیور کا ڈبہ لیے اس کے پاس آئیں۔

”نور یہ باکس امی کے کمرے میں دے آؤ۔ تمہاری امی اور سحرش خالہ وغیرہ بھی ادھر ہی موجود، کرن کو آج دینے والی چیزیں دیکھ رہی ہیں۔ میں ذرا سعود کو کھانا کھلا دوں۔ اس نے رو رو کر میرے سر میں درد کر رکھا ہے۔

وہ اسے جیولری باکس تھما کر اپنے دو سالہ بیٹے کو کھانا کھلانے چلی گئیں۔ نور، باکس اٹھا کر گنگناتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی، اسکا موڈ ہمیشہ کی طرح خوشگوار تھا۔

مہوش پھوپھو کے کمرے کے سامنے رک کر وہ دروازہ کھولنے ہی والی تھی کہ اندر سے آتی آوازوں پر وہ وہیں جم گئی۔اس کا چہرہ اچانک زرد پڑنے لگا اور دل کو کئی دھچکے لگے۔بات ہی کچھ ایسی ہو رہی تھی کمرے میں کہ اس کے اندر جانے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔وہ اپنے قدموں پر واپس مڑ گئی اور ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔وہ اریج کا کمرہ تھا۔

نور نے اندھیرے کمرے میں آ کر ایک نظر اریج کو دیکھا،وہ بے خبر سو رہی تھی۔

اس نے جویلری باکس ٹیبل پر پٹخا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

آنکھوں میں ضبط کئے آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے لڑی لڑی بہہ نکلے۔

اس کی شروع سے یہی عادت تھی،چھپ چھپ کے رونے کی۔کبھی باتھ روم میں چھپ کر روتی تو کبھی تکیہ میں منہ دے کر۔وہ اپنے غموں کا اشتہار نہیں لگاتی تھی۔بہت صبر تھا اس میں لیکن آج صبر کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی قیمتی چیز کوئی شخص اس کے ہاتھوں سے چھین کر لے جا رہا ہو اور اسے احتجاج کرنے کا حق بھی حاصل نہ ہو۔وہ زور زور سے چیخنا چاہتی تھی۔سب کو سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی لیکن پھر اچانک اس کے کانوں میں سحرش پھوپھو کے کہے گئے الفاظ گونجنے لگے۔

محبت،قربانی،مضبوط خاندان،ایک دوسرے کے لیے جینے اور مرنے والے۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے رشتوں میں ذرا سا بھی بال پڑے۔

اس نے اپنے دل کو سمجھایا،منہ پر پانی کے کئی چھپاکے مارے،اور اپنے حواس بحال کرنے لگی۔تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دوبارہ پھوپھو کے کمرے تک پہنچی اور دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔سب اب تک وہاں موجود تھے۔

”پھوپھو یہ مہوش بھابھی نے بھجوایا ہے“

نور نے انکے قریب باکس رکھا پھر اپنی امی کو مخاطب کیا۔

”امی!اگر آپ لوگ حناء آنٹی کے پروپوزل پر مطمئن ہیں تو پھر مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔آپ لوگ جو بھی فیصلہ ہمارے لیے کریں گے وہ بہتر ہی ہوگا“

وہ بنا کسی سے نظر ملائے، بے تاثر لہجے میں کہتی کمرے سے باہر نکل گئی۔کتنی اچھی اداکارہ تھی وہ، کسی کو شک کا موقع بھی نہیں دیتی تھی۔

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھائی، پھر مہوش پھوپھو نے آگے بڑھ کر زرینہ کو گلے سے لگالیا۔

"مبارک ہو بھئی! نور رشتے کے لیے مان گئی۔

اب ایسا کریں گے کہ نوید کے ولیمے میں نور کی منگنی کی رسم بھی ادا کردیں گے۔گھر ہی کی تو بات ہے"

مہوش پھوپھو نے تو منگنی کا پلان بھی ساتھ کے ساتھ بنا ڈالا۔

"یہ تو بہت اچھا پلان ہے۔ایک ساتھ ہی دو کام نمٹ جائیں گے" سحرش پھوپھو بھی مہوش پھوپھو کے مشورے سے متفق ہوئیں۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اتنی جلدی تیاریاں کیسے مکمل ہونگیں"

"ارے بھابھی! آپ فکر نہ کریں سب آرام سے ہوجائے گا۔دوپہر کے کھانے پر ہم احمر بھائی وغیرہ سے بھی مشورہ کرلیں گے"

سحرش پھوپھو نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر زرینہ کی فکرمندی کو کم کرنے کی کوشش کی۔

☆......☆......☆

اربش کا حاشر سے نکاح ہوچکا تھا اور تھوڑی ہی دیر میں رخصتی بھی ہونے والی تھی۔کل تک جس لڑکی کے لیے سب سے مشکل کام مسکرانا تھا وہ آج بات بات پر مسکرا رہی تھی۔اس حسین اور دیوانہ کردینے والی مسکراہٹ کی دو اہم وجوہات تھیں۔پہلی یہ کہ ایک نظر میں سب کے دل میں اتر جانے والے شخص کے دل میں وہ معمولی سی، ویران آنکھوں والی لڑکی اتر چکی تھی اور دوسری یہ کہ اس شخص نے اس کا ماضی جاننے کے بعد بھی اسے عزت سے اپنالیا تھا۔

"نکاح بہت بہت مبارک ہو اربش!"

نکاح ہوجانے کے بعد جب تمام لوگ کمرے سے باہر نکل گئے تب فریحہ نے اسے زور سے گلے لگا کر مبارکباد دی اور اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”کہا تھا نا میں نے کہ دال میں کچھ کالا ہے لیکن تمہی ماننے کو تیار نہ تھیں۔اس وقت کتنا غصہ کیا تھا مجھ پر اور اب دیکھو اسی شخص کی دلہن بنی بیٹھی مسکرا رہی ہو“

فریحہ نے مصنوعی خفگی سے کہہ کر اس کے بازو پر چٹکی کاٹی تو وہ کھل کر ہنسنے لگی۔

”اوہ ہو! اس طرح ہنس کر تو تم حاشر بھائی کو دل کا مریض ہی بنا دو گی۔اتنی حسین لگ رہی ہو جس کی کوئی حد نہیں“ فریحہ تو اس کی مسکراہٹ پر فدا ہو چکی تھی۔

”اب بس بھی کرو یار! اتنی تعریف مجھ سے ہضم نہیں ہوتی اور ہاں تم نے حاشر کو وہ خط والا لفافہ دے تو دیا تھا نا؟“ اربش نے فوراً موضوع بدلا۔

اربش کے سوال پر فریحہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا لیکن اگلے ہی لمحے وہ لاپرواہ سے انداز میں بولی۔

”ارے ہاں یار! اسی دن دے چکی تھی جب تم نے میرے ہاتھ میں دیا تھا“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن حاشر نے مجھ سے اس کا ایک بار بھی ذکر نہیں کیا“ اربش فکرمند سی ہونے لگی۔

”ہاں۔۔کیونکہ میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ اس بارے میں دوبارہ کبھی تم سے بات نہ کریں اور حاشر بھائی نے بھی یہی بولا تھا کہ انھیں تمہارے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ تم بھی تمام باتوں کو بھول جاؤ“ فریحہ نے سنجیدگی سے کہا۔

اس کی بات پر اربش ایک دم چپ ہو گئی۔

کتنی آسانی سے لوگ کہہ دیتے ہیں کہ بھول جاؤ، حالانکہ خود بھی جانتے ہیں کہ ماضی بھلایا نہیں جا سکتا۔ہاں لیکن اسے چھپایا ضرور جا سکتا ہے، مسکرا کے یا بھولنے کی اداکاری کر کے۔

”چلو بھئی دلہنیاں! پیا گھر جانے کی گھڑی آ چکی ہے“

نیلم بھابھی نے کمرے میں آ کر رٹا رٹایا فلمی ڈائلوگ مارا جس پر فریحہ بے اختیار ہنس دی۔

”ارے! دوست کی رخصتی پہ ہنس رہی ہو“

”تو اس میں غلط کیا ہے؟ شادی تو ایک خوشی کی رسم ہے۔اس میں کیا رونا دھونا۔میں تو خوشی سے بلکہ

بھنگڑے ڈال ڈال کے اپنی دوست کو رخصت کروں گی۔ کیوں اربش!''

اربش نے کچھ بھی کہے بغیر مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

بھابھی نے بھی مسکرا کر فریحہ کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی اور اربش کو بیڈ سے لہنگے سمیت اترنے میں مدد کرنے لگیں پھر اس کے اوپر بڑی سی چادر ڈال کر وہ دونوں اسے کمرے سے باہر لے گئیں۔

☆......☆......☆

اربش آخر کار رخصت ہو کر حاشر کے گھر آ چکی تھی اور وہ دونوں اب اپنے کمرے میں موجود تھے۔

کمرے میں ویسے تو پھول کی ایک پتی بھی نہ تھی کیونکہ یہ شوخ کام یا تو دولہے کے گھر والے یا جگری دوست انجام دیتے ہیں یا پھر کچھ منچلے دولہے خود ہی اپنی شادی کی خوشی میں کمرہ پھولوں سے سجا دیتے ہیں۔ حاشر ایک سنجیدہ سا لڑکا تھا۔ اسے یہ کام نہیں آتے تھے لیکن پھر بھی کمرے میں اتنی خوشبو پھیلی محسوس ہو رہی تھی جیسے پھولوں سے بھرا باغ کسی نے لا رکھا ہو۔

جب دل میں بہار جیسا موسم ہو رہا ہو تو پھر چاروں طرف گلاب ہی گلاب بکھرے نظر آتے ہیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔

حاشر نے اربش کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیے اور خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ میک اپ برائے نام تھا لیکن اس کی مسکراہٹ اتنی پرکشش تھی کہ وہ سادگی میں بھی کسی شاعر کی غزل لگ رہی تھی۔ حاشر نے اس کی مسکراہٹ کو جی بھر کے دیکھا پھر بے اختیار مسکرا کر سر جھٹکا۔

''یقین نہیں آتا کہ اتنی بڑی دنیا میں اتنے لوگوں کی بھیڑ میں ہماری نظر ایک ہی شخص پر ایسے آرکتی ہے کہ اس کے بعد ہم ادھر ادھر نظریں دوڑانے کے قابل بھی نہیں رہتے خاص کر تب، جب وہ شخص ہمارے اتنے قریب بیٹھا ہو اور جس پر ہمارا شرعی حق ہو۔ بے شک اللہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان ہے''

حاشر اپنی آنکھوں اور لہجے میں اس قدر سچائی لیے اسے ایک ٹک دیکھتے ہوئے بول رہا تھا کہ اربش کے گال بھی سرخ گلاب کی طرح ہو گئے تھے۔

''تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو''

”شکریہ“

حاشر کے تعریف کرنے پر اربش نے دھیمی سی آواز میں مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔

”بہت شکریہ آپ کا بھی کہ آخر کار آپ نے بھی کچھ بولا۔

ویسے تمہاری اس مسکراہٹ کی وجہ میں ہی ہوں نا؟ یا پھر یہ صرف میری خوش فہمی ہے ہوں؟“

حاشر نے اپنا چہرہ اس کے قریب لے جا کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر خمار آلود لہجے میں اس سے سوال کیا تو اربش نے اپنی گردن شرم سے مزید جھکا لی اور اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

حاشر اس کے انداز پر بے اختیار ہنس پڑا۔

☆......☆......☆

یہ کس مقام پہ سوجھی تجھے بچھڑنے کی

کہ اب تو جا کے کہیں دن سنورنے والے تھے

دلہن کی مایوں میں دولہے کے گھر کی تمام لڑکیاں اور عورتیں اپنے شوہروں سمیت پہنچ چکی تھیں جبکہ دولہا اور کنوارے لڑکے جیسے حمدان اور جاسم کو ساتھ نہیں لایا گیا تھا بلکہ وہ خود ہی ان عورتوں کی رسموں میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

”کہا تھا میں نے سب سے، کہ آخری دفعہ دیکھ لو کوئی چیز بھول تو نہیں رہے لیکن کسی نے میری بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ دیکھا! بھول گئے ناں کرن کو پہنانے والے پھولوں کے ہار اور کنگن۔ میں تو رسم بنا پھولوں کے کسی کو کرنے نہ دونگی“ مہوش پھوپھو دبے دبے غصے میں گھر والوں کو سخت سست سنا رہی تھیں۔

”امی آپ کیوں اتنا غصہ ہو رہی ہیں؟ سب ڈھونڈ تو رہے ہیں، مل جائے گی شاپر“

میاسہ نے ان کے غصے کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”جب یہاں ہے ہی نہیں تو ملے گی کیسے؟ کسی کو گھر دوڑاؤ شاپر گھر ہی میں رہ گئی ہے یا پھر جاسم، حمدان میں سے کسی کو فون کر کے کہو کہ کنگن کی شاپر فوراً لے کر یہاں پہنچے“

فاطمہ، خالہ کی بات سن کر فوراً ان کے قریب آ کر ان کے کان میں بولی۔

”مہوش خالہ! میں نے جاسم کو فون کیا تھا مگر اس نے کہا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کہی دور گھومنے نکلا ہوا ہے۔آتے آتے ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگ جائے گا اور حمدان کال ہی ریسیو نہیں کر رہا ہے“

”اف۔توبہ ہے“ مہوش پھوپھو نے افسوس سے اپنے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔

”بڑوں کا تو یہاں ہونا لازم ہے، بچیوں میں سے کسی کو بھیج دو۔گھر کونسا اتنی دور ہے“

سحرش پھوپھو نے ارتج لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”پھوپھو ہم کیسے جائیں؟ ہم تو ابھی ڈانس وغیرہ کریں گے۔نور نے تو ڈانس کرنا نہیں ہے یہ جا سکتی ہے“

نوال نے فوراً سے بیچاری فرمانبردار نور کو تیروں کا نشانہ بنا ڈالا۔

نور نے نوال کو دیکھ کر بھویں سکیڑیں

”میں کس کے ساتھ جاؤں گی؟“

”یہ ہے نہ اپنی فرحین، یہ تمہیں لے جائے گی۔اس کا لائیسنس کب کام آئے گا“

مہوش پھوپھو نے اپنی کسی رشتہ دار کی بیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا تو وہ فوراً جانے کو راضی ہو گئی۔

”جی آنٹی! آپ کے لیے تو ہمیشہ حاضر ہیں“

پھوپھو نے مسکرا کر فرحین کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور نور کو اس کے ساتھ کر دیا۔

نور ماحول کی نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے فرحین کے ہمراہ بغیر کسی چوں چراں کے ہال کے باہری دروازے کی طرف چل دی۔

تقریباً دس منٹ میں اس کی گاڑی گھر کے باہر موجود تھی۔

”آپ نہیں آرہیں؟“

نور نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اترنے سے پہلے فرحین سے پوچھا۔

”نہیں، میں گاڑی میں ہی ہوں، تم جلدی سے شاپر ڈھونڈ کر لے آؤ“

فرحین نے گاڑی میں ہی رہنے کا فیصلہ سنایا تو وہ سر ہلاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی اور چابی لاک میں گھمانے لگی۔

گھر میں گھستے ہی وہ جلدی جلدی تمام کمرے کھنگالنے لگی لیکن پھولوں کے ہار اور کنگن والی تھیلی کہیں نہ تھی۔

کافی دیر تک ڈھونڈتے رہنے کے بعد وہ تھک کر کچن میں پانی پینے کے لیے گئی اور فریج کھولتے ہی اسے سامنے ہی تھیلی رکھی نظر آ گئی۔

”اف نور! تمہیں پہلے پیاس نہیں لگ سکتی تھی؟ تازہ پھول تو فریج میں ہی رکھے جاتے ہیں۔ بے وقوفوں کی طرح ادھر ادھر ڈھونڈ رہی تھیں“

وہ اپنے آپ میں بڑبڑاتی، تھیلی کو نکال کر فریج بند کر کے مڑی ہی تھی کہ اس کا بازو کسی نے مضبوطی سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے واپس فریج سے لگا دیا۔

نور کے ہاتھ سے کنگن کی تھیلی چھوٹ کر فرش پر گر گئی اور وہ سامنے کھڑے شخص کو زور زور سے دھڑکتے دل کے ساتھ دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

جس شخص سے وہ اب تک چھپتی پھر رہی تھی، جس کا سامنا کرنے سے وہ اپنے آپ کو بچاتی رہی تھی، وہ آج اس کے بالکل سامنے فقط دو قدم کے فاصلے پر کھڑا، آنکھوں میں تپش لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

نور کا چہرہ اس کی آگ برساتی نظروں سے جلنے لگا۔

”کس کے دباؤ میں آ کر تم نے منگنی کے لیے ہاں کر دی؟ فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار تو مجھ سے کہا ہوتا۔ میں بات کرتا امی ابو سے مامی ماموں سے۔ میں سب ٹھیک کر دیتا نور مجھ پہ بھروسہ تو کیا ہوتا لیکن نہیں۔۔ تمہیں تو تمغہ فرمانبرداری زیادہ عزیز ہے“ وہ شخص یقیناً بہت غصے میں لگ رہا تھا۔

”میں نے خود اپنی مرضی سے اس رشتہ کے لیے ہاں کی ہے۔ مجھ پہ کسی کا دباؤ نہیں تھا۔ جانے دیں اب مجھے، ویسے ہی بہت دیر ہو چکی ہے“

نور اپنا لہجہ مضبوط کر کے بولی اور جلدی سے وہاں سے جانے لگی تھی کہ سامنے کھڑے شخص نے اپنے ہاتھ سے اس کا رستہ روک دیا اور کاٹ دار لہجہ میں بولا۔

”یہ ناٹک بند کر دو نور! بنو مت میرے سامنے۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنی ڈرپوک ہو لیکن آج تم

نے حد ہی کر دی ہے۔ کیا تم اتنی کمزور ہو کہ اپنی محبت کے لیے، میرے لیے بھی کچھ نہیں کر پائیں، جبکہ میں تمہارے ساتھ کھڑا تھا، تم اکیلی تو نہیں تھیں اور گھر میں ایسا کون ہے جسے ہماری شادی سے مسئلہ ہوتا؟ مگر تم تو پہلے ہی پیچھے ہٹ گئیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی بزدلی کا مظاہرہ کرو گی''

اس شخص کی بھوری آنکھوں میں گہری سرخ لکیریں بنتی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

نور نے اپنی نظریں جھکا لیں، اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکے۔

اس نے نظریں اٹھائے بغیر لرزتی آواز میں کہا۔

''میں آپ سے محبت نہیں کرتی حمدان!''

سس۔۔۔ اسکے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ شاید دل نے اس سفید جھوٹ پر احتجاج کیا تھا۔

لیکن حمدان پر اس کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔

''یہ جھوٹ اس کے سامنے کہنا جو تمہارا چہرہ نہ پڑھ سکے سمجھ آئی؟

میں بھی دیکھتا ہوں کہ کب تک تم حمدان عبداللہ کی محبت کو جھٹلاتی رہو گی، کب تک''

اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ایک تیز نظر نور کے لال پڑتے چہرے پہ ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا۔

نور فریج پہ سر ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

اس نے آج پہلی دفعہ اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا اور یہ اس شخص کا سب سے ڈراونا روپ تھا۔

وہ اسی طرح کھڑی اپنے ہاتھوں پیروں کی کپکپاہٹ کم ہونے کا انتظار کر رہی تھی جب فون کی گھنٹی کی آواز پر ایک دم چونکی۔

اسکرین پر فرحین کا نام جگمگا رہا تھا۔

اس نے اپنے ماتھے پہ آئے پسینے کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا اور ہرا بٹن دبا کر فون کو کان سے لگا لا۔

''ہ ہیلو''

''کہاں ہو یار! اتنی دیر ہو گئی ہے۔ کیا تمہیں تھیلی مل گئی؟''

"ہاں مل گئی ہے۔ میں بس ابھی آئی"

نور نے فون بند کرتے ہی گلاس بھر کر ایک ہی سانس میں پانی اپنے حلق سے اتارا اور کنگن کی تھیلی اٹھا کر تیز تیز قدم بڑھاتی گھر سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

"یہ لو تمہارا فون"

رخسار اور بہزاد ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے جب بہزاد نے اپنی جیب سے رخسار کا فون نکالا اور ٹیبل پہ رکھ کر اس کی طرف کھسکا دیا۔

"اور ہاں موم کی کال آئی تھی، وہ چاہتی ہیں کہ یہ ویکینڈ ہم ان کے گھر گزاریں"

اس کی بات پر رخسار نے سر ہلا دیا پھر دھیمے لہجے میں بولی۔

"آئم سوری! کل میں غصے میں بہت زیادہ بول گئی"

"سوری کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں اس بات کو کہ تین گھنٹے باتھ روم میں بند رہنے کے بعد دماغ پر گرمی چڑھ ہی جاتی ہے"

بہزاد نے نظریں کھانے کی پلیٹ پر جمائے، نارمل سے انداز میں کہا۔

رخسار آنکھیں سکیڑ کر اس کے پرسکون چہرے کو دیکھنے لگی۔"

ہنہ! یہ شخص تو اپنا قصور ہی ماننے کو تیار نہیں۔ مجھے بھی کیا ضرورت تھی معافی مانگنے کی؟ اف"

اس نے ناگواری سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

ڈائننگ ٹیبل پر ایک بار پھر خاموشی چھا گئی صرف چمچ اور کانٹوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر گزرنے کے بعد رخسار کے دماغ میں ایک سوال گھومنے لگا جو بار بار اس کے ہونٹوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ رہا تھا۔ وہ یوں ہی اپنے ہونٹ بند کھول کر رہی تھی جب اچانک اسے محسوس ہوا کہ سامنے بیٹھا شخص اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ رخسار نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، دونوں کی نظروں کا آپس میں تصادم ہوا اور رخسار نے اپنے سوال کو واپس حلق سے نیچے اتار کر اپنی نظریں چرا لیں۔

”تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟“

بہزاد نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

اس کی بھاری سی آواز پر رخسار گڑبڑائی۔

”نہیں۔۔ وہ میں بس ایسے ہی کچھ پوچھنا چاہتی تھی“

”پوچھو“

وہ کھانا چھوڑ کر پورا اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔اس کی نیلی ساحرانہ آنکھیں رخسار کو پریشان کرنے لگیں۔

اس کا وہاں سے غائب ہوجانے کو دل چاہا، لیکن نہیں وہ اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔اس نے ایک گہری سانس لی پھر جی کڑا کر کے بولی لیکن ساتھ ہی ساتھ دل بھی اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ مانو ابھی فیل ہوجائے گا۔

”آپ نے ایسے ہی تو مجھ سے شادی کے لیے ہاں نہیں کی ہوگی، کوئی تو ڈیمانڈ یا شرط رکھی ہوگی ہمایوں انکل سے“ رخسار کو پکا یقین تھا کہ اسے اس نکاح کے بدلے الگ گھر، نئی گاڑی اور اکاؤنٹ میں ڈھیر ساری رقم ملی ہوگی۔

بہزاد اس کے سوال پر ہلکے سے مسکرایا۔

”میں اپنے ڈیڈ سے بہت محبت کرتا ہوں۔انھیں مجھ پر بہت مان ہے اور میں ان کی عزت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہوں۔ یہ تو بس ایک نکاح ہی تھا“ وہ اطمینان سے کہہ کر پانی پینے لگا۔

رخسار بالکل چپ ہوگئی۔

اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا کہ کیوں اس نے اپنوں کی خاطر اس کی زندگی کو تماشہ بنادیا کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر اس کا یہاں نکاح نہ ہوتا تو زبردستی کہیں اور کردیا جاتا اور کیا پتا وہ شخص، وہ گھر والے کیسے ہوتے۔رخسار نے دماغ سے تمام سوچوں کو جھٹک کر آخری نوالہ اپنے منہ میں رکھا۔

”ویسے تم کھانا اچھا بناتی ہو“

بہزاد نے اپنے نئے فون کی اسکرین پر نظریں جمائے، سرسری سے انداز میں کہا لیکن رخسار کی تو خوشی کا کوئی

ٹھکانہ ہی نہیں رہا۔اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔بس اتنی سی بات تھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تم اگر چاہو تو ڈگری لینے کے بعد اور یہ نام نہاد رشتہ ختم کرنے کے بعد میرے گھر میڈ کی جاب کر سکتی ہو۔ قرض بھی معاف اور گھر کی بات بھی گھر میں رہ جائیگی''

اس نے فون پر سے چہرہ اٹھائے بغیر پرسکون سے لہجے میں کہا جیسے رخسار کی اس کی نظر میں ایک ملازمہ سے زیادہ کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

اس کے ایک جملے نے جو رخسار کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھیری تھی وہ اس نے سود سمیت واپس بھی چھین لی تھی۔کیا یہی اوقات تھی اسکی؟ بہزاد کے الفاظ رخسار کو حد سے زیادہ تکلیف دے گئے تھے لیکن اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ کمزور نہیں پڑے گی۔

وہ ایک دم سیٹ سے کھڑی ہوئی اور برتن سمیٹتے ہوئے بظاہر بڑے ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

''اگر مجھے گھوم پھر کر دوبارہ اسی گھر میں آنا ہوتا تو میں یہاں سے جانے کا سوچتی بھی نہیں''

وہ پلیٹیں اٹھا کر بہزاد کے ساتھ سے گزرتی ہوئی کچن کی جانب بڑھنے لگی تھی کہ اسے اپنی کلائی پر گرم سلاخ سی پڑتی محسوس ہوئی۔

بہزاد نے اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی تھی۔

''ارے تم تو برا مان گئیں، چلو اگر میڈ بننا پسند نہیں تو شیف بن جانا''

اس نے غیر سنجیدگی سے ہنستے ہوئے کہہ کر بے اختیار رخسار کا چہرہ دیکھا اور۔۔خاموش ہو گیا۔

رخسار کے چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی اور نظریں بہزاد کے مضبوط ہاتھ میں قید اپنی نازک سی کلائی پہ جمی تھیں۔

''سوری'' بہزاد نے فوراً اس کی کلائی چھوڑی اور نظریں دوسری جانب پھیر گیا۔

رخسار بھی بنا کچھ کہے جلدی سے جا کر کچن میں گھس گئی اور بہزاد نے اپنی اس فضول سی حرکت کے لیے خود پر سو دفعہ لعنت بھیجی۔

☆......☆......☆

”ہم باہر جا رہے ہیں نور!“

نوال اور اریج فل تیار ہو کر، عبایا پہنے کچن میں کھانا کھاتی نور کے سر پہ آ کھڑی ہوئیں۔

”ہاں تو جاؤ“

نور نے کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہا۔

نوال اس کے انداز پر غصے سے ناک پھلاتی ہوئی اس کے قریب آئی اور اس کے آگے سے چاول کی پلیٹ ہٹا دی۔

”کیا ہو گیا یار! میں کھا رہی تھی“

”چپ کرو تم اور فوراً اٹھ کر عبایا پہنو کیونکہ تم بھی جا رہی ہو ہمارے ساتھ“

”جا کہاں رہے ہو؟“

”ولیجیو مال“ اریج فوراً سے بولی

”ہیں؟ کس خوشی میں؟ شادی والا گھر ہے۔ کتنے کام ہیں۔ اگر کسی کو ہماری ضرورت پڑ گئی تو؟ اور امی سے اجازت لی بھی ہے یا خود ہی اپنی مرضی سے منہ اٹھا کر جا رہی ہو اور ہمیں وہاں چھوڑے گا کون؟“

نور نے ایک ہی سانس میں بہت سے سوال کر کے نوال کے غصے کا پارہ ہائی کر دیا۔

”نور! میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہارا گلہ دبا دوں۔

اریج! جاؤ یار بھاگ کر جلدی سے میری امی کو پکڑ کر لاؤ“

نوال کے کہنے پر اریج واقعی میں ہی کچن سے دوڑتی ہوئی نکلی اور دو منٹ میں زرمینہ کا ہاتھ تھام کر انھیں کچن میں لے لائی۔

”کیا ہو گیا بھئی“

”امی! اسے بتائیں کہ ہم آپ سے اجازت لے کر ہی میاسہ باجی اور جلیس بھائی، بھابھی کے ساتھ میاسہ باجی کے کہنے پر مال جا رہے ہیں“

”ہاں۔ یہ سب میاسہ کے ساتھ ہی جا رہے ہیں۔ تم کیوں نہیں جا رہیں؟“

زرمینہ نے نوال کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے الٹا نور سے ہی سوال کرڈالا۔

''میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہو رہا جانے کا۔اور ابو سے بھی اجازت لے لینی چاہیے ہے ناں''

نور کو کوئی بہانا نہ ملا تو احمر صاحب سے اجازت مانگنے کا کہہ دیا کیونکہ یہ جو ابو ہوتے ہیں یہ بچوں کے اکیلے باہر جانے کا پلان کینسل کر ہی دیتے ہیں۔

''آپ کے ابو کو میں بتا چکی ہوں اور ویسے بھی وہ گھر میں نہیں ہیں۔ریحان کو لے کر درزی کے پاس سے شیروانی لانے گئے ہوئے ہیں۔تم بھی چلی جاؤ،گھر میں اکیلی کیا کرو گی؟پھوپھو وغیرہ بھی مصروف ہیں''

زرمینہ کے کہنے پر وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتی ہوئی بے زاری سے کھڑی ہوئی اور عبایاء پہننے کی غرض سے کمرے میں چلی گئی۔قریباً پانچ منٹ بعد وہ گھر سے باہر نکلی اور پہلی ہی نظر اس کی براؤن شرٹ اور نیلی جینز پہنے کھڑے حمدان پر گئی اور لمحے بھر کو اس کی سانس تھم گئی۔

وہ جاسم کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔

''یااللہ!کیا یہ بھی ہمارے ساتھ جا رہے ہیں؟اف۔۔مجھے پہلے اس بات کا علم ہوتا تو کوئی اچھا بہانا بنا لیتی''

وہ اپنے ذہن میں افسوس کرتے ہوئے خاموشی سے جلیس بھائی کی گاڑی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

فاطمہ نے حمدان کی گاڑی کے شیشے سے سر نکال کر نور کو آواز دی۔

''نور!چلو یار جلدی آ کر بیٹھو گاڑی میں''

نور نے ان سنی کر کے جلیس بھائی کی گاڑی کا شیشہ بجایا جس پر میاسہ نے شیشہ نیچے کیا۔

''میں آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر جا سکتی ہوں؟''

اس نے امید بھری نظروں سے میاسہ کو دیکھا۔

حمدان اور جاسم اب اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''سوری بچے!تم خود دیکھ لو تمہارے بیٹھنے کی بالکل جگہ نہیں ہے۔حمدان کی لینڈ کروزر میں بیٹھ جاؤ۔کمزور کمزور لڑکیاں ہو،آرام سے ایڈجسٹ ہو جاؤ گی اور نہ ہو پاؤ تو اریج کو ڈکی میں فٹ کر دینا سمپل''

میاسہ آپی کی بات پر وہ پھیکا سا مسکرائی،مطلب کہ اب اسے نا چاہتے ہوئے بھی حمدان کی گاڑی میں سفر کرنا

تھا۔ وہ جبرا مسکراتی ہوئی لینڈ کروزر کی طرف بڑھی اور اسے آتا دیکھ وہ دونوں بھی گاڑی میں بیٹھ گئے اور حمدان نے سٹیرنگ سنبھال لیا۔

”کیا ہے؟ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی اتنے نخرے“

نور کے بیٹھتے ہی نوال نے دانت پیس کر غصے سے کہا مگر نور کوئی بھی جواب دیئے بغیر باہر دیکھنے لگی۔

حمدان نے آنکھوں پر چشمہ لگا کر بیک ویو مرر سے نور پہ ڈالی اور ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کی۔

نوال نے حیرانی سے حمدان کے چشمے کو دیکھا۔

”ایکسکیوز می مسٹر! یہ شام کے وقت کونسی دھوپ لگ رہی ہے آنکھوں پہ؟“

”لڑکے جو ہیں ناں وہ دو وجہ سے کالا چشمہ لگاتے ہیں یا تو دھوپ سے بچنے کی وجہ سے یا پھر۔۔۔ پیاری لڑکیوں کو جی بھر کے گھورنے کے لیے“

جاسم نے حمدان سے پہلے ہی پیچھے مڑ کر نوال کے سوال کا بہت ہی واضح جواب دے ڈالا جس پر سب کی ہنسی چھوٹ گئی سوائے نور کے۔ وہ ہنوز ان کی باتوں سے بے خبر بیٹھی باہر کے نظارے کر رہی تھی مگر کسی کی اس کی طرف بار بار پڑتی نظر کو وہ اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی۔

”اچھا۔۔ مطلب ابھی بھی حمدان کسی کو گھور رہا ہے“

فاطمہ نے شکی نظروں سے حمدان کی طرف دیکھا اور نور نے چونک کر فاطمہ کو۔

(کہی اسے معلوم تو نہیں ہو گیا)

حمدان بے اختیار ہنسا۔

”ہاں گھور تو رہا ہوں مگر سامنے روڈ کو۔ میرے اتنے برے دن نہیں آئے ابھی کہ تم چڑیلوں کو گھوروں۔ میں نے تو تم لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے پہلے آیت الکرسی پڑھی تھی“

جاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

”ہونہہ۔ اتنے بھی شریف نہیں ہو تم جتنا بن رہے ہو“

نوال نے اسے منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں یار! وہ آیت الکرسی والی بات میں نے سچ کہی تھی واللہ''

وہ بہت ہی زیادہ سنجیدگی سے بولا اور پھر جاسم کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

جاسم نے بھی ہنستے ہوئے گانا پلے کرنے کے لیے گاڑی کا آڈیو بٹن پریس کیا۔

گاڑی میں ایک دم اداس سی کوئی غزل گونجنے لگی۔

اس نے غزل سنتے ہی منہ بنایا

''اے حمدان اداس! کیا غم لگ گیا ہے تجھے؟''

''آہ'' اس نے ایک گہری سانس لی

''دل ناامید تو نہیں، ناکام ہی تو ہے

لمبی ہے غم کی شام مگر، شام ہی تو ہے''

حمدان نور پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر مسکراتے ہوئے منہ میں بڑبڑایا جو کہ جاسم سن چکا تھا۔

''واہ! کیا کہنے۔ احمد فراز کے''

اس نے بھرپور طریقے سے حمدان کے کندھے کو تھپتھپا کر داد دی جس پر اریج جل کر بولی

''فیض احمد فیض کا شعر ہے یہ''

''بہت شکریہ، بتانے کیلئے'' جاسم نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا

پیچھے بیٹھی اریج نے منہ ٹیڑھا کر کے جاسم کا کہا گیا جملہ منہ میں بڑبڑایا اور پھر سے چیونگم چبانے میں مصروف ہوگئی۔

نور کے لیے اب گاڑی میں بیٹھنا مشکل ہوتا جارہا تھا۔

وہ بے اختیار اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔ اسے اچانک اتنی گھبراہٹ ہونے لگی تھی اس گانے سے کہ اس کا بس چلتا تو وہ چلتی ہوئی گاڑی سے چھلانگ لگا لیتی اور اوپر سے اس شخص کی نظریں اور یہ برداشت سے باہر گانے۔

بس اس کی برداشت کی حد تھی۔

''جاسم! پلیز بند کردو گانے پلیز۔۔۔!''

وہ ایک دم تیز لہجے میں بلند آواز میں بولی۔
سارے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔
"کیوں بھئی؟ ایسا کیا ہو گیا جو"
جاسم نے ایک ابرو اٹھا کر نور کو دیکھا۔
"گانے سننا اچھی بات نہیں ہوتی ہے۔ مجھے نہیں اچھا لگ رہا۔ پلیز انہیں بند کر دو"
نور نے اب کی دفعہ ذرا دھیمے سے کہا۔
"کانوں میں ٹشو ڈال لو"
جاسم نے اس کی بات کو مذاق میں اڑا کر اس کی طرف ٹشو بڑھایا اور حمدان نے اسی وقت ہاتھ بڑھا کر گانا بند کر دیا۔
"کیوں بند کر دیئے گانے؟"
اس نے ٹشو والا ہاتھ واپس کھینچ کر سوالیہ نظروں سے حمدان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"میری گاڑی، میری مرضی"
حمدان نے کندھے اچکا کر کہا پھر گاڑی پارکنگ میں لگا کر مال کے دروازے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا
"اور ہم پہنچ بھی گئے"
گیٹ کے باہر کھڑے جلیس بھائی وغیرہ نے ان کی جانب ہاتھ ہلایا اور وہ سب گاڑی سے اتر کے ان کی طرف بڑھے جس میں سب سے آگے نور تھی جس نے گاڑی سے اترتے ہی کھلی فضاء میں گہری سانس لی تھی جیسے کوئی قیدی جیل سے آزاد ہوا ہو۔

☆......☆......☆

"یار! تھک گئے گھوم گھوم کر۔ اب تو مجھے بھوک بھی لگنے لگی ہے۔
چلو تھیم پارک چلتے ہیں اب۔ میاسہ باجی وغیرہ ادھر ہی ہونگے۔ ایک دو رائڈس پہ بھی بیٹھ جائیں گے"
فاطمہ نے چلتے چلتے رک کر تھکے ہوئے سے لہجے میں ان تینوں لڑکیوں سے کہا۔

"ہاں۔بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے اور یہ جاسم اور حمدان کہاں آوارہ گردی کر رہے ہیں؟

ابھی ان کو فون کر کے سب کے لئے جوس اور برگر لانے کا کہتی ہوں"

نوال، جاسم کو فون ملانے ہی لگی تھی کہ نور فوراً بول پڑی۔

"میرے لئے صرف جوس لانے کو کہنا، مجھے بھوک نہیں ہے"

"اوکے"

نوال نے اثبات میں سر ہلا کر جاسم کو فون ملا کر کان سے لگایا اور اس کے رسیو کرنے کا انتظار کرنے لگی۔

حمدان اور جاسم اس وقت بالنگ سینٹر میں موجود تھے جب جاسم کی جینز کی پاکٹ میں رکھا فون بجا۔اس نے فون نکال کر اسکرین پہ جگمگاتے نام کو دیکھا اور بے دلی سے بڑبڑایا۔

"اب اسے کیا ہے"

"کسے؟"

"نوال کو۔ابھی تو بال پھینکنے کی باری آنے والی تھی میری"

"اچھا اٹھا تو لے۔آخر کام کیا ہے"

حمدان کے کہنے پر اس نے لاحول پڑھ کر فون کان سے لگایا

"ہیلو! کہاں ہو تم لوگ؟ کب سے فون کر رہی ہوں رسیو کیوں نہیں کر رہے تھے ہاں؟"

نوال کے فون پہ چیخنے پر اس نے فون ایک لمحے کے لئے اپنے کان سے پرے ہٹایا۔

"کیا کام ہے؟" وہ اس کی باتوں کو نظرانداز کرتا مدعے کی بات پر آیا۔

"سب کے لئے برگر اور جوس اور نور کے لئے صرف جوس لے کر فوراً رائڈس والے ایریا میں پہنچو۔بائی"

اس نے ملکہ کی طرح حکم سنایا اور جاسم کے منہ پہ فون بند کر دیا۔

"کیا کہہ رہی ہے؟" حمدان نے جاسم کے فون جیب میں واپس رکھتے ہی پوچھا۔

"بھوک کا دورہ پڑا ہے سب کو۔کہہ رہی تھی کہ فوراً سب کے لئے برگر شرگر لے کر آؤ"

"چلتے ہیں"

”مگر میری باری؟“

”ابے چھوڑ نا۔بعد میں آ کر کھیلتا رہنا یہاں۔ویسے بھی ٹائم ہو گیا ہے کافی“

حمدان اسے کہہ کر آگے بڑھ گیا تو مجبوراً جاسم کو بھی اس کے ساتھ جانا پڑا۔

”تو آڈر دے میں جب تک ادھر ادھر کے نظارے کرتا ہوں شاید کوئی جاننے والی میرا مطلب ہے جاننے والا کوئی دِکھ جائے“ جاسم نے آنکھ مار کر حمدان کو آڈر دینے کے لئے دھکا دیا۔

حمدان نے اسے دیکھ کر افسوس سے سر ہلایا اور آڈر دینے مصروف ہو گیا۔

وہ دونوں مال میں بنے میکڈونلز کے سامنے کھڑے اپنے دیئے گئے آڈر کے انتظار میں تھے جب جاسم نے زور سے حمدان کا بازو پکڑ کر ہلایا۔

”اوئے وہ دیکھ تیری کلیگ ’صباء‘ اور اس کے ساتھ انسٹاگرام والی کیوٹی پائی بھی ہے“

”کیا؟“ حمدان ایک دم چونکا۔

”یار یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔میں اس سے ابھی ملنے کے موڈ میں بالکل نہیں“

حمدان نے اپنا منہ چھپاتے ہوئے بےزاری سے کہا۔

”لیکن میں تو ملنے کے موڈ میں ہوں“

”جاسم پلیز یار!۔۔رک۔۔ایک“

حمدان کے منع کرنے سے پہلے ہی جاسم نے اس کو کندھے سے کھینچ کر اس کا رخ صباء پرنس کی طرف کر دیا اور۔۔۔صباء اس کو اپنے سامنے پا کر انتہائی حیرت کا شکار ہوئی اور اپنی دوست کا ہاتھ تھام کر ہنستی ہوئی جلدی سے اس کے پاس آنے لگی۔

حمدان کو مجبوراً اپنے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانی پڑی اور مسکراتے ہوئے جاسم کی طرف گھور کر دیکھا۔

”ہیلو،غائب انسان! کہاں ہوا تنے دن سے؟ جاب پہ بھی نہیں آ رہے۔میسج کا رپلائی بھی نہیں دے رہے۔وہ تو آج اتفاق سے دِکھ گئے ہو تو میری پریشانی میں کچھ کمی ہوئی ہے“

صباء کو حمدان کے لئے پریشان دیکھ کر جاسم زیرلب مسکرایا۔

(واہ بھئی، بہت دوستانہ لگتا ہے۔صباء بھابھی؟)

"سب خیریت تو ہے ناں؟"

"ہاں سب خیریت ہے بس وہ۔۔

"وہ دراصل حمدان کے بڑے بھائی کی شادی چل رہی ہے۔اسی لئے مصروف ہے۔بائی دی وے، میں جاسم۔حمدان کا کزن' جاسم فوراً بیچ میں بول پڑا۔

(اف)حمدان کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر دیوار پہ مار لے یا جاسم کو زمین میں گاڑ دے۔

"ہیلو جاسم!" صباء نے مسکرا کر جاسم سے کہا پھر ذرا خفگی سے حمدان کی طرف دیکھا۔

"اگر بھائی کی شادی میں نہیں بلانا چاہتے تھے تو کم ازکم مجھے بتا ہی دیتے"

"ہوں۔سوری صباء! مجھے آپ کو بتا دینا چاہئے تھا"

"ارے کوئی بات نہیں میں تو یونہی مذاق میں کہہ رہی تھی"

"اچھا۔چلیں پھر اب آپ سے آفس میں ملاقات ہوگی۔ابھی تو کافی ٹائم ہوگیا ہے۔ہم بس گھر کے لئے ہی نکلنے والے تھے"

حمدان نے جلدی سے بات ختم کر کے اس سے جان چھڑانی چاہی لیکن جاسم نے تو حمدان کو زچ کرنے کی جیسے قسم کھائی ہوئی تھی۔

"آئس کریم کھائیں گی آپ دونوں"

جاسم کی آفر پر حمدان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

(ڈوڈ! واٹس رانگ ود یو؟)

"کیوں نہیں۔اگر حمدان کھلائے گا تو ضرور کھائیں گے"

صباء نے حمدان کی طرف دیکھتے ہوئے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں ضرور۔میں ذرا آئس کریم۔۔۔لے کر آتا ہوں"

حمدان نے دانت پیس کر جاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

جاسم نے بدلے میں اپنے بتیس دانت اس کو دکھائے۔

اور وہاں دوسری جانب نوال کا بھوک سے حال برا ہو رہا تھا۔

''یار یہ دونوں ابھی تک آئے کیوں نہیں؟''

''معلوم نہیں۔شاید بھیڑ زیادہ ہو گی''

فاطمہ اندازہ لگاتے ہوئے بولی۔

''مجھے تو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔ان لوگوں نے ابھی تک آڈر دیا بھی ہے یا نہیں۔چلو چل کر دیکھتے ہیں''

نوال نے آنکھیں سکیڑ کر سوچتے ہوئے کہا پھر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

''چلو نور۔تمہیں باتھ روم بھی جانا تھا ناں''

فاطمہ نے نوال کے ہمراہ جاتے ہوئے مڑ کر نور سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی ان کے ہمراہ ہو لی البتہ اریج رولر کوسٹر میں بیٹھنے کے لئے لائن میں لگی ہوئی تھی۔

''اور کب سے جانتی ہیں آپ حمدان کو؟''

جاسم نے ذہن میں سوال سوچ کر صباء کو مخاطب کیا۔اب کسی طرح تو بات کا آغاز کرنا ہی تھا۔

''حمدان کو میں پچھلے ایک سال اور کچھ مہینوں سے جانتی ہوں۔آفس میں ہی ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی''

''اچھا اچھا''

''میں تو امی کے آگے اتنی تعریف کرتی ہوں حمدان کی۔ بہت ہی اچھے اخلاق کا ہے اور بہت عزت اور تمیز کے ساتھ پیش آتا ہے سب سے''

''اوہ'' جاسم، حمدان کی تعریف ہضم نہیں کر پایا تھا۔

نوال، فاطمہ اور نور ریسٹورینٹس کے قریب پہنچی ہی تھیں کہ نوال کی عقابی نظر نے دور سے ہی جاسم کو کسی لڑکی سے بات کرتے ہوئے دیکھ لیا۔

''ہے گائز! وہ دیکھو، جاسم کسی لڑکی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے''

فاطمہ کی اپنے بھائی پہ نظر پڑی تو اس نے مارے حیرت کے اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

نور بھی قدرے حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

اور پھر ان کی آنکھوں نے ایک اور انکشاف کیا۔

”وہ دیکھو! حمدان اپنے ہاتھوں میں آئس کریم لئے ان کی طرف بڑھ رہا ہے“

نوال کے کہنے پر نور نے چونک کر حمدان کی جانب دیکھا۔

”اوہ اوہ، انجان لڑکیوں کو آئس کریم کھلائی جا رہی ہے۔ حمدان سے یہ امید نہیں تھی“

ان تینوں کو ایک اور جھٹکا لگا جب حمدان نے وہ دونوں آئس کریم ان لڑکیوں کی جانب بڑھائی۔

”یہ موقع تو میں ہاتھ سے نہیں جانے دونگی“

نوال نے شاطرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اپنے فون کا کیمرہ آن کیا اور زوم کر کے دو تین تصویریں ان لوگوں کی کھینچ ڈالی۔

”آہا۔ مفت کی آئس کریم ملتے ہی دونوں کیسے اللہ حافظ کہہ کر جا رہی ہیں۔ چالاک لڑکیاں، ایسے ہی تو پھنساتی ہیں دوسروں کے بھائیوں کو“ فاطمہ کو اب بھی اپنا ہی بھائی شریف لگ رہا تھا۔

”جیسے تمہارا بھائی تو کل ہی اس دنیا میں آیا ہے“ نوال نے طنزیہ لہجے میں کہا تو فاطمہ نے ہنستے ہوئے اسے منہ چڑایا۔

حمدان نے ان دونوں کے وہاں سے جاتے ہی جاسم کو ایک خطرناک گھوری سے نوازا۔

”بہت شوق ہے ناں تجھے لوگوں کو مفت کی چیزیں کھلانے کا تو اب جو میں نے آڈر دیا تھا وہ لے کر آ اور اس کا بل بھی اپنی جیب سے ادا کرنا“

”ایسی کونسی آفت آ گئی، گر دو پل میں نے پیاری پیاری باجیوں سے چند لمحے گفتگو کر لی؟ مجھ سے تو تقریبا تین چار سال بڑی ہی ہونگی“

جاسم نے اپنے آپ کو ڈفینڈ کرنے کی کوشش کی۔

”یہ جو چھچھورپن ہوتا ہے ناں یہ عمروں کا فرق نہیں دیکھتا۔ اور پلیز جلدی جاؤ بل آپ کا انتظار کر رہا ہے“

”یار! اچھا معاف کر دے۔ اب اتنی سی خطاء کی اتنی مہنگی سزا تو مت دے۔ میں بس یونہی تمہیں تنگ کر رہا

تھا۔ایک جاب لیس اسٹوڈنٹ پہ یہ ظلم مت ڈھاؤ''

جاسم کو جب دال گلتی نہ دکھی تو فوراً مسکین صورت بنا کر حمدان سے معافیاں مانگنے لگا۔

''بس بس اب زیادہ رونے کی ضرورت نہیں ہے۔چل میرے ساتھ''

حمدان کے مان جانے پر جاسم کے منہ پہ بڑی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور حمدان کے کندھے پہ بازو پھیلاتے ہوئے وہ اس کے ساتھ پارسل لینے چلا گیا۔

وہ دونوں باتوں میں مصروف ہاتھوں میں جوس اور برگر کی تھیلیاں پکڑے آ رہے تھے کہ سامنے ان تینوں لڑکیوں کو کھڑا دیکھ ایک دم سے ٹھٹھکے۔

''تم لوگوں سے صبر نہیں ہوتا کیا؟ کھانے کی خوشبو سونگھتے ہوئے یہاں تک چلی آئیں''

جاسم نے ان کے قریب پہنچتے ہی ان سے نوک جھوک شروع کر دی جس کے جواب میں نوال سادگی سے مسکرائی

''پہلے ہمارا کھانا ہمیں دے دو''

''یہ لو، بھکڑوں! پکڑو اپنا کھانا۔

یہ تم لوگوں کے برگرز، یہ ہمارے۔پکڑ حمدان!'' جاسم نے برگرز کی الگ الگ تھیلیاں نوال اور فاطمہ کے حوالے کیں اور ایک تھیلی حمدان کو تھمائی۔

''اور یہ تمہارا جوس''

اس نے نور کی طرف جوس کا گلاس بڑھایا جس کو اس نے خاموشی کے ساتھ تھام لیا۔

اب کھانا ملنے کے بعد بھی جب نوال اور فاطمہ ان دونوں کو گھورتی رہیں تو حمدان جھنجھلا کر بولا۔

''اب کیا ہے؟ کیوں دیکھ رہی ہو ہمیں ایسے؟''

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائیں پھر فاطمہ نے بولنا شروع کیا۔

''ہم نے ابھی کچھ دیر پہلے ایک حسین منظر نوال کی گیلری میں سیو کیا ہے۔دیکھنا چاہو گے؟''

''دکھا دو بھئی ورنہ تم لوگ جان نہیں چھوڑو گے'' جاسم نے بے زار ہوتے ہوئے کہا۔

"لو پھر دیکھو" نوال نے اپنے فون کی اسکرین ان دونوں کے سامنے لہرائی۔

جاسم کی آنکھیں وہ حسین منظر دیکھ کر پھیل گئیں اور۔۔اور حمدان نے بے اختیار نور کو دیکھا۔

نور فوراً اپنی آنکھیں چرا گئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"اب ایسا ہے کہ یہ تصویر غلطی سے فیملی گروپ پہ پہنچ سکتی ہے اس کیپشن کے ساتھ کہ خاندان کے دو شریف بیٹے، اپنے امی ابو کی ہونے والی بہوؤں کو آئس کریم کھلاتے ہوئے"

نوال نے بڑی ہی معصومیت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا مگر جاسم کے کانوں میں ایک دم اس کی امی کی خطرناک، غصہ کرتی آواز گونج گئی۔

"میں تو جانتا بھی نہیں ہوں ان لڑکیوں کو۔ مجھے تو خود حمدان نے ملوایا ہے۔ اس کی کلیگ ہے وہ"

"اچھا۔۔بہت ہی زیادہ قریبی کلیگ لگتی ہے نہیں؟" فاطمہ نے مشکوک نظروں سے حمدان کو گھورا۔

"فضول سوچ کر اپنے کمزور دماغوں پہ زیادہ زور مت دو۔ وہ صرف میرے ساتھ آفس میں کام کرتی ہے اور کچھ بھی نہیں"

اب کی بار حمدان سچ میں بہت سیریس انداز میں بولا تھا جس سے نوال جیسی ڈھیٹ ہڈی کو پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔

"بیٹا جی! مجھے صفائیاں پیش مت کرو۔ میں تو یہ تصویر سب کو دکھاؤں گی"

وہ یہ کہہ کر مڑی اور فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے وہاں سے بھاگی، ان سے فون چھیننے کے لئے جاسم بھی ان کے پیچھے آیا۔

اور حمدان نے بھی نوال کو آواز لگائی۔

"نوال! سچ جانے بغیر افواہ مت پھیلاؤ کیونکہ۔۔۔

وہ دو قدم چل کر نور کے پہلو میں آ کھڑا ہوا اور سامنے دیکھتے ہوئے آواز دھیمی کر کے بولا

"اصل بات تو یہ ہے کہ میں نے صرف ایک ہی لڑکی کو اتنا چاہا ہے کہ اب کسی اور کی چاہت ہی نہیں ہوتی"

ایک دم نور کے ہاتھ سے گلاس چھوٹی اور زمین پہ دور دور تک جوس کے چھینٹے پھیل گئے۔

وہ بے اختیار گھبرا کر پیچھے ہٹی اور افسوس سے اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

آس پاس پھیلے لوگ بھی اسے دیکھنے لگے۔

اس کی آنکھوں اور چہرے پہ بہت سی سرخی پھیل چکی تھی۔

حمدان نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنے جوس کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

نور نے شکوہ بھری نظروں سے اس کو دیکھا لیکن وہ اس کی طرف دیکھے بغیر جبڑے بھینچے، اس کے پاس سے گزر گیا اور وہ۔۔وہاں سن کھڑی حد نظر تک اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

سارا منظر دھندلا سا گیا۔

☆......☆......☆

اربش آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بال بنا رہی تھی جب حاشر باتھ روم سے منہ دھو کر نکلا اور آئینے سے ٹیک لگا کر، سینے پر بازو لپیٹے اربش کے سامنے آ کھڑا ہوا اور خاموشی سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔

اربش اسے دیکھ کر مسکرائی لیکن وہ جواباً ذرا سا بھی نہ مسکرایا اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

اربش اس کی عجیب سی خاموشی سے نروس ہونے لگی۔ پھر ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈال کر دھیمے سے بولی۔

''آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے''

''میری عینک کہاں ہے؟''

اس نے دانت پیس کر ذرا غصے سے کہا تو اربش کے بال میں برش کرتے ہاتھ تھمے اور گھبرا کر بولی۔

''وہ۔۔کل رات آپ اپنی عینک لاؤنج کی ٹیبل پہ ہی بھول گئے تھے، میں نے سوچا تھا کہ کمرے میں آتے وقت لے آؤنگی لیکن میرے بھی ذہن سے نکل گیا۔ میں ابھی لا کر دیتی ہوں''

وہ جلدی سے مڑ کر جانے ہی لگی تھی کہ حاشر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا تو وہ بے اختیار اس کے مضبوط وجود سے ٹکرا گئی۔

حاشر کا زوردار قہقہہ کمرے میں گونجا۔

”میرے اتنے سے غصے پر ہی تمہارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میں مذاق کر رہا تھا یار! لیکن تمہارے تو چہرے کی ہوائیاں ہی اڑ گئیں“

”جی نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا میرے ساتھ۔ ہاتھ چھوڑیں، میں آپ کا چشمہ لا دیتی ہوں“

اربش نے خفگی سے کہہ کر اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا مگر حاشر نے مسکرا کر اپنے ہاتھ اس کے شانوں پر رکھے اور محبت بھرے لہجے میں بولا

”اگر میں تمہیں اپنے بہت قریب کرلوں تو مجھے تمہارا چہرہ بنا عینک کے بھی صاف دکھائی دینے لگے گا“

اربش کو اس کی غیر سنجیدگی پہ بے اختیار ہنسی آ گئی۔

☆......☆......☆

”ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر“

نوال، اریج، فاطمہ اور نور لاؤنج میں بیٹھی نئی نویلی دلہن کو فون پر کوئی مزاحیہ ویڈیو دکھا کر ہنس رہی تھیں جب باہر سے حمدان اور جاسم لاؤنج میں داخل ہوئے اور انھیں ہنستے دیکھ، موقع کی مناسبت سے جاسم نے شعر کہہ ڈالا۔

”ہم ابھی محفل میں بیٹھے ہیں، تنہائی میں نہیں جو روئیں“

نوال تنک کر بولی تو وہ دونوں ہنس دیئے۔

”بھابھی کو تو تم دونوں اپنے شر سے محفوظ رکھو“

حمدان نے اریج اور نوال کو چھیڑا اور اطمینان سے دونوں آ کر ان کے ساتھ ہی کارپٹ پہ بیٹھ گئے۔

نور کا وہاں بیٹھنا محال ہونے لگا۔

”ایسے مت کہو حمدان! دونوں بیچاریاں کب سے شرافت کا مظاہرہ کر رہی ہیں“

فاطمہ بظاہر نوال وغیرہ کا ساتھ دیتے ہوئے بولی۔

”عجیب شے ہے یہ شرافت بھی
اس میں شر بھی ہے اور آفت بھی“

فاطمہ کی بات پہ جاسم نے ایک اور شعر پھینکا۔

''یہ دونمبر شاعرا بھی ابھی فیس بک سے اشعار یاد کر کے آیا ہے اسی لیے ہمارا دماغ کھا رہا ہے''

نوال نے جاسم کو گھورتے ہوئے کہا۔

کرن وہاں بیٹھی، ان کی باتوں پہ فقط مسکرا رہی تھی۔

''چلو کرن! تم آرام کرو۔کل ولیمہ ہے اور صبح سے جاگ بھی رہی ہو۔ یہ لوگ تو پوری رات ہی گپیں مارتے رہیں گے'' مدیحہ بھابھی نے کرن کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا۔نئی دولہن نے مسکرا کر ان سب سے رخصت لی اور چپ چاپ مدیحہ کے ساتھ چلی گئی۔

''چلو یار کوئی گیم شیم کھیلتے ہیں پھر تو سب نے اپنے اپنے گھر چلے جانا ہے''

جاسم نے ان سب کو مشورہ دیا۔

''ٹرتھ اینڈ ڈیئر کھیلتے ہیں۔

میں ابھی ٹرتھ ڈیئر گیم والی ٹیبل لے کر آتی ہوں''

اریج پر جوش لہجے میں کہتی ہوئی ٹیبل لینے چلی گئی۔

''آپ لوگ کھیلو، میں جب تک جا کر کپڑے پریس کر لیتی ہوں''

نور نے وہاں سے کھسکنے کے لیے بہانا گھڑا لیکن فاطمہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھور کر بولی۔

''چپ چاپ بیٹھی رہو۔ بورنگ لڑکی!''

اتنے میں اریج بھی گیم لے آئی اور سب کے بیچ میں رکھ دی۔ گول سی ایک ٹیبل تھی، جس کے چاروں طرف ٹرتھ اینڈ ڈیئر لکھا تھا اور بیچ میں ایک بوتل لگی ہوئی تھی، جسے گھمانے پر یا تو وہ ٹرتھ پہ رکتی یا پھر ڈیئر پہ۔

''پہلی باری میری''

سب سے پہلے نوال نے گھمائی اور بوتل کا منہ ڈیئر پہ جا رکا تو اس نے فخر سے کہا

''دیکھا بوتل کو بھی پتا ہے کہ میں کتنی ڈیئرنگ ہوں۔اب جلدی بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے''

''اچھا۔تو آپ کا ڈیئر یہ ہے کہ آپ کو امی وغیرہ کے سامنے جا کر کے اپنی تعریف میں چار الفاظ بولنے

ہیں" اریج نے آسان سا ڈیئر بتایا تو وہ اطمینان سے کھڑی ہوئی۔

"بس اتنا سا کام؟ یہ تو مسئلہ ہی کوئی نہیں"

بڑے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہہ کر وہ جانے لگی تو پیچھے سے جاسم نے آواز لگائی۔

"رکو مس ہمت والی! وہ چار الفاظ سنتی تو جاؤ"

نوال اس کی آواز پر مڑ کے اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تمہیں ان سب کے سامنے بلند آواز میں کہنا ہے کہ تم بچے کھانے والی ڈائن ہو"

جاسم کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔ وہاں پر بیٹھے سارے کزنز ہنسنے لگے۔

"کیا۔۔؟"

نوال کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"بھئی یہ کیسا ڈیئر ہے؟ جس کا نہ سر ہے نہ پیر۔ کچھ اور کرنے کو کہو"

"کیوں کیا ہوا؟ تم تو بہت ڈیئرنگ ہوناں کہ بوتل کو بھی یہ بات پتا ہے، پھر اب اتنا سا کام کرنے میں کیا تکلیف ہے" فاطمہ نے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے جا رہی ہوں"

نوال پیر پٹختی اس کمرے تک گئی جہاں ساری خواتین بیٹھی تھیں اور دروازے کے بیچ و بیچ کھڑی ہو کر زور سے بولی۔

"آپ سب سن لیں کہ میں بچے کھانے والی ڈائن ہوں"

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھائی مگر اگلے ہی پل وہ سب ہنسنے لگیں۔

"یہ بچے بھی نہ پورے دن مسخری کرتے رہتے ہیں"

نوال واپس ان سب کے بیچ آ بیٹھی اور پر سکون لہجے میں بولی

"ویسے اتنا مشکل نہیں تھا"

"ہاں کیونکہ سچ بولنے کے بعد انسان ہلکا پھلکا ہی محسوس کرتا ہے تمہاری طرح"

حمدان نے ایک بار پھر اس کی کھنچائی کی۔

"چپ کرو۔ ابھی رکو ذرا تمہاری باری آنے دو" نوال نے اس کی طرف دیکھ کر چبا چبا کے کہا جس پر حمدان ہلکا سا ہنسا

"چلو نور! تمہاری باری ہے" فاطمہ نے نور کو مخاطب کیا تو وہ ایک دم کسی خواب سے جاگی اور سنجیدگی سے بوتل گھمائی۔

بوتل کا منہ ایک بار پھر ڈیئر پہ آ رکا

"اب تمہیں کیا ڈیئر دیں؟"

نوال نے ہونٹوں پہ انگلی بجاتے ہوئے سوچا پھر اچانک چہک کے بولی

"آہاہ۔ تمہارا ڈیئر یہ ہے کہ تم ارحم کی فوٹو دیکھ کر ان کے بارے میں جو بھی تم سوچتی ہو وہ کہو بلند آواز میں" نوال کے عجیب سے ڈیئر پر سب دھیمے سے ہنسے مگر وہاں بیٹھے دو لوگوں کی مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی۔ نور اور۔ حمدان کی

"نوال! پلیز یار! میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور میرے پاس ان کی کوئی تصویر بھی نہیں ہے" نور نے دھیرے سے نوال کے ذرا قریب ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں پہلے ان کی تصویر بھیجی جائے پھر ان سے تمہاری بات کروائی جائے۔ توبہ ہے نور کتنی تیز ہو تم" نوال اس کی بات کا الٹا مطلب نکال کر اسے مزید چھیڑنے لگی۔

نور غصے سے نوال کو کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اس کی نظر حمدان کے چہرے پہ پڑی۔

وہ بظاہر تو اپنے فون کی اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھا لیکن اس کے سرخ ہوتے ہوئے کان اس کے صبر اور غصے کو ضبط کرنے کا ثبوت دے رہے تھے۔

نور، حمدان کو کچھ باور کرانے کے لئے اچانک بھرپور طریقے سے مسکرائی اور شرمانے کا ڈرامہ کرتے ہوئے نظریں جھکا کر بولی

"ایسا کچھ نہیں ہے نوال"

”ماشاءاللہ۔دیکھو کیسے شرما گئی ہے۔اچھا چلوایسے ہی کچھ کہہ دو“

فاطمہ نے شریر سے لہجے میں کہا جس پر نور ایک بار پھر مسکرائی۔

”ان کی امی بہت اچھی ہیں“

دھیرے سے کہا گیا۔

”ھمم۔۔امی اچھی ہیں مطلب کہ وہ بھی اچھے ہیں۔سمجھ گئے ہم۔آپ کا یہ میسج ان تک پہنچ جائے گا“

جاسم نے بھی آنکھ مارتے ہوئے کہا جس پر نور سمیت سب ہنسنے لگے ہاں مگر۔۔

ان کے ساتھ بیٹھا حمدان تو نقلی مسکراہٹ بھی اپنے چہرے پہ نہیں لا پا رہا تھا۔

اوراس وقت نور کی مسکراہٹ اسے اتنی زہر کی طرح لگ رہی تھی کہ اس کو برداشت کرنے کے چکر میں اس نے مضبوطی سے دانت پہ دانت جما لیے،فون پہ اس کی ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوگئی اور شعلہ بار نظروں سے نور کو دیکھنے لگا۔

لیکن نور نے ایک نظر غلط بھی اس پہ ڈالنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

”سچ میں نور!تم ڈراموں میں کام کرسکتی ہو،وہ بھی نیگٹو رول کیونکہ۔۔تمہیں لوگوں کا دل جلانا بہت اچھے سے آتا ہے“

اس نے اپنے ذہن میں سوچ کر بے دلی سے سر جھٹکا۔

”اوئے!تمہاری باری ہے“

جاسم نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم چونکا پھر اگلے ہی لمحے زبردستی کی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پہ لایا اور۔۔اپنی پوری طاقت کے ساتھ بوتل کو ایسا چکر دیا کہ وہ چند لمحے گھومتی ہی رہی پھر کہی جا کر ٹرتھ پہ رکی۔

”اب آیا نہ اونٹ پہاڑ کے نیچے“

نوال شاطرانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے بولی

”شاباش اب اچھے بچوں کی طرح اس لڑکی کا نام اور تصویر دکھاؤ،جسے اس دن اپنے لیپ ٹاپ میں دیکھ رہے تھے“

’’ایکسکیوزمی! یہ آپ مجھے ڈیئر دے رہی ہیں۔ مجھ سے سچ تو نہیں پوچھ رہی‘‘

حمدان ایک دم بول پڑا۔

’’اچھا ٹھیک ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ تمہارا اس لڑکی سے کیا رشتہ ہے‘‘

نوال کی کیسٹ اسی لڑکی پر اٹکی ہوئی تھی۔

’’محبت کرتا ہوں اس سے۔۔

اور اگر وہ مجھے نہ ملی تو مر جاؤنگا‘‘ حمدان نے قدرے سنجیدگی سے نوال کو دیکھ کر کہا۔

لاؤنج میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

اور نور نے بے اختیار تھوک نگلا۔

حمدان نے سب کی طرف باری باری دیکھا پھر زوردار قہقہہ لگایا

’’کیا ہوگیا؟ سب کو سانپ کیوں سونگھ گیا۔ مذاق کر رہا تھا یار! ایسا کوئی سین نہیں ہے‘‘

’’پتا ہے بھائی ہمیں، تو اور ان معاملات میں سیریس ہو جائے؟ ناممکن‘‘

جاسم نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے اطمینان سے کہا

’’یار! میں جا رہی ہوں۔ کل ولیمہ ہے، کپڑے پریس کرنے ہیں اور بھی بہت کام ہیں۔ کل وقت نہیں ملے گا‘‘

نور سنجیدگی سے کہتی کھڑی ہوگئی۔ حمدان کی باتوں اور اس کی بار بار اپنی طرف اٹھتی نگاہوں سے وہ غیر آرام دہ محسوس کرنے لگی تھی۔

’’ہاں بھئی، تیاری کرلو، تمہیں تو بس کل کی فکر ہے۔ منگنی جو ہے کل‘‘

فاطمہ شرارت سے بولی۔

نور نے فقط اسے ایک گھوری سے نوازا اور لاؤنج سے چلی گئی۔

حمدان کی نظروں نے اس کا دور تک پیچھا کیا۔

☆......☆......☆

”سمجھتی کیا ہے وہ خود کو؟ شکل دیکھی ہے اس نے اپنی، ہنہ۔ کالی، بھدی۔ ہے کیا اس میں جو اتنا اکڑتی ہے“ رداء، فری پیریڈ میں کلاس میں بیٹھی رخسار کے آگے کسی لڑکی کو برا بھلا کہہ کر اپنے غصے کا اظہار کر رہی تھی۔

”یا اللہ! استغفر اللہ۔ اب بس کر دو رداء! اگر اس نے تمہاری کرسی پر چیونگم چپکائی تھی تو تم نے بھی اس کے نوٹس پر پانی پھینک دیا تھا۔ تم نے کونسی شرافت کا مظاہرہ کیا تھا۔ پورا پورا بدلہ لے کر آ رہی ہو اور اب یہاں بیٹھ کر بھی اس کو برا بھلا کہہ رہی ہو۔ شرم آنی چاہیئے تمہیں“

رخسار کو رداء کے الفاظ سخت ناگوار گزر رہے تھے۔

”تو بدصورت کو بدصورت ہی کہوں گی نا۔ غلط تو نہیں کہہ رہی“ ردا نے ڈھٹائی سے کہا۔

”تم سمجھتی کیوں نہیں کہ ہم نے خود اپنی شکل وصورت، رنگت نہیں بنائی۔ ہم صرف اپنا اخلاق بناتے ہیں اور تم اپنے اخلاق کو برباد کر رہی ہو۔ غصے میں کچھ بھی بولتی چلی جا رہی ہو۔ اگر تم بھی آگے والے کی بدتمیزی کا جواب اسی بدتمیزگی سے دوگی تو تم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ اپنے آپ پہ قابو پانا سیکھو“

رخسار نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔

”تم تو اس طرح مجھ پہ چڑھ گئی ہو، جیسے میں نے اس کے پیٹ میں چھرا ہی گھونپ دیا ہو“ ردا نے برا سا منہ بنایا۔

”چاقو، چھری کے نشانات تو وقت کے ساتھ غائب ہو جاتے ہیں لیکن سخت الفاظ ہمیشہ کے لیے رہ جاتے ہیں۔ ہم بنا سوچے سمجھے لوگوں کی رنگت اور شکل وصورت پہ چوٹ کرتے رہتے ہیں۔ کبھی ان کی جگہ اپنے آپ کو سوچ کر دیکھو۔ ہماری ذرا سی کڑوی بات زندگی بھر کے لیے کسی کو احساس کمتری کا شکار کر سکتی ہے“

رخسار تہیہ کر چکی تھی کہ وہ رداء کی دوست ہونے کے ناطے اس کی غلطی کو سدھارنے کی کوشش کرے گی کیونکہ دوست ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اپنے دوست کے غلط کاموں میں اس کا ساتھ دیا جائے اور فخر سے کہا جائے کہ ہم پارٹنرز ان کرائم ہیں۔ دراصل ایسے دوست آستین کا سانپ کہلاتے ہیں۔ حقیقی دوست تو وہ ہوتا ہے جو اپنے دوستوں کو نیک راہ دکھائے، ان کی غلطی پر انہیں سمجھائے۔

وہ بھی اپنی دوستی کا حق ادا کر رہی تھی۔

”رخسار! اب بس کردو۔اس کے منہ پہ تو نہیں کہا نا میں نے“

وہ ایک دم بے زار سی ہوئی

”اس کے منہ پر نہیں کہہ رہیں مگر غیبت تو کر رہی ہوناں۔

ہم سب کو اللہ نے بنایا ہے، ہم اس کی بنائی گئی مخلوق میں نقص نکال کر اسے ناراض کرتے ہیں اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیر پہ کھلاڑی مارتے ہیں۔ اللہ تعالی کو ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا کسی کو آسمان سے زمین پر پٹخنے میں۔اس لیے کہتے ہیں، پہلے تو لو پھر بولو“

رداء کی خاموشی اس بات کا ثبوت تھی کہ اسے کچھ کچھ عقل آ گئی تھی۔

”میں یہ نہیں جتا رہی کہ میں بہت نیک ہوں یا یہ کہ میرے دل میں کسی کے لیے برائی نہیں آتی۔ مجھے بھی کبھی کوئی سخت برا لگتا ہے، کسی سے جلن یا حسد ہونے لگتی ہے لیکن میں اپنے نفس سے لڑتی ہوں، غلط خیالات کو جھٹکنے کی بھرپور کوشش کرتی ہوں۔ اپنے نفس کے ساتھ اندر ہی اندر ایک جنگ شروع کر دیتی ہوں اور پھر آخر کار میں اپنے نفس کی غلط خواہشات کو اچھی سوچ سے ہرا دیتی ہوں اور ایک سکون سا میرے دل و جان میں بھر جاتا ہے اور دیکھو ہمارا دین کتنا امن پسند اور پیارا ہے کہ ہمیں اپنے نفس کی بری اور تباہ کرنے والی خواہشات اور سوچوں سے لڑنے کو بھی جہاد کا نام دے دیا“

رخسار آنکھوں میں چمک لیے کہہ رہی تھی۔

”یار! تم بالکل میری امی جیسی باتیں کرتی ہو۔وہ تم سے مل کر یقیناً بہت خوش ہونگی“

”اچھا تو پھر کب ملوا رہی ہو اپنی امی سے؟“

رخسار نے مسکرا کر رداء سے پوچھا۔

”پہلے تو تم مجھے ٹھنڈی سی آئس کریم کھلاؤ“ ردا خوشگوار لہجے میں بولی۔

”آئس کریم ٹھنڈی ہی ہوتی ہے“

رخسار نے ہنس کر کہا تو رداء بھی اس کے ساتھ ہنس دی۔

☆......☆......☆

اربش کے روز کا معمول بن چکا تھا کہ وہ حاشر کے آفس سے گھر آنے سے کچھ گھنٹے پہلے ہی کھانا تیار کر کے، گھر کی ڈسٹنگ کرتی، پھر نہا دھو کر لاؤنج میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگتی اور حاشر کی تمام تھکان اس وقت دور ہو جاتی تھی جب وہ اسے لاؤنج میں اپنے انتظار میں بیٹھا دیکھتا تھا۔

وہ آج بھی لاؤنج کی ڈسٹنگ میں مصروف تھی جب کلک کی آواز پر وہ ایک دم چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی لیکن حاشر کو اندر آتا دیکھ اس کی جان میں جان آئی اور خوشگوار لہجے میں بولی۔

''آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے؟ خیریت''

''اگر تمہیں میرا جلدی آنا پسند نہیں آیا تو میں واپس چلا جاتا ہوں''

حاشر مصنوعی سنجیدگی سے کہتا واپس مڑنے لگا تو اربش نے جھٹ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا، میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی''

''اب پوچھ لیا ہے تو بتا ہی دیتا ہوں''

حاشر نے اپنا ہاتھ چھڑوا کر اس کا ہاتھ تھاما اور نرمی سے اس کا گال اپنی انگلیوں سے چھوتے ہوئے بولا

''مجھے تمہاری یاد آ رہی تھی، اسی لیے چلا آیا''

''اچھا! تو آپ کو صرف آج ہی میری یاد آئی؟ اس سے پہلے تو آپ کبھی نہ آئے اتنی جلدی''

اربش نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا لیکن ہونٹوں پہ مسکراہٹ قائم رہی۔

حاشر اس کی بات پر ہلکا سا ہنسا۔

''آج کام بھی اتنا نہیں تھا اور کوئی ملنے بھی آ گیا تھا تو اسی کو اپنے ساتھ گھر لایا ہوں، وہ اپنے دوست کو رخصت کر کے آ رہا ہے''

''کون آیا ہے آپ کے ساتھ مجھے بتائیں تو''

اربش نے اس سے دور ہو کر اپنا دوپٹا ٹھیک سے شانوں پر پھیلایا۔

''تمہارا کزن ہے''

''میرا کزن؟''

اربش نے ناسمجھی سے حاشر کو دیکھا۔

وہ اسے بتانے ہی لگا تھا کہ اتنے میں کسی کے بلند آواز میں سلام کرنے پر دونوں کی نظر اس پہ پڑی اور اربش جوں کی توں کھڑی رہ گئی۔

"ارے اندر تو آجاؤ ابھی بس تمہارے بارے میں اربش کو بتانے ہی لگا تھا"

حاشر نے آنے والے شخص کو دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔

وہ شخص مسکراکران کے قریب آنے لگا۔ وہ اپنے دائیں پاؤں سے ہلکا سا لنگڑا رہا تھا لیکن حلیے سے وہ کافی اونچے گھرانے کا لگ رہا تھا۔

اربش کی نگاہیں اس کے لنگڑاتے پیر پہ جارکیں۔ تھوڑی دیر پہلے کی خوشگوار مسکراہٹ ہوا ہو چکی تھی۔

"کیسی ہو اربش!"

وہ اربش کے سامنے آرکا اور مسکرا کے اس کا حال پوچھا لیکن وہ اسی طرح کھڑی اس کا پیر دیکھتی رہی۔

"اربش!"

حاشر نے اس کا نام پکار کر اس کا بازو ہلایا تو وہ اچانک کسی گہری یاد سے نکل کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"یہ تمہارے ماموں کا بیٹا حسان ہے ناں؟" حاشر نے اس کی اڑی ہوئی رنگت کو غور سے دیکھ کر پوچھا۔

وہ کچھ بھی کہے بغیر مڑی اور زور زور سے دھڑکتے دل کے ساتھ جلدی جلدی قدم اٹھاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"میں نے کہا تھا ناں تم سے حاشر! کہ اسے ہم لوگوں کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں اور تم زبردستی مجھے یہاں روک رہے ہو" حسان نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے، وہ بس آپ لوگوں سے خفا ہے۔ تم اس کے ساتھ آرام سے بیٹھ کر تمام غلط فہمیاں دور کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ سب واپس نارمل ہو جائے گا آپ لوگوں کی فیملیز کے درمیان۔ خیر! پہلے آؤ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں" حاشر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا اس کے ہمراہ چل دیا۔

☆......☆......☆

یہ عہد ترک محبت ہے کس لیے آخر

سکون قلب ادھر بھی نہیں ادھر بھی نہیں

''میں نے جھوٹ کہا تھا کہ اگر وہ مجھے نہ ملی تو مر جاؤ نگا''

نور، کمرے میں دروازے کی جانب پیٹھ کیے کپڑے پریس کر رہی تھی کہ حمدان کی بھاری آواز پر چونکی۔

وہ بازو سینے پہ لپیٹے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا انتہائی سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔

نور کا استری کرتا ہاتھ لمحہ بھر کو تھما لیکن پھر اگلے ہی لمحے وہ بغیر اس کی طرف مڑے نارمل سے انداز میں بولی

''اچھی بات ہے۔ ہمیں ویسے بھی کسی نامحرم کی محبت کو اتنا بھی سر پہ سوار نہیں کر لینا چاہیے کہ اس کے لیے ناجائز طریقے سے اپنی جان دے دی جائے''

نور کی بات پر حمدان اداسی سے مسکرایا۔

''ایک بار مرنے سے تو تکلیف ایک بار ہی ہوتی ہے لیکن میں تو ہر پل مر رہا ہوں۔ تمہارے نظر انداز کرنے پر، کسی اور سے شادی کے لیے ہاں کہنے پر اور اب کل منگنی کر کے بھی تم مجھے ماروگی۔

میں تو تمہیں اپنا محرم بنانا چاہتا تھا۔ کوئی ناجائز خواہش تو نہیں تھی میری، سب کچھ صحیح جا رہا تھا لیکن تم۔۔۔

وہ نور کو کچھ برا بھلا کہنے ہی لگا تھا مگر وہ نہ کہہ سکا۔

اس نے ہارے ہوئے سے انداز میں افسوس کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا

نور کا ہاتھ استری پر مضبوط ہو گیا۔ اسے ایک دم سے گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی جیسے بہت سا دھواں کمرے میں بھر گیا ہو اور وہ سانس نہ لے پا رہی ہو۔

اسے اپنے حلق سے ایک لفظ ادا کرنے میں بھی دقّت ہونے لگی تھی۔ عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں؟''

نوال کی آواز پہ جہاں حمدان کے تاثرات بدلے وہیں نور کی رکی سانس بھی بحال ہوئی۔

''اوہ۔۔نوال!

یہ۔۔ یہ جو نور ہے نا تمہاری ہی بہن ہے۔ میں نے کہا کہ ایک کپ چائے بنا دو تو صاف انکار کر دیا کہ ''میں

نہیں بنا رہی، نوال سے کہو، اور اب گونگی بہری ہوگئی ہے تا کہ نہ کوئی اسے کچھ کہے اور نہ ہی کوئی اس سے کچھ سنے"

وہ ایک دم ایسے اپنا لہجہ بدلا تھا جیسے سچ میں وہ نور سے چائے بنانے کی ہی درخواست کرنے آیا ہو۔

مانو یا نہ مانو مگر تقریباً ہر شخص اداکاری کا فن تو جانتا ہی ہے۔

"مجھے کیوں کہو؟ یہ کوئی وقت ہے چائے پینے کا"

نوال نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"چائے پینے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ اس کی طلب کبھی بھی، کہیں بھی ہونے لگتی ہے"

حمدان مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

"حد ہے یار! تم لوگ تو۔۔۔۔

حمدان نے فوراً اس کی بات کاٹی

"آدھی بکواس کچن میں کر لینا"

اور اسے کچن کی طرف دھکیل کر خود بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔

نور کے کپڑے پریس کرتے ہاتھ سست پڑ گئے۔

اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

حاشر بیڈ پر نیم دراز اپنے فون میں مصروف تھا۔

اربش بھی اپنی جگہ پہ بیٹھی ہاتھوں پہ لوشن مسل رہی تھی، چہرہ بے تاثر تھا۔

اربش کو خاموش دیکھ کر حاشر ذرا سا کھنکھارا پھر دھیمے لہجے میں بولا

"حسان چاہتا ہے کہ تم اس سے ایک بار بات کر لو۔ وہ اتنی دور سے صرف تم لوگوں سے معافی مانگنے آیا ہے ۔جو بھی رنجشیں ہیں تم لوگوں کے خاندان کے درمیان انھیں دور کر لینا چاہیے اور ویسے بھی رشتہ داروں سے اتنے عرصے تک ناراض نہیں رہنا چاہیئے خاص کر تب۔۔۔

جب کوئی اپنی انا بھلا کر خود آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔ باقی تم خود سمجھدار ہو"

وہ اسے ہلکے پھلکے سے انداز میں سمجھا کر سونے کے لئے لیٹ گیا۔
اور اربش وہ لوشن کی بوتل ہاتھ میں پکڑے سوچوں کے بھنور میں گھوم گئی تھی۔
''کیا وہ شخص واقعی میں سچے دل سے شرمندہ تھا؟''

☆......☆......☆

''مجھے مارکیٹ جانا ہے''
بہزاد ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا پلے اسٹیشن کھیل رہا تھا جب رخسار اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سپاٹ لہجے میں بولی
موسم بدلنے کے باعث بہزاد کی طبیعت بوجھل تھی، ناک اور آنکھیں سرخ پڑی تھیں اور ہلکا سا بخار بھی ہو رہا تھا۔اس نے ناگواری سے رخسار کی طرف دیکھ کر کہا۔
''کیوں؟''
''گھاس چرنے''
رخسار نے صرف سوچا لیکن بولی کچھ اور
''مارکیٹ سے مجھے شاپنگ کرنی ہے۔گھر میں کچھ ضروری سامان ختم ہو گیا ہے بس وہی لانا ہے''
بہزاد نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور دوبارہ گیم میں مصروف ہو گیا۔
وہ چند لمحے وہاں منتظر سی کھڑی رہی پھر اکتا کر دھیمے لہجے میں بولی۔
''کوئی بات نہیں اگر آپ طبیعت کی وجہ سے نہیں جا سکتے تو۔
آنٹی ویسے بھی شام میں آئیں گی، میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی''
اسے بہزاد اس وقت ایک ٹھاٹھے مارتا ہوا پانی کا بلبلہ لگ رہا تھا کہ وہ اگر اسے مزید چھیڑتی تو وہ پھٹ پڑتا اور تباہی مچا دیتا۔
وہ وہاں سے کھسکنے ہی لگی تھی کہ بہزاد گیم بند کر کے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔
''پانچ منٹ میں باہر آ جاؤ''

فلو ہونے کی وجہ سے اس کی آواز اور زیادہ بھاری لگ رہی تھی۔

وہ کہہ کر گاڑی کی چابی اٹھائے باہر چلا گیا۔

رخسار ایک دم ہڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگی او جلدی جلدی کرتے بھی تقریباً دس منٹ میں وہ اس کے ساتھ گاڑی میں موجود تھی۔ آخر تھی تو وہ لڑکی ہی، وقت پر کیسے آسکتی تھی۔

بہزاد نے ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی اور گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

دو گھنٹے سے وہ دونوں مارکیٹ میں گھوم رہے تھے۔ بہزاد بیزاری سے رخسار کے پیچھے چل رہا تھا۔

''ایک سال کی شاپنگ آج ہی کرنی ہے؟''

اس کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

''بس دو تین چیزیں اور لینی ہے''

رخسار نے بہزاد کو یقین دلایا اور آدھا گھنٹہ مزید گھومنے کے بعد پانچ چھ چیزیں مزید لے کر کاؤنٹر سے ہوتے ہوئے مارکیٹ سے باہر نکل گئے۔

اب بہزاد اس کے آگے چل رہا تھا اور شاپنگ کارٹ بھی وہی چلا رہی تھی۔

وہ جلدی جلدی قدم بڑھا رہا تھا۔ وہ بھی اس کے قدم سے قدم ملانے کے لیے تیز چلنے لگی کہ اچانک پھسلن والی ٹائلز پہ اس کا جوتا پھسلا اور وہ دھڑام سے فرش پہ گر گئی۔

کارٹ اس سے چھوٹ کر بہزاد کو جا لگی تو اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

رخسار فرش پر بیٹھی اپنا پیر مسل رہی تھی۔ اس کی شکل بتا رہی تھی کہ پیر میں موچ آئی ہے۔

بہزاد کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا۔

''تم یہ سب جان کے کرتی ہوناں؟ کبھی باتھروم میں بند ہو جاتی ہو، کبھی فون توڑ دیتی ہو اور اب یہاں گر گئیں، اٹینشن سیکر''

وہ دبے دبے غصے میں سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا ہوا چبا چبا کر بولا

”یا اللہ! اس شخص کے سامنے ہی کیوں میں نئے نئے کارنامے انجام دے رہی ہوں؟ مجھے تو لگتا ہے اس آدمی نے ہی اپنی آنکھوں سے مجھے نظر لگا دی ہے۔ اپنا صدقہ دینا پڑے گا لازم

اور۔۔ یہ سمجھتا کیا ہے خود کو میں کیا۔۔۔

رخسار بھی اسے اس کے فضول خیالات پر سخت سست سنانے ہی والی تھی لیکن پھر اس کی طبیعت کی خرابی اور آس پاس کا خیال کرتے ہوئے صبر کے گھونٹ پی گئی اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

”ہاتھ تھاموں میرا“

بہزاد نے اس بار تھوڑی نرمی سے کہا۔

”نہیں میں خود۔۔۔

”کیوں تماشہ بنا رہی ہو؟

اب اگر تم نے میرا ہاتھ نہیں پکڑا تو میں تمہیں یہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا پھر آتی رہنا ٹیکسی میں“

بہزاد نے اسے گھور کر وارننگ دینے والے انداز میں کہا

رخسار نے ماحول کی نزاکت دیکھ کر ذرا جھجھکتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا ہی تھا کہ اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں

بہزاد نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا لیا تھا اور اب

اب تیز تیز قدم گاڑی کی جانب بڑھانے لگا تھا۔

ٹھنڈی میٹھی دھوپ کے باعث اس نے اپنی نیلی ساحرانہ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑی ہوئی تھیں۔

اس کے کپڑوں سے اٹھتی پرفیوم کی مہک رخسار کے حواس خستہ کرنے لگی۔ بخار میں تپتا بہزاد کا وجود اسے جلا نے لگا۔

وہ اسی سحر میں کھوئی تھی جب کسی عورت کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور اس پر چھایا سحر ایک دم ٹوٹا۔

”کیا ہوا ہے اسے بیٹا؟“

وہ کوئی انگریز تھی۔

''کچھ نہیں میم! بس نفسیاتی کیس ہے۔فرش پہ بیٹھ کے ضد کرنے لگی تھی کہ گاڑی تک گود میں جاؤنگی ورنہ ادھر ہی بیٹھی رہونگی اس لیے مجبوراً اٹھانا پڑا''

اس کا موڈ اور لہجہ اچانک سے تبدیل ہو گیا، ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

رخسار نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا (جھوٹا، مکار)

اس عورت نے بہزاد کے لہجے کی غیر سنجیدگی کو پا کر ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کا کندھا تھپک کر دعا دی اور آگے بڑھ گئی۔

گاڑی کے پاس پہنچ کر اس نے رخسار کو فرنٹ سیٹ پر بٹھایا، پھر سامان لا کر گاڑی میں رکھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی جیب سے وکس انہیلر نکال کر اپنی ناک میں اس کی ٹھنڈک پہنچائی۔

دو منٹ پہلے کی دلکش مسکراہٹ کا اب کوئی نام و نشان بھی اس کے ہونٹوں پہ نہیں تھا۔

چہرہ بالکل سپاٹ۔

''میں آپ کو نفسیاتی کیس لگتی ہوں؟''

رخسار نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑی۔

''میں صرف ان آنٹی سے مذاق کر رہا تھا اور کچھ غلط بھی نہیں کہا شاید''

بہزاد نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''آپ میری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں''

وہ کیوں اس سے شکوہ کر رہی تھی، وہ خود بھی جان نہیں پا رہی تھی۔

بہزاد نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی اور اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو بند کر کے سنجیدگی سے بولا۔

''میں نے اب تک کوئی جائز فائدہ نہیں اٹھایا اور تم مجھ پر ناجائز فائدہ اٹھانے کا الزام لگا رہی ہو''

رخسار کے رخسار اس کی بات پر ایک دم سے سرخ پڑ گے اور وہ چہرہ موڑ کر باہر دیکھنے لگی (اف۔۔رخسار!) اس نے خود کو کوسا۔

بہزاد گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پہ لے آیا اور سرخ جلتی آنکھوں پہ چشمہ لگا لیا

رخسار کا دل ایک دم سے باغی ہونے لگا۔ پورے وجود میں خطرے کی گھنٹیاں ٹن ٹن کرنے لگیں۔
اس نے بے اختیار زور سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ یہ کیا ہو رہا تھا اسے؟

☆......☆......☆

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
آج اس نے درد بھی اپنے علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا
یہ سبھی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی شہر دھندلایا نہ تھا

ولیمہ تقریباً اپنے اختتام پر تھا۔ نوید اور کرن اسٹیج پر بیٹھے لوگوں سے تحفے اور تعریفیں وصول کرنے کے بعد فیملی فوٹوز بنوا رہے تھے۔

باقی لوگ ادھر ادھر پھیلے ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔

''نوال! فاطمہ! نور کو لے آؤ اب تاکہ اس کی منگنی کی رسم بھی جلدی سے ادا ہو جائے''

مہوش پھوپھو نے ان دونوں کو حکم دیا تو وہ تابعداری سے سر ہلاتی چلی گئیں اور چند منٹوں میں نور کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔

نور نے خوبصورت سا گلابی رنگ کا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا اور بہت ہلکے پھلکے میک اپ میں بھی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی، سر پہ دوپٹا سیٹ تھا اور ہونٹوں پہ مصنوعی مسکراہٹ، وہ بھی فقط آس پاس کے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے۔

سب مڑ مڑ کر اس حسین دوشیزہ کو دیکھنے لگے۔ اس کے اسٹیج پہ آتے ہی کیمرہ مین اور فوٹوگرافر اپنی ڈیوٹی میں

مصروف ہوگئے۔اور وہ جو حمدان اسٹیج سے قدرے فاصلے پہ کھڑا کسی آدمی سے باتوں میں مصروف تھا،اس کی نظر بے اختیار نور پہ پڑی اور ہٹنا بھول گئی۔

وہ لڑکی جس کو ہمیشہ اس نے اپنے ساتھ دیکھا تھا،اس نے ہمیشہ اس دن کا انتظار کیا تھا جب وہ حسین نازک سی لڑکی سر پہ دوپٹا سجائے،اپنی انگلی میں اس کے نام کی انگوٹھی پہنتی۔آج وہ دن آگیا تھا۔آج بھی وہ حسین لگ رہی تھی،سر پہ دوپٹا بھی تھا،وہ انگوٹھی بھی پہننے والی تھی مگر کسی اور کے نام کی۔

حمدان کے سر میں شدید درد اٹھا۔اس نے اپنی مٹھیاں مضبوطی سے بھینچ لیں مگر درد ایسا شدید تھا کہ اس کے لئے ضبط کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

ساری رونقیں،ساری رنگینیاں محفل کی وہ لڑکی سمیٹ چکی تھی اور وہ لڑکا تنہا کھڑا رہ گیا تھا،آس پاس کی ہر چیز اندھیرے میں جا چکی تھی۔اسے لگا کہ تکلیف سے شاید اس کا سر پھٹ جائے گا۔اف۔۔

'درد دل بھی عجب درد سر ہے'

حمدان اس آدمی سے ایکسیوز کرتا ہوا تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ہال سے باہر نکل آیا اور ہوٹل کی سیڑھیاں اترنے لگا۔اس نے اپنا کوٹ بے دردی سے اتار کر ہاتھ میں تھاما۔ایک عجیب سی گھٹن اسے محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ جلدی جلدی سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ پیچھے سے عبداللہ صاحب نے اسے آواز لگائی۔

"بیٹا!اتنی جلدی میں کہاں جا رہا ہے؟"

حمدان ان کی آواز پر تھما۔

اپنی آنکھوں کو ہلکا سا مسلا پھر مڑا اور انہیں دیکھ کر جبرا مسکرایا۔

آنکھوں میں پڑیں سرخ لکیریں صاف ظاہر تھیں۔

"ابو!وہ کچھ نہیں بس سر میں اچانک درد شروع ہوگیا تو میں نے سوچا کہ گھر چلا جاؤں"

"اوہ۔۔زیادہ درد ہے کیا؟میڈیسن لا دوں تمہیں؟"

ابو نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ارے نہیں ابو!آپ ٹینشن نہ لیں،میں لے لونگا میڈیسن راستے سے۔شاید نیند پوری نہ ہونے کی وجہ

سے ہورہا ہے۔تھوڑی دیر سو جاؤنگا تو ٹھیک ہو جائے گا۔امی میرا پوچھے تو بتا دیجئے گا“

حمدان کے تسلی دینے پر انھوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور۔۔وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

ایک فارمیسی پہ رک کر اس نے سر کے درد کی گولیاں خریدیں پھر گاڑی کارنش کی طرف موڑ دی۔

وہ ایک وسیع پیمانے پر پھیلا لوگوں کے ٹہلنے کا رستہ تھا، ساتھ میں گہرا نیلا سمندر تھا اور سمندر کے پانی سے بچنے کے لئے درمیان میں لمبا سا چبوترا بنا تھا اور دور سامنے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی تھیں۔

حمدان، سمندر کے پانی تک جاتی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی پہ آ بیٹھا۔

دو تین گولیاں حلق سے نیچے اتاریں اور پھر خالی خالی نظروں سے سامنے پھیلے آسمان کو دیکھنے لگا

'یوں جو تکتا ہے آسماں کو تو
کوئی رہتا ہے آسماں میں کیا
یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا'

”کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا تم نور!
کس بات کی سزا دے رہی ہو مجھے؟ اس بات کی کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟“

وہ خود کلامی کر رہا تھا۔

”کس قدر خوش فہمی کا شکار تھا میں۔یہی سوچتا رہا کہ وہ مجھے بہت آسانی سے مل جائے گی لیکن نہیں۔۔محبت تو ایک آگ کا دریا ہوتی ہے، کوئی تیر کر آسانی سے پار کر لیتا ہے تو کوئی ڈوب جاتا ہے۔۔۔لیکن میں ابھی ڈوبا نہیں ہوں۔اب بھی امید ہے مجھے کہ میں تیر کر پار نکل جاؤنگا۔بس ایک آخری کوشش اور۔۔“

وہ دور تک پھیلے سمندر کے سامنے بیٹھا جل رہا تھا، سلگ رہا تھا۔سر اب بھی رک رک کے درد کر رہا تھا مگر مجال ہے جو اس نے ہار مانی ہو۔

اس کی محبت میں کھوٹ نہیں تھا، وہ نور کو کسی کے بھی آگے رسوا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔اس کے بس

میں فقط کوشش کرنا تھا، باقی مرضی صرف اللہ کی چلتی ہے۔
اور ویسے بھی جس شخص کو ہمارے نصیب میں لکھ دیا جاتا ہے، ایک نا ایک دن اللہ ہمارا دل اس کی طرف پھیر ہی دیتا ہے پھر وہی ہمارے دکھ اور سکھ کا ساتھی بن جاتا ہے۔

☆......☆......☆

یہ دنیا ہے ارے ناداں نہ اس کے جال میں آنا
کہا کچھ اور جاتا ہے کیا کچھ اور جاتا ہے
یہ سودا ہے نرا دھوکا نظر کا کھیل ہے سارا
دکھایا اور جاتا ہے دیا کچھ اور جاتا ہے
ہے مانا زندگی تیری مگر مرضی نہیں تیری
سوچینا اور ہوتا ہے جیا کچھ اور جاتا ہے

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟''
اربش کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھی جب اسے اپنے پیچھے حسان کی آواز آئی۔
اربش کے کام کرتے ہاتھ ایک دم سست پڑے۔اس نے بے اختیار تھوک نگلا مگر لہجہ قدرے مضبوط کر کے بولی۔
''حاشر گھر آ گئے ہیں؟''
''نہیں۔تم یہی سوچ رہی ہونگی ناں کہ میں گھر میں کیسے آیا؟ اصل میں حاشر نے مجھے ڈوپلیکیٹ چابی دے رکھی ہے۔''کیا تمہیں حاشر نے نہیں بتایا؟''حسان نے معصومیت سے اس سے سوال کیا۔
''ہاں۔۔بتایا تھا''
اربش نے فوراً جھوٹ گھڑا۔وہ کیسے کسی تیسرے شخص سے یہ کہہ سکتی تھی کہ اس کے شوہر نے اس سے کچھ چھپایا تھا، البتہ اسے حاشر پہ بہت زیادہ غصہ آیا تھا۔وہ کیسے کسی کو گھر کی چابی دے سکتا تھا؟
''حاشر آجائیں پھر آپ بات کر لیجئے گا''

اس نے بنا مڑے سنجیدگی سے کہا۔وہ اس سے اکیلے میں بات کرنے سے کترا رہی تھی۔

”میرے پاس حاشر کے آنے تک کا وقت نہیں ہے۔ میری فلائٹ ہے اور مجھے تقریباً پندرہ منٹ میں ایئرپورٹ کے لئے نکلنا ہے۔پلیز ایک بار اطمینان سے مجھے سن لو تاکہ میرے گناہوں میں اور میرے پچھتاوے میں کچھ کمی ہو سکے“اس کے لہجے میں شرمندگی اور پچھتاوا کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔اربش کو اس پہ ترس آیا۔

”آپ لاؤنج میں بیٹھیں، میں آرہی ہوں“

اس کے کہنے پر وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

اربش چولہے کے پاس کھڑی کچھ سوچنے لگی پھر سالن کو ہلکی آنچ پہ چھوڑ کر ہاتھ پونچھتی ہوئی کچن سے باہر آئی۔

حسان لاؤنج میں رکھے صوفے پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

وہ قدرے فاصلے پر رکھے سنگل صوفے پر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

حسان نے اسے اپنی طرف متوجہ پا کر ایک نظر اسے دیکھا پھر بولنا شروع کیا

”اربش! مجھے اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ ہم نے تمہیں اور تمہاری فیملی کو بہت تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ڈیڈ بدلہ لینے کے چکر میں اتنے بے حس ہو گئے تھے کہ انھوں نے بے گناہ شخص یعنی کہ تمہیں نشانہ بنا ڈالا لیکن یقین کرو اگر مجھے ڈیڈ کی اس سیاست کی ذرا بھی بھنک لگتی تو میں انہیں یہ سب کبھی نہ کرنے دیتا اور۔۔اس دن جو مجھ سے ہوا وہ سب نشے کی وجہ سے ہوا تھا۔میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔

میں نے مانا کہ بہت برا انسان ہوں لیکن اس دن کسی نے میری ڈرنک میں بہت زیادہ مقدار میں نشہ ملا دیا تھا۔میں نے جان بوجھ کر کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔آئی سوری۔لیکن پھر بھی مجھے سکون کی نیند نہیں آتی۔میں بہت بے سکون ہوں پلیز مجھے معاف کر دو۔میں نے انجانے میں تمہیں تکلیف پہنچائی ہے اور۔۔اور اس گارڈ کو۔۔مجھے معاف کر دو پلیز“وہ بہت شرمندہ لگ رہا تھا،بس رونے کو تھا۔

اربش کو اس کی ہر ایک بات سچی لگی یا پھر وہ اس کا نرم دل تھا جس نے اسے حسان کو سچے دل سے معاف کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اربش نے کچھ کہنے کے لئے اپنے لب کھولے ہی تھے کہ۔۔اسے اپنے پیروں سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔حسان برق رفتاری سے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اربش کے پسینہ پسینہ ہوتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا۔لمحے بھر کا کھیل تھا سارا

''م۔۔میں تمہیں اس جہنم سے نکال لوں گا اربش! ہماری محبت کے درمیان میں کسی کو نہیں آنے دونگا۔تم پہ صرف میرا حق ہے۔تم۔۔تم فکر مت کرنا میں اس شخص سے تمہیں جلد ہی آزاد کروا دونگا''

اس کی ٹون پلک جھپکتے ہی تبدیل ہوگئی

اس کے اس گھٹیا ردعمل پہ پہلے تو اربش نے اسے بے یقینی سے دیکھا پھر بے یقینی پہ غصہ غالب آ گیا۔

وہ اس خبیث شخص سے ہاتھ چھڑوا کر اس کے منہ پہ ایک زناٹے دار تھپڑ رسید ہی کرنے والی تھی کہ حاشر کی گرج دار آواز پر وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اور حسان نے بھی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''یہ۔۔یہ کیا ہو رہا ہے اربش! تم ایسی گری ہوئی حرکت کر بھی کیسے سکتی ہو؟''

حاشر باہر کے دروازے کے سامنے کھڑا بالکل بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا

اربش ایک دم صفائی پیش کرنے لگی،اسے اپنا آپ چوروں جیسا محسوس ہوا۔

''حاشر آپ غلط سمجھ رہے ہیں یہ۔۔

''چپ کرو تم سمجھیں۔۔چپ کرو''

حاشر حلق کے بل اتنی زور سے چلایا کہ اربش سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔آنکھوں کے کٹورے ایک دم گرم گرم پانی سے بھر گئے۔

''تم! تم نکلو میرے گھر سے ابھی اسی وقت''

حاشر نے حسان کو دیکھ کر گرج دار لہجے میں کہا تو وہ اطمینان سے اپنا بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا پھر پیچھے مڑ کر ایک نظر اربش کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

''ہنہ۔مجھے زندگی بھر کے لئے لنگڑا کر کے خود پرسکون زندگی گزار رہی تھی۔بیچاری اتنی معصوم ہے کہ اتنی آسانی سے دھوکہ کھا گئی۔آہ! اب کون بتائے ان معصوموں کو کہ یہ دنیا ان لوگوں کے لئے نہیں ہے۔چہ چہ۔اب

صحیح معنوں میں مجھے سکون ملا ہے"

اس نے سوچتے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑی چابی کو جیب میں ڈالا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

"تم مجھے ایک بار تو بتاتیں کہ تم مجھ سے مجبوری میں شادی کر رہی ہو۔ میں نہیں کرتا تم سے شادی۔ تب شاید مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی آج ہو رہی ہے۔ میں نے تمہیں اتنی محبت دی اور بدلے میں تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔ اپنے پرانے عاشق کے ساتھ تنہائی میں بیٹھی تھیں"

حاشر کے لہجے میں غم و غصہ، دکھ، کڑواہٹ سب کچھ تھا۔

اب کی بار اربش بھی بلند آواز میں چیخی۔

"حاشر وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اس نے پھنسایا ہے مجھے۔۔ آپ تو سب جانتے ہیں پھر بھی آپ اس کے دھوکے میں کیسے آ گئے؟"

"کیا جانتا ہوں میں ہاں؟ کیا جانتا ہوں؟

بس اتنا جانتا ہوں کہ تم سب نے مل کر مجھے پاگل بنایا ہے اور کچھ نہیں"

حاشر برہمی سے بولا۔

"کیا۔۔ کیا آپ کو فریحہ نے وہ لفافہ نہیں دیا تھا؟"

اربش کی آواز اب کہ بہت دھیمی پڑ چکی تھی۔

"مجھے کسی نے کچھ بھی نہیں دیا اور نہ بتایا۔ لیکن اب مجھے مزید تم سے کچھ نہیں سننا۔ تم چلی جاؤ یہاں سے اربش! میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر تم اس گھر سے نہ نکلیں تو میں اس گھر کو ہی آگ لگا دونگا۔ جاؤ۔۔" حاشر کی سرخ آنکھوں میں غصہ ابل رہا تھا، یہ اس کے برداشت کی حد تھی۔

اربش کے اندر قبرستان جیسی خاموشی چھا گئی۔

اسی دن کا ڈر تھا اسے۔ اسی لیے وہ حاشر کو سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی لیکن اس نے فریحہ کے ذریعے خط بھیج کر بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔ فریحہ نے تو شاید اچھی نیت سے ہی سچ چھپایا ہوگا مگر اس کے لیے وبال بن گیا تھا۔ کاش وہ خود اسے سب سچ بتا دیتی۔ کاش

اربش بنا کچھ کہے آنسو گرتی ہوئی کمرے میں گئی، منہ پہ پانی کے کئی چھپاکے مارے پھر بیگ میں اپنے کپڑے ٹھوس کر کمرے سے باہر آئی اور سیدھا سیدھا باہر کی طرف بڑھ گئی۔

نہ اس نے ایک نظر حاشر کو دیکھا اور نہ حاشر نے اسے۔

وہ تو بس صوفے پہ ہاتھ جمائے بیٹھا غصہ ضبط کر رہا تھا۔

کچن سے سالن کے جلنے کی بو آ رہی تھی لیکن کس کو پرواہ تھی۔

ایک شخص طوفان کی طرح آ کر تباہی مچا چکا تھا۔ وہ انسان کے روپ میں شیطان آیا تھا جس نے دو خوشحال زندگی گزارنے والوں کے درمیان فساد برپا کر دیا تھا۔

اور میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑے کروانے کا مشغلہ تو اس کا پسندیدہ ہے چاہے پھر وہ ساس یا نند کے ذریعے کروائے یا پھر کسی اور سے اور ہم کمزور ایمان والے بشر کتنی آسانی سے اس کے بہکاوے میں آ جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم بھابھی!"

"وعلیکم السلام! خیریت تو ہے؟ اس قدر اچانک کیسے آنا ہوا"

اربش کو بیگ سمیت گھر آنے پر نیلم بھابھی نے تفتیشی نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"ج جی بھابھی! سب ٹھیک ہے وہ دراصل حاشر کو کچھ ہفتوں کے لیے آفس کی طرف سے فوری طور پر اسلام آباد جانا پڑ گیا تو وہ مجھے چھوڑتے ہوئے ایئرپورٹ کے لیے نکل گئے ہیں۔ اکیلے گھر میں تو نہیں چھوڑ سکتے تھے ناں وہ مجھے" اربش نے بڑے سنبھلے ہوئے انداز میں بہت سارا جھوٹ بولا۔

"اچھا لیکن حاشر کو مل کر جانا چاہیے تھا۔ کم از کم تمہارے بھائی کو تو بتا دیتا"

"ہاں آپ صحیح کہہ رہی ہیں لیکن انھیں بھی دیر سے اسلام آباد جانے کا پتا لگا اور اس وقت تو بھائی بھی گھر میں نہیں ہوتے تو اسی لیے حاشر نے کہا تھا کہ وہ بھائی کو کال کر لیں گے"

اربش نے جبراً مسکرا کر انہیں تسلی دی مگر جھوٹ پہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس کی زبان کپکپانے لگی تھی کیونکہ

سچ سے زیادہ مشکل کام دراصل جھوٹ بولنا ہوتا ہے۔

''چلو ٹھیک ہے۔ اللہ اسے اپنے امان میں رکھے اور خوب ترقی دے۔ اب جاؤ اپنے کمرے میں کپڑوں کو الماری میں رکھو۔ ابھی بچے ٹیوشن سے آ کر تمہیں دیکھ لیں گے تو پھر تمہاری جان ہی نہیں چھوڑیں گے'' بھابھی، محبت اور مطمئن سے لہجے میں کہتی ہوئی کچن میں چائے بنانے چلی گئیں اور وہ مردہ پیروں کے ساتھ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ بند کر کے بیڈ پہ گر سی گئی۔

آنسو ایک دم آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔

وہ کیسے اپنی بیوقوفی کے قصے لوگوں کو سنا سکتی تھی کہ ایک ہی سانپ کے بل سے وہ دوبارہ ڈسی جا چکی تھی۔ وہ اپنی وجہ سے کسی کو پریشان اور اپنی طرح بے سکون نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اس نے اصل بات چھپالی تھی مگر کب تک؟ کب تک اسے جھوٹ بولتے رہنا تھا۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

☆......☆......☆

لندن میں سردی کی چھٹیاں پڑ چکی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ رخسار کا زیادہ تر وقت ہمایوں ہاؤس میں گزرنے لگا تھا۔ شیرین آنٹی ایک دوست کی طرح اسے ٹریٹ کرتی تھیں اور رخسار کو ان کی یہ دوستانہ طبیعت اتنی پسند تھی کہ اس کا بس چلتا تو وہ بہزاد ہاؤس سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ہمایوں ہاؤس شفٹ ہو جاتی لیکن دل کی شرط تھی کہ بہزاد بھی ساتھ میں جائے۔ (اف یہ باغی دل اس بدتمیز کا عادی ہوتا جا رہا تھا)

وہ اس وقت بھی شیرین آنٹی کے گھر میں ہی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اب وہ دونوں چائے کے کپ لیے ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھیں۔

''آنٹی! میں آپ سے اجازت لینا چاہتی ہوں''

رخسار نے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا تو وہ اس کی بات پر مسکرائیں۔

''مجھ سے کیا اجازت چاہتی ہو بچے!''

''وہ میں اپنی یونیورسٹی کی دوست کے ساتھ دو تین دن کے لیے اس کی نانی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ اس

کی نانی جہاں رہتی ہیں ادھر کا موسم بہت اچھا ہو رہا ہے، برف باری بھی ہو رہی ہے وہاں"

رخسار نے پر جوش انداز میں کہا۔

"تو برف باری دیکھنے کے لیے تم دوست کے ساتھ کیوں جاؤ گی؟ تمہارا شوہر ہے وہ لے کر جائے گا تمہیں۔ میں ابھی اسے فون کرتی ہوں۔ بتاؤ ذرا بیوی کو گھمانے نہیں لے جا سکتا"

شیرین آنٹی خفگی سے کہتے ہوئے اپنا فون اٹھانے لگی۔ رخسار، ان کے غیر متوقع ردعمل پر ایک دم گڑبڑائی۔

"نہیں آنٹی! یہ بات نہیں ہے۔ میری دوست نے خود مجھے یہ آفر کی ہے اور میں اس کے ساتھ بھی کچھ ٹائم اسپینڈ کرنا چاہتی ہوں۔ بہزاد کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے آپ غلط سمجھ رہی ہیں" (کیوں مجھے مگر مچھ کا کھانا بنا رہی ہیں)

"اچھا۔ تو اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ۔ کون ہے، کہاں کی رہنے والی ہے، اس کی نانی کا گھر کہاں ہے"

"وہ پاکستانی ہے اور مسلمان بھی ہے اور گھر کا ماحول بھی پاکستانی گھر جیسا ہے۔ رداء جمال نام ہے اس کا اور اس کی نانی کینٹ میں رہتی ہیں"

"اس کی موم کا نام ماہ نور ہے؟"

شیرین نے اندازہ لگایا تو رخسار نے انہیں حیرانی سے دیکھا۔

"آپ کو کیسے پتا؟"

"کیونکہ اس کے فادر بھی اسی آفس میں جاب کرتے ہیں جہاں ہمایوں کرتے ہیں اور کافی دفعہ پارٹیز میں میری ماہ نور سے سلام دعا بھی ہو چکی ہے۔ کافی ڈیسنٹ لوگ ہیں۔ میری طرف سے تو تمہیں اجازت ہے مگر بہزاد سے ضرور پوچھ لینا"

شیرین نے مطمئن سے انداز میں کہا تو رخسار نے فوراً سر ہلا دیا۔ اسے تو بس برف باری دیکھنی تھی۔

☆......☆......☆

گھر آنے کے بعد رخسار لاؤنج میں بہزاد کے انتظار میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔

اسے آج ہی اجازت لینی تھی کیونکہ کل اسے رداء کے ساتھ اس کی نانی کے گھر جانا تھا۔

کلک کی آواز پر رخسار نے دروازے کی طرف دیکھا، وہ فون کان سے لگائے ہنس ہنس کر کسی سے محو گفتگو تھا ۔رخسار کو بالکل نظر انداز کرتا کچن کی طرف بڑھ گیا۔رخسار بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔بہزاد نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی، چند گھونٹ بھرے پھر دوبارہ لاؤنج میں آیا اور صوفے پر پاؤں پسارے بیٹھ گیا۔

رخسار اس کے سامنے کھڑی ہو کر اس کے فون بند کرنے کا انتظار کرنے لگی۔

''ھاھاھا نہیں یار! میرے جذبات سچے ہیں، تم دیکھنا، وہ ایک دن خود اظہار کر ہی دے گی''

بہزاد نے عجیب سے لہجے اور مسکراہٹ کے ساتھ فون پر کسی سے کہا تو رخسار کے کان کھڑے ہو گئے۔دل ڈوب کے ابھرا (کون اظہار کر دے گی؟)

وہ جب وہاں جم کر کھڑی ہو گئی تو بہزاد نے ناگواری سے اسے دیکھ کر سوالیہ انداز میں ہاتھ سے اشارہ کیا جیسے پوچھ رہا ہو کہ ''کیا ہے''

رخسار کو اس کا انداز اتنا سخت برا لگا کہ وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی واپس پلٹ کر جانے لگی۔

بہزاد نے فون بند کیا اور بھاری آواز میں اسے پکارا۔

''رکو!''

رخسار اس کی آواز پر رکی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔

''تم کیا میری باتیں سننے کے لئے میرے سر پہ کھڑی تھیں؟''

بہزاد نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔اس کے سوال پر رخسار کا حلق تک کڑوا ہو گیا لیکن دھیمے مگر مضبوط لہجے میں بولی۔

''اگر مجھے آپ کی باتیں سننی ہوتیں تو میں چھپ کر سنتی، اس طرح آپ کے سامنے نہ کھڑی ہوتی''

''اچھا، مطلب یہاں کھڑی ہو کر صرف میری شکل دیکھ رہی تھیں۔ٹھیک ہے بھئی تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان ہیں، جب چاہو کسی کو گھورتی رہو اور اس کی آواز سنتی رہو۔یور لائف یور رولز''

بہزاد نے بظاہر بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کندھے اچکا کر کہا تھا لیکن رخسار اس کا طنز پا گئی تھی۔

''مجھے کچھ پوچھنا تھا آپ سے اس لیے کھڑی تھی''

وہ اس کی بات کو دل پہ لیے بغیر اصل مدعے پر آئی۔(اس شخص سے بحث کرنا مانو اپنے ہی پیر پر کلہاڑی مارنے کے برابر تھا)

''پوچھو'' بہزاد نے عجلت میں کہا

''میں اپنی دوست کے ساتھ کل اس کی نانی کے گھر جانا چاہتی ہوں دو تین دن کے لیے۔ آنٹی نے تو اجازت دے دی ہے لیکن انھوں نے کہا تھا کہ ایک بار آپ سے بھی پوچھ لوں''

''جب موم تمہیں اجازت دے چکی ہیں تو مجھ سے اجازت لینے کی فارمیلٹی پوری کرنے کی ضرورت نہیں۔ میری طرف سے تم ایک دم آزاد ہو، جو کرنا ہے کرو''

بہزاد کے لہجے میں اتنی لاپرواہی تھی کہ رخسار کے دل میں ایک دم درد سا اٹھا۔

ہم انسان بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ جب کوئی ہماری پرواہ کرتا ہے، ہمارے کہی آنے جانے پر سوال کرتا ہے روک ٹوک لگاتا ہے تب بھی ہم جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتے ہیں اور جب کوئی ہم سے لاپرواہی برتتا ہے، ہم سے کہی آنے جانے پر پوچھ تاچھ نہیں کرتا تب بھی ہمیں تکللیف اور تفتیش میں مبتلا کر دیتا ہے۔

رخسار کے اندر تک خاموشی چھا گئی۔

بہزاد، اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگا مگر پھر کچھ سوچ کے رکا اور رخسار کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکایا

''میں تین دن تک مس کرونگا تمہارے ہاتھ کا کھانا''

وہ یہ کہہ کر، زیرلب کچھ گنگناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اور رخسار کا دل اس کی مسکراہٹ اور غیر متوقع جملے پر اتنی زور سے دھڑکا کہ بے اختیار اس نے اپنے دوپٹے کا پلو اپنی مٹھی میں سختی سے جکڑ لیا اور وہ صوفے پہ بیٹھ کر اس کے کہے گئے الفاظ پر خود سے جھگڑنے لگی۔

''نہیں، اس کی تو عادت ہے میرے کھانے کی تعریف کرنے کی، وہ تو اس طرح سے اور بھی لوگوں سے کہتا ہوگا، صرف مجھ سے تھوڑی کہا ہے۔ بس ایک جملے پر میں یہ کیسے سوچ سکتی ہوں کہ وہ مجھے پسند کرنے لگا ہے؟ نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ کوئی محسوسات کچھ بھی نہیں ہے۔ رخسار بھول جاؤ اس کا کہا گیا جملہ۔

بہزاد کے ایک جملے نے جہاں رخسار کے ذہن کو ایئر فون کے تار کی طرح الجھایا تھا وہیں اس کے دل کے چھوٹے سے حصے میں محبت نامی پودا جو اگا تھا، اس میں پھول بھی کھلا گیا تھا۔

گلاب کا کانٹے دار پھول۔

واقعی وہ شخص اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

پل میں تولہ پل میں ماشہ

☆......☆......☆

میرا اندر گواہی دیتا ہے

جو بھی باہر ہے جھوٹ ہے سارا

''تمہاری منگنی ہوگئی اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں گھنی لڑکی!''

نور کی فیملی شادی سے فارغ ہو کر اپنے گھر آ گئی تھی اور اب نور کی دوست عائشہ اس سے بنا بتائے منگنی کر لینے پر شکوہ کر رہی تھی۔

''یار! بس اتنی جلدی سب ہو گیا کہ تمہیں خبر بھی نہیں کر سکی''

وہ سنجیدگی سے کہہ کر اپنی منگنی کی انگوٹھی کو دیکھنے لگی۔

''جس طرح کی فیلنگز حمدان تمہارے لیے رکھتا ہے، عین ممکن تھا کہ وہ منگنی کی جگہ نکاح ہی کر لیتا''

عائشہ شریر سے لہجے میں بولی لیکن نور خالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی پھر نظریں دوسری جانب پھیر کر دھیمے سے بولی۔

''میری منگنی حمدان سے نہیں ہوئی ہے عائشہ!''

''کیا مطلب حمدان سے نہیں ہوئی تو پھر کس سے؟''

عائشہ نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھ کر پوچھا

''ہیں کوئی ابو وغیرہ کے جاننے والے۔انھی کے بیٹے ارحم سے ہوئی ہے''

''لیکن تم دونوں تو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے بچپن سے تو پھر تم لوگوں نے کسی کو بتایا کیوں نہیں؟''

عائشہ اس سے سوال پہ سوال کرنے لگی۔

''کیونکہ سحرش پھوپھو کا دل ہے حمدان پر فاطمہ کے لیے۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی بڑوں کی باتیں سن لی تھیں اور شاید میرے لیے یہ سب سننا ضروری تھا''

نور کا لہجہ سپاٹ تھا۔ بے تاثر، کسی بھی جذبے سے خالی لہجہ۔

''سحرش پھوپھو، مہوش پھوپھو سے بہت مان سے کہہ رہی تھیں کہ انھوں نے ہمیشہ سے فاطمہ کے ساتھ حمدان کو دیکھا ہے اور ان کی بات پر مہوش پھوپھو بھی بہت خوش ہوئی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ فاطمہ کی طرف سے بے فکر ہو جائیں، اب سے وہ ہماری ہے۔ حمدان پوری طرح سیٹلڈ ہو جائے پھر اس سے بھی اس بارے میں بات کریں گی۔ تم ہی سوچو میں کیسے سب کچھ جان کر بھی اپنی من مانی کرتی؟ میں یہ بالکل بھی نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے خاندان میں ذرا بھی دراڑ پڑے اور محبت تو قربانی مانگتی ہے تو میں بھی اپنے خاندان کی خوشی کے لیے یہ قربانی دینے کو تیار ہوں اور ویسے بھی جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ جو ہمارا نصیب''

نور نے جبراً مسکرا کر کندھے اچکائے جیسے وہ واقعی ہی اپنی زندگی میں آگے بڑھ چکی ہو۔

عائشہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''مطلب حمدان نے بھی کسی کو کچھ بھی بتانے کی کوشش نہیں کی؟ یہ کیسی محبت ہے؟

صحیح کہا تھا تم نے مجھ سے نور! آج کل کی محبت میں وہ بات ہی نہیں رہی۔ آج کل سچ میں لوگ ٹائم پاس کرنے کے لیے محبت کرتے ہیں اور یہ لڑکے تو ویسے بھی ہوس کو محبت کا نام دے دیتے ہیں''

''ایسے مت کہو عائشہ! حمدان ایسا نہیں ہے۔ اس محبت کو ہوس کا نام دے کر گندا مت کرو پلیز''

نور اس کی بات پر تڑپ کے بولی۔

''تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ کیوں اپنے بڑوں سے چھپا رہے ہو''

عائشہ جھنجھلائی۔

''تم نہیں سمجھ سکتیں۔ اتنا آسان نہیں ہوتا یہ سب۔ تم میری جگہ ہوتی تو تب تمہیں پتا لگتا''

نور نے ہارے ہوئے انداز میں کہا۔

”خیر چھوڑو ان باتوں کو، جو ہونا تھا ہو گیا اور جو ہو گا مجھے اس کے لیے تیار رہنا ہے۔
بس تم دعا کرنا کہ میں زندگی کے کسی فیصلے پہ بھی کمزور نہ پڑوں“
”ھم۔۔سب بہتر ہی ہو گا“
عائشہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔
”چلو، باہر لاؤنج میں چل کر بیٹھتے ہیں۔امی اور نوال انتظار کر رہی ہونگی“
نور اپنے لہجے کو نارمل کر کے مسکرا کر بولی تو عائشہ سر ہلاتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور نور کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

”کیا بات ہے اربش! تین دن گزر چکے ہیں، حاشر کی اب تک کال نہیں آئی“
اربش اور نیلم بھابھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں جب نیلم بھابھی اپنے دل میں کھٹکتی بات زبان پر لے ہی آئیں۔
اربش جو سر جھکائے، خاموشی سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھی ایک دم گڑ بڑا سی گئی۔
”وہ۔۔اوہ ہاں میں تو بتانا ہی بھول گئی۔ان کی کال آئی تھی میرے پاس۔اپنے کسی دوست کے موبائل سے کال کی تھی۔
دراصل حاشر جلدی میں اپنا فون ہوٹل کے روم میں ہی بھول گئے اور آدھے راستے میں انہیں یاد آیا۔انھوں نے کہا تھا کہ وہ جیسے ہی نیا فون خریدیں گے، وقت نکال کر اطمینان سے بھائی سے بات کر لیں گے۔وہ پوچھ رہے تھے کہ آپ لوگوں کو کوئی ضروری بات تو نہیں کرنی ان سے؟“
اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ کرئی نہ کوئی اس سے ضرور یہ بات پوچھے گا اسی لیے اس نے پہلے ہی سب سوچ رکھا تھا لیکن سوچنے اور بولنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔
اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی اور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
”ارے نہیں ضروری بات نہیں کرنی تھی۔بس ایسے ہی حال پوچھنے کے لیے بات کرنا چاہ رہے تھے۔

دھیان رکھنا چاہیے ناں۔آج کل انسان سب بھول جائے لیکن اپنا موبائل اٹھانا نہیں بھولتا۔ایک عجیب سی کمی محسوس ہونے لگتی ہے ہاتھ میں۔ مجھے تو حیرت ہو رہی ہے، وہ اپنا فون کیسے بھول سکتا ہے‘‘

نیلم بھابھی نے ہنس کر مذاق میں کہا۔

اربش نے ان کے جملے پر بے اختیار تھوک نگلا اور انہیں دیکھ کر جبراً مسکرائی۔

نا جانے کیوں لیکن اسے امید تھی کہ وہ پلٹ آئے گا، وہ سچ بتانا ہی نہیں چاہتی تھی، وہ یہ چاہتی ہی نہیں تھی کہ کوئی حاشر کو گالی تو کیا، اس کے بارے میں برا تک سوچے۔

ایسی ہی تو ہوتی ہے محبت۔

☆......☆......☆

حاشر، اپنے آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ میں کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

نہ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور نہ بال بکھرے ہوئے تھے کیونکہ اسے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ایکٹو دکھانا تھا۔ ہاں البتہ آنکھوں کی سرخی یہ بتا رہی تھی کہ اس کو چند دنوں سے سکون کی نیند میسر نہیں ہوئی اور چہرے پر بھی ایک عجیب سی ویرانی تھی۔

وہ ہنوز ٹائپنگ میں مگن تھا جب اس کا فون بجا۔

اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹا کر فون کی جگمگاتی اسکرین کو دیکھا

’’حسان کالنگ‘‘

حاشر نے دانت پہ دانت جما کر فون کان سے لگایا لیکن فون کرنے والا شخص بالکل خاموش رہا۔

نا جانے کیوں حسان اس طرح کر رہا تھا۔ اس نے حاشر کے فون پر دوسری بار کال کی تھی اور پہلی کال کی طرح اس کال پر بھی وہ ایک لفظ نہ بولا تھا۔

شاید وہ اسے تنگ کر رہا تھا، شاید حاشر کی بے بسی، اس کا غصہ حسان کو مزا دے رہا تھا۔

’’تم اب کیا چاہتے ہو؟ تمہاری کزن نہیں رہتی میرے ساتھ۔ جا چکی ہے وہ میرے گھر سے۔ اب دوبارہ تم نے مجھے کال کی تو میں جان لے لونگا تمہاری سمجھے؟‘‘

حاشر، دبی دبی آواز میں غرایا اور فون کو زور سے فرش پہ پٹخ کر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

فرقان جو اس سے چند فاصلے پر بیٹھا کام کر رہا تھا، آواز سن کر اس کے پاس آیا۔

''کیا ہو گیا بھائی؟ کیا اٹھا کر پٹخ دیا ہے''

حاشر نے چہرہ اٹھا کر چند لمحوں کے لیے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا پھر جیسے ایک دم ہوش کی دنیا میں آیا۔

''نہیں۔۔ وہ بس فون ہاتھ سے چھوٹ گیا''

''اتنی زور سے کیسے چھوٹ گیا؟''

فرقان نے مذاق میں مسکرا کر کہا اور کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا پھر حاشر کی کملائی ہوئی شکل کو غور سے دیکھنے لگا۔

حاشر نے جھک کر فون اٹھایا اور عام سے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

''چائے پیو گے؟ منگواؤں تمہارے لیے؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟''

فرقان نے اطمینان سے کہا تو حاشر نے رسمی سا مسکرا کر اسے دیکھا پھر دو کپ چائے کا آڈر دیا۔

''کوئی پریشانی ہے کیا حاشر! سب ٹھیک ہے نا!''

فرقان نے بڑے سنبھلے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

حاشر نے اس کے سوال پہ گہری سانس لی پھر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر اپنی آنکھیں مسلتے ہوئے بولا۔

''ہاں یار! بس یہ پراجیکٹ کی وجہ سے تھوڑا تھکا ہوا ہوں۔ دو تین دن میں مکمل ہو جائے گا تو ہی سکون نصیب ہو گا''

حاشر، بہت مہارت سے بات گول کر گیا تھا۔

''میں دیکھ رہا ہوں تمہیں کچھ دنوں سے، تم نے کچھ زیادہ ہی کام کو سر پر سوار کر لیا ہے۔ بڑے بدلے ہوئے سے محسوس ہو رہے ہو۔ اتنا اسٹریس مت لو۔ یہ کام تو زندگی کے ساتھ چلتے رہیں گے، ریلیکس ہو جاؤ، اپنے آپ کو

اتنا ہلکان مت کرو۔ جان ہے تو جہان ہے"

فرقان نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔

"ہمم۔۔۔"

حاشر نے اس کی بات پر طویل ہنکارا بھرا۔

"ویسے جب بیوی آجاتی ہے، تب بھی انسان کی شکل پر بارہ بج ہی جاتے ہیں"

فرقان نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو حاشر افسردگی سے مسکرایا۔

(اب اسے کیا پتا کہ یہ سرخ آنکھیں اور یہ ڈپریشن بیوی کے آنے سے نہیں بلکہ جانے سے تھا۔ یہ ویرانی کسی محبوب چیز کے آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے چہرے پہ چھائی تھی، آنکھوں کی چمک بھی وہ محبوب آنکھوں سے نوچ کر لے گیا تھا۔ پورے وجود میں توڑ پھوڑ مچی تھی لیکن بھلا ہو اس مسکراہٹ کا جو باہر کے لوگوں کو اندر کی توڑ پھوڑ سے بے خبر رکھتی ہے ورنہ یہ آنکھیں تو کسی نیوز چینل کی طرح ہر خبر کو چیخ چیخ کر بتانے کو تیار رہتی ہیں)

"ایک کام کرتے ہیں، ایک دو ہفتے کی چھٹیاں لے کر پاکستان کے شمالی علاقوں کی سیر کرنے چلتے ہیں سب اسکول کے دوست مل کر۔ پلان تو کب سے بنا رکھا ہے اب اسے پایا تکمیل تک پہنچا ہی دیتے ہیں۔ وہاں کی تھوڑی ہوا لگے گی تو شاید یہ ڈپریشن کے کیڑے دماغ سے اڑ جائیں۔

کیا خیال ہے تمہارا، سب سے بات کروں کیا؟"

فرقان نے اسٹریس دور کرنے کا بہترین حل نکالا تو حاشر جو کہ یقینی طور پر کچھ دنوں کے لیے اس شور مچاتی تنہائی سے راہ فرار چاہتا تھا، فوراً راضی ہو گیا۔

☆......☆......☆

وہ وہاں محفل اغیار کیے بیٹھے ہیں

ہم یہاں دشت کو بیزار کیے بیٹھے ہیں

وہ جو کہتے تھے محبت ہے محبت تم سے

آج اس جرم سے انکار کیے بیٹھے ہیں

زندگی ویسے تو کچھ دور نہیں ہے ہم سے

بیچ رستے میں وہ دیوار کیے بیٹھے ہیں

کہہ گیا ہم کو کہ خوابوں سے نکالو ہم کو

خود کو تعمیل میں بیدار کیے بیٹھے ہیں

اک طرف ہم سے کہیں ہم سے کنارہ کیجئے

اک طرف دل میں گرفتار کیے بیٹھے ہیں

ہوئے بے آبرو تو کس کو سناتے قصہ

وہ زمانے کو وفادار کیے بیٹھے ہیں

ہم کو معلوم کہ انجام ہے رسوائی اب

ضد محبت کی یہ بے کار کیے بیٹھے ہیں

بڑی عید کے چوتھے دن ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مہوش پھوپھو اور ان کے تمام بہن بھائیوں کی فیملیز بار بی کیو پارٹی کرنے کے لیے بیچ آئے ہوئے تھے اور جاسم دھواں اڑاتی گرل کے سامنے کھڑا بوٹیا بھوننے میں مصروف تھا۔اس نے گرم گرم بوٹیاں پلیٹ میں نکالی ہی تھیں کہ اریج بھوکوں کی طرح پلیٹ کی طرف لپکی اور جھٹ سے ایک بوٹی پہ پھونک مار کر منہ میں ڈال لی۔

''جاسم یہ اتنی نمکین نمکین سی کیوں لگ رہی ہیں؟''

اریج نے ایک اور بوٹی کو منہ میں رکھ کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''ھم۔۔اتنی گرمی میں بیٹھا ہوں نا تو شاید میرے ماتھے پہ آیا پسینہ ٹپک کر اس میں گر گیا ہوگا''

جاسم نے بھی اسی معصومیت سے جواب دیا۔

اریج کے تو جیسے منہ میں کڑواہٹ ہی بھر گئی۔

''یخ گندے! کھانے کی چیز کے ساتھ تو ایسا مذاق مت کرو''

’’اچھا۔۔میرے کہنے سے کونسا تم پہ کوئی اثر پڑا ہے۔ٹھوس تو تم پھر بھی رہی ہو نمکین بوٹیاں‘‘

جاسم نے طنزیہ لہجے میں کہا

’’ہونہہ۔۔۔‘‘

اریج نے برا سا منہ بنایا اور پلیٹ اس کے سامنے سے اٹھا کر لے گئی۔

جاسم نے بے اختیار مسکرا کر سر جھٹکا۔

’’موٹی چڑیل‘‘

اور سب سے دور سمندر کے کافی قریب کھڑا احمدان، جلیس کے دو سالہ بیٹے کو پانی سے بھری بالٹی میں تیرتی مچھلیاں دکھا رہا تھا جو کہ ان لوگوں نے سمندر سے پکڑی تھیں۔

سعود اپنی ننھی ننھی انگلیوں سے مچھلیوں کو چھوتا تو وہ ادھر ادھر بھاگنے لگتیں اور پھر وہ حمدان کی طرف دیکھ کر زور سے ہنستا تو حمدان بھی مسکرا دیتا۔

اسی دوران نوال ہاتھ میں چاکلیٹ کا پیکٹ لے کر ان کے پاس آئی اور پر جوش انداز میں حمدان کو مخاطب کیا۔

’’حمدان! تمہیں یاد ہے یہ چاکلیٹ؟ ہم بچپن میں کتنا پاگل تھے اس کے پیچھے۔ جب بھی دکان سے یا مارکیٹ سے چیز لیتے تھے، اسے ضرور خریدتے تھے۔ ہنا‘‘

’’ہاں۔۔۔کیسے بھول سکتا ہوں میں اپنا بچپن‘‘

حمدان کسی ٹرانس میں مسکرا کر بولا۔

’’گڈ، بھولنا بھی مت۔ یہ لو انجوائے کرو‘‘ نوال نے ایک چاکلیٹ حمدان کی ہتھیلی پہ رکھی اور ایک سعود کی جیب میں ڈال کر اپنی دھن میں آگے بڑھ گئی۔

حمدان نے کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

کتنی ظالم ہوتی ہے یہ بچپن کی محبت بھی کہ ایک چاکلیٹ کو دیکھ کر ہی اسے کھاتی ہوئی چھوٹی سی محبوبہ کا معصوم سا چہرہ ذہن میں گھوم جاتا ہے۔

اس کی نظر بے اختیار دور بیٹھی نور پہ پڑی جو باتوں میں مصروف تھی

حمدان سر جھٹک کر افسردگی سے مسکرایا۔ چاکلیٹ کھول کر منہ میں رکھی اور کاغذ پھینکنے کے بجائے جینز کی جیب میں رکھ لیا۔

پاگل لڑکا۔

شکر ہے کہ لوگ سوچیں نہیں پڑھ سکتے ورنہ مضبوط سے مضبوط دکھنے والا انسان کتنے خولوں میں بند ہے، سب کو پتا چل جاتا اور اس کے تمام پول کھل جاتے۔

''حمدان!''

جاسم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو حمدان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''اب تمہاری باری ہے دھوئیں کے آگے کھڑا ہونے کی''

جاسم نے بلند آواز سے کہا تو حمدان سعود کا ہاتھ پکڑ کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

''نور! تم کیوں نہیں کھا رہی ہو کچھ؟''

''امی میرا دل نہیں کر رہا''

زرمینہ کے سوال پر نور نے بے زاری سے کہا۔

''غلط بات ہے بیٹا! تھوڑا سا تو کھا لو۔

انابیہ، جاؤ حمدان بھائی سے ایک دو کباب اور کچھ بھنی ہوئی بوٹیاں لے آؤ نور باجی کے لئے''

زرمینہ نے میاسہ کی پانچ سالہ بیٹی سے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

نور منع ہی کرتی رہ گئی۔

انابیہ نے حمدان کے پاس پہنچ کر اس کی ٹی شرٹ کا دامن کھینچا تو حمدان پورا اس کی طرف گھوم گیا اور بڑے پیار سے اس سے پوچھا۔

''جی! کیا چاہیے آپ کو''

زرمینہ نانی، نور باجی کے لیے یہ منگوا رہی ہیں''

انابیہ نے گرل کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ۔۔۔تو یہ بات ہے۔ کہو تو آپ کی نور باجی کو پلیٹ میں کوئلے رکھ کر پیش کر دوں؟ اتنی بے حس ہیں وہ کہ کوئلے بھی چبا جائیں گی'' حمدان منہ میں بڑبڑایا۔

''جی۔۔۔؟'

'انابیہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں۔ مامی سے کہنا کہ ابھی کباب تیار نہیں ہوئے ہیں، جب ہو جائے گے تو بھجوا دونگا۔ اوکے؟''

حمدان نے نرمی سے اسے کہا۔

''اوکے''

☆......☆......☆

اربش کے بھائی فیصل اپنے کمرے کے بیڈ پہ نیم دراز ہو کر ٹی وی دیکھ رہے تھے جب ان کی بیوی ان کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ پریشان سے لہجے میں بولیں۔

''بات سنیں! کیا آپ کے پاس حاشر کی کال آئی؟''

''نہیں اب تک تو میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی''

فیصل ٹی وی پہ نظر جمائے سنجیدگی سے بولا

''تقریبا دو ہفتے ہونے کو ہیں اور حاشر کا کوئی اتہ پتہ ہی نہیں ہے۔ اربش سے پوچھو تو وہ بات گول کر جاتی ہے۔ مجھے اربش کے یہاں رہنے پہ کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن حاشر کو ایک بار تو آپ سے بات کرنی چاہیے تھی۔ ہمیں تسلی تو رہتی کم از کم۔ ایک تو ہے بھی وہ غیر اور اوپر سے اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی نہیں رہتا۔ میرے دل میں تو برے برے خیالات آ رہے ہیں''

''اپنی ایک بات پہ قائم رہا کرو نیلم! پہلے تو ان ساری باتوں کو تم مثبت انداز میں لے رہی تھیں اور اب۔۔ اب انھی کو لے کر منفی سوچ رہی ہو۔ اور ویسے بھی حاشر کا انتخاب میں نے خود کیا تھا، بہت سوچ سمجھ کر اور مجھے یقین ہے کہ جو تم سوچ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ الویز تھنک پوزیٹو۔ میں اس بارے میں اربش سے خود بات

کرلوں گا‘‘ فیصل نے بڑے ہی ٹھنڈے لہجے میں کہا اور واپس ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ (یہ عورتیں ہر بات کا بتنگڑ کیوں بنالیتی ہیں)

’ہنہ۔۔‘ نیلم بھابھی برا سا منہ بنا کر رہ گئیں۔ (یہ ہر بات کا اتنا ٹھنڈا ردعمل کیسے دے دیتے ہیں؟ ٹینشن کیوں نہیں لیتے)

وہیں ان کے کمرے سے کچھ فاصلے پر بنے کمرے میں اربش، بیڈ پہ تکیے کے سہارے بیٹھی اپنے فون میں موجود حاشر کی مسکراتی ہوئی تصویر کو زوم کر کے دیکھ رہی تھی۔ کتنی نرم، دل میں اتر جانے والی مسکراہٹ تھی

اربش نے فون کو اوندھے منہ بیڈ پہ رکھ دیا اور سر بیڈ کراؤن پہ ٹکا کر گہری سانس لی اور آنکھیں موند لی۔

ایک دم آنکھوں کے سامنے حاشر کا چہرہ آ گیا۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر محبت سے اسے دیکھ کر کچھ کہہ رہا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔

آنکھیں بند کیے لیٹی، اربش کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس کے گرم ہاتھوں کا لمس اپنے ہاتھ پہ محسوس کر سکتی تھی کہ اچانک اسے اپنے ہاتھ حسان کے ٹھنڈے ہاتھوں میں جکڑے محسوس ہوئے تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے لڑھک کر گالوں پہ پھسل گئے۔ یہ کیسی بے بسی تھی۔

☆......☆......☆

شام کے تقریباً سات بجے تھے اور بوٹیوں اور کبابوں سے پیٹ بھرنے کے بعد عورتیں ایک طرف بیٹھ کر غیبتیں کرنے میں مصروف تھیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ انہیں اپنے پسندیدہ مشغلے کی سنجیدگی اور اس گناہ کے انجام کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔ دوسری جانب آدمیوں میں سے کچھ مچھلیاں پکڑ رہے تھے تو کچھ بزنس اور گاڑیوں کی باتیں کر رہے تھے۔

ایسے میں ان سب سے بہت دور، عبایا پہنی چار لڑکیاں سمندر کے کنارے ٹہل رہی تھیں۔

’’یار! چلو نہ پلیز مٹی کے پہاڑوں پہ چڑھ تو نہیں سکتے، ان کے پاس جا کر سیلفیز تو لے سکتے ہیں پھر وہاں سے گھوم کر واپس امی دغیرہ کے پاس چلے جائیں گے‘‘

نوال نے تھوڑے دور پھیلے مٹی کے پہاڑوں کی طرف اشارہ کر کے ان کے قریب جانے کے لیے ہلکی پھلکی

سی گزارش کی۔اریج اور فاطمہ تو مان گئیں البتہ نور نے صاف انکار کر دیا۔

”تم لوگ جاؤ میں ادھر ہی ہوں۔میرا موڈ نہیں اس طرف جانے کا“

”سچ میں اس کے اندر کوئی بوڑھی روح آن بسی ہے“

فاطمہ نے جھنجھلا کر کہا۔

’دفعہ کرو اسے ہم ہی چلتے ہیں، میرا ابھی اس کے آگے منتیں کرنے کا کوئی موڈ نہیں‘‘

نوال منہ چڑا کر بولی اور اریج اور فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر ہنہ کرتی ہوئی چلی گئی۔

نور ہلکا سا مسکرائی پھر مٹی پہ رکھی بہت سی اینٹوں میں سے ایک اٹھا کر سمندر کے کنارے رکھی اور اس پہ بیٹھ گئی اور اپنی سوچوں میں گم شہادت کی انگلی سے ریت پہ ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچنے لگی۔

پانی کی بار بار ایک لہر آتی اور اس کے پیروں اور عبائے کو بھگو کر چلی جاتی لیکن وہ ہر چیز سے بے خبر نا جانے کیا سوچ رہی تھی۔

اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے، اس نے ہلکی سی گردن موڑ کے دیکھا اور ایک دم گڑ بڑا کر کھڑی ہوگئی۔

یقیناً وہ شخص حمدان ہی تھا جو اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے کھڑا سنجیدہ سا لگ رہا تھا۔

”یہاں اکیلے بیٹھ کر اپنے کیے گئے فیصلے پر سوگ منا رہی ہو؟“

اس نے اطراف کا جائزہ لے کر بڑے آرام سے اسے دیکھ کر کہا۔

”میں نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا جس پر مجھے سوگ منانا پڑے“

نور، قدرے سنبھل کر سنجیدگی سے بولی۔وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

وہ، اس کی بات پر طنزیہ سا مسکرایا

”کتنا جھوٹ بولتی ہو تم یار!“

”میں جھوٹ نہیں بول رہی“

نور نے اس کی طرف دیکھ کر تیز مگر دھیمے لہجے میں کہا۔

''ایک اور جھوٹ، گریٹ''

حمدان نے اپنی دونوں ابرو اٹھا کر اسے اس کے جھوٹ پہ جھوٹی داد دی۔

(نور نے سچ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ جانے کا ایک غلط فیصلہ کیا تھا)

''آپ چاہتے کیا ہیں؟''

وہ ایک دم جھنجھلا کر بولی۔

''میں تمہیں چاہتا ہوں''

حمدان کا جواب اتنا جلد اور اتنا غیر متوقعہ تھا کہ نور بے اختیار اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ایک لمحے کو آس پاس کی تمام آوازیں تھم گئیں۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

کیا نہ تھا اس شخص کی آنکھوں میں، اس جملے میں۔

نور نے گھبرا کر نظریں چرالیں، چاروں طرف پھیلا سحر اچانک ٹوٹا اور وہ واپس ہوش کی دنیا میں خود کو گھسیٹ لائی۔

''ہمارے بیچ کبھی ایسا کچھ بھی نہیں تھا، میں نے آپ سے کبھی ساتھ رہنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی کبھی اظہار کیا اس لیے جو ہو رہا ہے اسے جتنی جلدی قبول کر لیا جائے اتنا ہی اچھا ہے''

نور نے اپنے لہجے اور الفاظ مضبوط بنانے کی ناکام کوشش کی لیکن اس کی زبان پھر بھی لڑکھڑا گئی تھی۔

حمدان کو اس کی بات قدرے ناگوار گزری مگر پھر بھی اس نے اپنی سی کوشش کی اور ہلکا سا نور کی طرف جھکا

''صرف زبان ہی کا اظہار نہیں تھا لیکن تمہاری آنکھیں تو اظہار کرتے نہ تھکتی تھیں۔

جب ہمارے درمیان کچھ بھی نہیں تھا تو کیوں تم میرے ساتھ اس طرح مذاق نہیں کرتی تھیں جس طرح نوال اور فاطمہ کرتی ہیں؟ کیوں تم مجھے آپ کہہ کر مخاطب کرتی ہو؟ اور کیوں مجھ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرسکتیں؟ کیوں میرے سامنے تمہارا چہرہ سرخ پڑ جاتا ہے؟ بس زبان سے ہی اظہار نہیں کیا تم نے۔۔۔مگر اب میں چاہتا ہوں کہ تم صرف ایک بار یہ کہہ دو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔

بس ایک بار مجھے بتا دو کہ تم کس وجہ سے کسی اور سے شادی کر رہی ہو، کس بات کا ڈر ہے مجھے بتا دو یار! مجھ پہ

بھروسہ تو کر کے دیکھو۔ میں وعدہ کرتا ہوں، تمہیں کسی کے آگے رسوا نہیں کرونگا۔ میں سب کچھ سنبھال لونگا، تمہارا نام تک نہیں آنے دونگا۔

میں بس تمہارا ساتھ، تمہاری رضامندی چاہتا ہوں۔ تم سے فقط سچ سننا چاہتا ہوں، میرا یقین کرو"

اس نے اپنا دل کھول کر نور کے آگے رکھ دیا تھا، اپنا سارا ایگو سب کچھ بھلا کر وہ اس سے گزارش کر رہا تھا۔ آخری بھرپور کوشش کہ جس کے بعد اسے ہاں یا نہ میں ہی جواب چاہیے تھا۔

نور کی آنکھیں مزید جھک گئیں، چہرہ جلتے چراغ کی طرح ٹمٹمانے لگا، اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ وہاں سے غائب ہو جاتی، وہ ایک نظر اٹھا کر بھی اگر اس کی آنکھوں میں دیکھ لیتی تو شاید اب کی بار اسے پگھل ہی جانا تھا مگر وہ ایسا بالکل بھی نہیں چاہتی تھی۔ اپنے فیصلے پہ کمزور نہیں پڑنا تھا اسے۔

لمحے بھر کی خاموشی کے بعد وہ بولی تو بس اتنا

"آپ یہ سب کہہ کر مجھے تکلیف دے رہے ہیں"

"میں تکلیف دے رہا ہوں تمہیں، سیریسلی ؟"

حمدان نے پہلے تو حیرانی سے اسے دیکھ کر کہا لیکن پھر اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔

"میں جو کب سے بکواس کر رہا تھا، وہ تمہارے لیے تکلیف کا باعث بن رہا تھا؟

ٹھیک ہے۔۔۔۔

آج کے بعد اب تم سے بات تو کیا، اپنی شکل بھی تمہیں نہیں دکھاؤں گا۔ پھر حساب لگاتی رہنا کہ تمہاری تکلیف میں کتنی کمی ہوئی۔

جو کرنا ہے کرو، جیسا چل رہا ہے چلنے دو۔ اب سے مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں"

اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا اور ایک تیز، شکوہ کناں نظر نور کے سرخ پڑتے چہرے پہ ڈال کر پلٹ گیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا، اس سے دور ہوتا گیا

اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھے گئی۔۔

اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا آن پھنسا تھا۔ آنکھیں برسنے کو تیار تھیں لیکن 'آہ۔۔' یہ دنیا کے لوگ اور ان

کے سوالات۔

وہ اپنے تمام آنسو پی کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

رخسار کو رداء کی نانی کے گھر تقریبا دو دن گزر چکے تھے اور دو دن کے انتظار کے بعد آخر کار برف باری ہو ہی گئی تھی۔

رخسار ہاتھوں میں دستانے چڑھائے، سر پہ اونی ٹوپی اور لمبا سا گرم کوٹ پہنے ردا کے ساتھ پارک میں گھوم رہی تھی۔اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ کچھ تو باہر کے موسم کی بدولت اور کچھ اندر کے موسم کا کمال تھا(میں مس کروں گا تمہارے ہاتھ کا کھانا) یہ الفاظ وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔

بس ایک جملہ ہی کسی کا، کسی کی دل کی دنیا بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

''پتا ہے رداء؟ میں نے ایسی برف باری اپنی آنکھوں سے پہلی بار دیکھی ہے''

رخسار نے چہرے کو آسمان کی طرف اٹھا کر برف کو محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔اس کے گال ٹھنڈ سے لال ہو رہے تھے۔مگر وہ پھر بھی پورے دن اس موسم میں باہر گھومنے کو تیار تھی۔

''کیوں پاکستان میں کبھی نہیں دیکھی؟''

رداء نے حیرانگی سے اس سے پوچھا۔

''میں کراچی میں رہتی ہوں۔وہاں تو پوری طرح ٹھنڈ بھی نہیں پڑتی اور شمالی علاقوں میں کبھی جانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا''

''اوہ اچھا۔''

کچھ دیر خاموشی سے ٹہلنے کے بعد رخسار نے ایک بار پھر رداء کو مخاطب کیا۔

''تمہیں پتا ہے یہ سفید روئی جیسی برف مجھے بالکل ونیلا آئسکریم جیسی لگتی ہے دل کرتا ہے کھا جاؤں''

''تو پھر یہ لو، کھاؤ''

رداء نے اچانک مٹھی بھر کے برف رخسار کے منہ پہ پھینکی۔وہ بوکھلا کر ایسے پیچھے ہٹی جیسے اس کے منہ پر ٹھنڈا

ٹھار پانی پھینک دیا ہو۔

''رداء کی بچی اب تم نہیں بچو گی''

رخسار بھی برف کا گولا لے کر اس کے پیچھے دوڑی۔

دونوں ایک دوسرے پر گولا باری کرنے لگیں۔آس پاس گھومتے لوگ مڑ مڑ کر ان دونوں کی اس بچکانہ حرکت کو دیکھ لطف اندوز ہو رہے تھے۔

چند لمحوں کو وہ دونوں سب کچھ بھول چکی تھیں کہ لوگ انہیں دیکھ رہے ہیں۔بس بچوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں، برف پہ گرتی پڑتی وہ دونوں نا جانے کتنے لمحوں تک برف میں لوٹ پوٹ ہوتی رہیں۔

''بس۔۔یار! میں تھک گئی۔آئی کویٹ''

رداء پھولے سانس کے ساتھ بینچ پہ بیٹھ گئی۔رخسار بھی اس کے ساتھ دھب سے بیٹھی اور پھولے تنفس کے ساتھ وہ بے اختیار ہنسے بھی جا رہی تھی۔

''تم بہت سویٹ ہو رخسار!''

رداء نے زور سے اس کا گال کھینچ کر کہا۔

''رخسار جواب میں ہلکا سا ہنسی''

''تمہیں پتا ہے کیا؟''

''کیا''

''چھوڑو، نہیں بتاتی''

''اب تو تمہیں بتانا پڑے گا''

''اب اتنا فورس کر رہی ہو تو بتا ہی دیتی ہوں''

رداء نے کندھے اچکائے

''میری نانو اور امی نے تمہیں میرے بھائی کے لیے پسند کر لیا ہے''

''کیا۔۔۔''

رخسار کو ایک زور کا جھٹکا لگا اور وہ آنکھیں پھاڑ کر رداء کی شکل دیکھنے لگی جو مزے سے کہے جا رہی تھی۔

''تمہارے آنٹی آنکل سے بات کریں گے جب پیپرز ختم ہو جائیں گے''

''رداء! فضول مذاق مت کرو یار۔ مجھے نہیں کرنی تمہارے بھائی سے کوئی شادی وادی۔ توبہ، استغفراللہ''

رخسار ایک دم بگڑ کے بولی۔

''اف اوہ۔ تم تو کانوں کو اس طرح ہاتھ لگا رہی ہو کہ جیسے میں نے کوئی گناہ والی بات کر دی ہو۔

سچ بتاؤ تم کہیں اور انوالو تو نہیں ہو مطلب کسی سے محبت تو نہیں کر بیٹھی؟''

رداء نے مشکوک لہجے میں اس سے پوچھا

رخسار کی آنکھوں کے سامنے فوراً نیلی آنکھوں والے لڑکے کا چہرہ لہرایا۔

اس نے تھوک نگل کر بے اختیار پہلو بدلا اور نارمل سے انداز میں بولی۔

''نہیں۔۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں ہے''

''تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ کیا میرا بھائی پسند نہیں آیا''

''میں نے تو تمہارے بھائی کو دیکھا تک نہیں اور تم مجھ سے میری پسند بھی پوچھنے لگیں''

''حد ہو گئی۔ میرا بھائی اتنی دیر تک ہمیں سی اوف کرنے کے لیے دروازے پہ کھڑا رہا اور تم نے ایک نظر بھی نہ دیکھا اسے۔۔۔ تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تم جس پہ ایک نظر بھی ڈالنا گناہ سمجھتی ہو، وہ تمہارے پیچھے پاگل ہو جاتا ہے'' رداء کے منہ میں جو آ رہا تھا وہ کہے چلی جا رہی تھی۔

''مجھے نا ابھی تم پاگل لگ رہی ہو۔ پتا نہیں کیا بولے جا رہی ہو۔ کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے کیا مقاصد ہیں زندگی میں''

رخسار اس کے بھائی والے ٹاپک سے جان چھڑانا چاہتی تھی اس لیے فوراً سے بات بدل دی۔

''کیا پوچھ لیا تم نے بھی یار!''

رداء نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی آہ بھری

''میں نا یہ چاہتی ہوں کہ میرے کرشز کی جو لسٹ ہے، ان کے ساتھ کبھی ڈنر کروں یا ان میں سے کسی ایک

سے شادی'' رداء چہک کے بولی۔

''اچھا۔۔۔تو کون ہیں وہ عظیم لوگ جن پر تمہیں کرش ہے''

رخسار نے اس کی بات کا لطف لیتے ہوئے کہا۔

''بہت لمبی لسٹ ہے۔ پہلے نمبر پہ تو لیونارڈو ڈیکیپریو پھر ہیری پوٹر، جونی ڈیپ، زین ملک ،فواد خان، علی ظفر، ہماری یونی کا فٹ بال چیمپئن ،ڈریک، بہزاد ہمایوں۔۔۔۔' وہ نام لیے جارہی تھی لیکن رخسار کی سوئی ایک ہی نام پر اٹک کے رہ گئی۔

''بہزاد ہمایوں کون؟''

اس نے رداء کی بات کاٹ کر سرسری سے انداز میں پوچھا۔

''بہزاد ہمارا سینئر۔ میرے بھائی کی کلاس میں ہے۔اس کا فرینڈ ہے۔جب میرا یہاں ایڈمیشن نہیں ہوا تھا تو میں ایک دفعہ یونی کے کنسرٹ میں گئی تھی بھائی کے ساتھ اور جب میں نے اسے وہاں گانا گاتے سنا تو میں تو اس کی آواز اور پرسنالٹی کی فین ہی ہوگئی لیکن وہ بھی کسی لڑکی سے فری نہیں ہوتا،اپنے دوست کی بہن سے بھی نہیں'' رداء نے ہاتھ مسل کر ہلکا پھلکا سا افسوس کیا۔خیر اب جو کنسرٹ ہوگا اس میں اگر تم چلنا چاہو تو۔۔ویسے وہ جگہ تمہیں سوٹ نہیں کرے گی پہلے ہی بتا دوں پھر نہ کہنا کہ خبر نہ ہوئی''

(اوہ تو وہ موصوف سنگر بھی ہیں۔اگر اس ہینڈسم سنگر کا پول کھول دوں تو کتنا مزا آئے) رخسار یہ سوچ کر دل ہی دل میں مسکرائی۔

''کہاں کھو گئی''

رداء نے اس کے بازو پہ چٹکی کاٹی تو وہ ایک دم چونکی

''ادھر ہی ہوں بھئی''

اس نے اپنا بازو سہلا کر کہا

''تم بتاؤ تمہارا کوئی کرش ہے کیا۔۔ھم''

رداء نے اس کے شانے سے شانا ٹکرا کر شریر سے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے ایکٹرز وغیرہ کی ایکٹنگ اچھی لگتی ہے۔ کتابوں میں جو ہیروز ہوتے ہیں انہیں پڑھنا اچھا لگتا ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کبھی کسی پہ کرش نہیں ہوا۔

میرے مطابق یہ جو اداکار ہوتے ہیں، وہ وہی اداکاری کرتے ہیں جو اسکرپٹ میں لکھی ہوتی ہیں کیونکہ یہ ان کا کام ہے اور ان کی اصل زندگی ان سب سے بالکل مختلف ہوتی ہے مگر ہم ریل زندگی میں بھی پھر انہیں ویسا ہی دیکھنا چاہتے ہیں جیسا کہ وہ ڈراموں میں دکھتے ہیں اور کبھی غلطی سے بھی ان کی پرسنل لائف کا کوئی اسکینڈل سامنے آجائے تو گالیاں اور تنقید کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور اسی طرح کتابوں میں ہیروز کو پرفیکٹ لکھا جاتا ہے جس کا مقصد صرف ہمیں اینٹرٹین کرنا یا کوئی سبق دینا ہوتا ہے لیکن ہم سارے سبق چھوڑ کر پاگل ہوتے ہیں تو صرف ان کی پرفیکٹ پرسنالٹی کے پیچھے جس کا اصل میں کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔

عام انسان بالکل پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہوتی ہے جو اس کے ساتھ رہنے والے کو ہی پتا ہوتی ہے۔ قبر کا حال مردہ ہی جانتا ہے۔ ہمیں لوگوں کو ان کے کاموں پر سراہنا چاہیے، تعریف کرنی چاہیے لیکن سر پہ سوار نہیں کرنا چاہیے" رخسار نے بڑی سادگی سے کندھے اچکا اچکا کر لمبا چوڑا لیکچر ہی دے ڈالا۔

"واہ کیا کہنے آپ کے۔ میرا دماغ ہی گھما دیا تم نے تو"

رداء نے دو تالیاں بجا کر مصنوعی سنجیدگی سے اسے داد دی۔ پلے، البتہ ابھی بھی کچھ نہیں پڑا تھا۔

"اچھا یہ دیکھو"

رداء نے فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔

"یہ کون ہے؟"

"میرا بھائی"

"اف۔۔ مجھے نہیں دیکھنا تمہارے بھائی کو"

رخسار نے بےزاری سے فون کو پرے کیا۔

"کیوں، شرم آرہی ہے؟"

"ردا میں جا رہی ہوں"

رخسار نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئی اور رخسار کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے مناتی ہوئی اور تنگ کرتی ہوئی اس کے ہمراہ چل دی۔

☆......☆......☆

اب بھی یہی خیال ہے، وہ لوٹ آئے گا
میں یونہی بدگمان ہوں، وہ لوٹ آئے گا
یہ فاصلے ہوئے ہیں جو، لوگوں کا کھیل تھا
یہ کھیل وہ سمجھ گیا، وہ لوٹ آئے گا

اربش نے فجر کی نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز بچھائی ہی تھی کہ اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک ہوئی، اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ چوکھٹ پہ فیصل بھائی کھڑے تھے۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے اربش!''

چہرے پہ ان کے سنجیدگی چھائی تھی۔

اربش کو ان کا لہجہ کچھ کھٹکا۔

''ج۔۔جی''

''میں آج حاشر کے گھر گیا تھا''

وہی سنجیدہ ٹھنڈے لہجے میں انھوں نے کہا لیکن اربش کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

''وہ گھر میں نہیں تھا تو میں نے وہاں کچھ لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو پتہ مجھے یہ لگا کہ وہ آج ہی کہیں سے گھوم کر گھر آیا ہے اور۔۔'

وہ ایک لمحے کو خاموش ہو کر اربش کی فق پڑتی شکل دیکھنے لگے جو دم سادھے انہی کو دیکھ اور سن رہی تھی۔

''اور میں یہ جانتا ہوں کہ تم دونوں کا آپس میں کوئی جھگڑا ہوا ہے۔ میں صرف اور صرف دو دن اس کی کال یا اس کے یہاں آ کر تمہیں لے جانے کا انتظار کروں گا۔ اگر وہ ان دو دنوں میں تمہیں لینے آ گیا تو میں اس سے یا تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر مجبوراً مجھے تم لوگوں کے پرسنل میٹر میں انوالو ہونا پڑے گا

۔۔کیونکہ بیٹیاں کتنی بھی محبوب کیوں نہ ہوں شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں آباد ہی اچھی لگتی ہیں“

وہ اپنی بات کہہ کر اربش سے کچھ بھی سنے بغیر چلے گئے۔

ایک دم سے اربش کی آنکھوں کے کٹورے لبالب بھر گئے لیکن وہ ضبط کر کے نماز پڑھنے لگی۔

نماز کے بعد جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ایک بار پھر اسے رونا آنے لگا اور وہ گڑگڑا کر وہی اپنے مخصوص انداز میں دعا کرنے لگی جس طرح سے وہ بچپن سے کرتی آرہی تھی۔ بے ترتیب سی دعا لیکن اس کا یقین پکا تھا کہ اس کی دعائیں ضرور سنی جائیں گی اور اللہ پر یہ یقین ہی اسے مشکلوں سے نکالتا رہا تھا اور یہی یقین مشکلوں سے نکالنے کے لیے کافی ہے۔

”اللہ تعالیٰ! پلیز میری مدد کریں۔ میں جانتی ہوں اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں نے جان کر کچھ نہیں کیا۔ کچھ ایسا کردیں کہ حاشر کو سچ پتا چل جائے اور وہ مجھے جلد سے جلد لینے آجائیں۔ میں میں وعدہ کرتی ہوں کہ ان سے یا کسی سے کوئی شکوہ نہیں کروں گی۔ سب ٹھیک کردیں اللہ تعالیٰ! پلیز سب ٹھیک کردیں“

☆......☆......☆

حاشر، اپنے دوستوں کے ساتھ گھوم پھر کر جب واپس گھر آیا تو وہ تروتازہ لگنے کے بجائے مزید بے زار اور تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی معمول کی طرح اس کی نظر سامنے پڑے صوفے پر گئی جس پر بیٹھ کر اربش اس کا انتظار کرتی تھی اور اسے مسکراتا دیکھ حاشر، اپنی ساری تھکن بھول جاتا تھا۔

آج نا جانے کیوں وہ اسے شدت سے یاد آئی۔ وہ اپنا بیگ ایک طرف پھینک کر صوفے پر گر سا گیا اور دو انگلیوں سے اپنی کنپٹی مسلنے لگا۔

”اگر وہ سچ میں مجھے دھوکہ دے رہی تھی تو اب تک وہ، یا اس کے گھر والے کوئی تو بڑا ایکشن لیتے یا کم سے کم میرے دل و دماغ سے تو اسے اتر جانا چاہیے تھا۔ میں نے تو سنا تھا کہ دھوکے باز انسان آپ کی زندگی سے چلا جائے تو زندگی میں سکون آجاتا ہے لیکن میرا کیوں ڈپریشن دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے؟ کیوں میں خود کو گناہ گار سا محسوس کررہا ہوں؟ کسی پل بھی چین کیوں نہیں آتا“

وہ آج کھل کر اپنے آپ سے سوال پہ سوال کر رہا تھا۔

''میرا دل نہیں مانتا کہ وہ غلط ہے۔اس نے محبت کے بدلے ہمیشہ محبت دی مجھے۔میں جب بھی اس کے قریب گیا تو کبھی مجھے یہ احساس نہ ہوا کہ وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔کچھ بھی تو مشکوک نہیں تھا تو پھر کیوں حسان نے اس دن ایسی حرکت کی اور اربش۔۔۔وہ مجھ سے چیخ چیخ کر کیوں کہہ رہی تھی کہ آپ تو سب جانتے ہیں، آپ کو فریحہ نے وہ خط دیا، نہیں دیا وغیرہ

کیا جانتا ہوں میں؟اور فریحہ کے پاس۔۔۔

ایک دم حاشر کے دماغ میں جھما کا سا ہوا

''فریحہ۔۔شاید وہ کچھ جانتی ہے''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر تیز قدموں سے باہر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

رخسار کو واپس بہزاد ہاؤس آئے ہوئے پانچ دن گزر چکے تھے اور ٹھنڈ بھی مزید بڑھ گئی تھی۔وہ کراچی کی لڑکی تو شاید اس سردی میں ٹھٹھر کے مر ہی جاتی مگر بھلا ہو ہیٹر کا جو گھر کا موسم نارمل کیے ہوئے تھا۔

ایسے میں رخسار کچن میں سویٹر پہنے کھڑی کچھ گنگناتی ہوئی اپنے لیے سوپ بنا رہی تھی۔بہزاد تو آدھا دن باہر ہی رہتا تھا اس لیے رخسار نے صرف ایک پیالہ سوپ ہی بنایا تھا۔

سوپ کی مزیدار خوشبو پورے کچن میں پھیلی ہوئی تھی اور سوپ کی صرف شکل ہی منہ میں پانی لانے کے لیے کافی تھی۔رخسار گرم گرم پیالہ لیے کچن سے باہر آئی اور ڈائننگ ٹیبل پہ رکھ کر اپنے کمرے سے پڑھنے کے لیے کتاب لینے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ اپنی دھن میں چلتی واپس آئی تو ایک دم ٹھٹھک کے رکی

'ارے یہ کیا۔۔'اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں

بہزاد بڑے مزے سے بیٹھ کر اس کے اپنے لیے بنائے گئے سوپ کے ساتھ انصاف کر رہا تھا۔

رخسار نے اس کو غلط وقت پر گھر آ جانے کے لیے دل ہی دل میں کوسا پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس

کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور مسکین صورت بنا کر اسے دیکھنے لگی۔

بہزاد کی نظر اس پہ پڑی تو وہ چمچ چھوڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا یہ تم نے صرف اپنے لیے بنایا ہے؟''

رخسار نے اس کے سوال پر کسی روبوٹ کی طرح اثبات میں سر ہلایا۔

بہزاد نے مزید کچھ کہے بغیر ایک گہری سانس لی اور پیالہ اس کی طرف کھسکا دیا جسے رخسار نے اور اپنے سے قریب کر لیا (جب پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہوں' تو ارے نہیں آپ کھا لیں میں اپنے لیے اور بنا لونگی' والی فارمیلٹی ہوا ہو جاتی ہے اور ویسے بھی وہ تو باہر سے کھا کر آیا تھا)

یہی سوچ کر رخسار سوپ حلق سے اتارتی رہی اور چور نظروں سے سامنے بیٹھے فون میں مگن بہزاد کو بھی دیکھتی رہی۔ بہزاد کو وہاں ٹک کر بیٹھا دیکھ، رخسار کا سوپ پینا محال ہونے لگا۔

''کتنی بری بات ہے رخسار! تم اخلاقاً ہی پوچھ لیتیں کہ، آپ سوپ پیں گے؟ کونسا انھوں نے ہاں کر دینی تھی۔ ابھی پوچھوں؟ لیکن کیسے؟ چھوڑو اب کیا فائدہ، تمہیں پہلے ہی پوچھ لینا چاہیے تھا''

وہ اسی سوچوں میں گم تھی کہ بہزاد اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹیبل پہ ہاتھ رکھ کر اچانک رخسار کی جانب جھکا۔

وہ بے ساختہ پیچھے ہٹی۔

بہزاد اپنی نیلی جادوئی آنکھوں سے پتا نہیں کیوں اسے عجیب نظروں سے گھورنے لگا تھا۔ اس کی سوئی سوئی سی آنکھوں میں سرخ کرچیاں پڑی تھیں۔

رخسار کی آنکھیں اس کی آنکھوں سے ملی اور اس کا دل ایک دم بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔

جسم کا سارا خون اس کے چہرے پہ آ گیا۔ بس ایک ہی نظر اس کے پورے وجود میں ہل چل سی مچا گئی تھی۔

چند سیکنڈ یونہی دیکھنے کے بعد بہزاد نے اپنے لب کھولے۔

''چمچ بھر کے سوپ میرے منہ میں انڈیل دو۔ میں سونے جا رہا ہوں''

''جی۔۔۔؟'' بے اختیار رخسار کے منہ سے نکلا۔

''اگر نہیں شیئر کرنا چاہتی ہو تو کوئی بات نہیں''

’’نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا‘‘

وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

’’تو پھر کیا مطلب تھا اس ’جی۔۔۔‘ کا‘‘ بہزاد اسے مزید کنفیوز کرنے لگا۔

(اف۔۔ابھی میں پوچھوں کہ ان نظروں کا کیا مطلب ہے) رخسار نے دل میں سوچا لیکن کچھ بھی کہے بغیر اسنے سوپ سے بھرا چمچ بہزاد کی طرف بڑھایا۔

ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے چمچ سے ذرا سا سوپ چھلک کر ٹیبل پہ بھی جا گرا۔

رخسار کا دل اس زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ دھک دھک کی آواز وہ اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی

بہزاد نے جھک کر اس کے ہاتھ سے سوپ پیا پھر منہ کو شرٹ کی آستین سے صاف کرتے ہوئے ایک مسکراتی نظر اس کے چہرے پہ ڈالی اور چلا گیا۔

رخسار نے اس کے جاتے ہی اپنی رکی ہوئی سانس کو بحال کیا اور اپنے گلابی پڑتے گال پہ آئی ہوئی لٹ کو لرزتی انگلیوں سے کان کے پیچھے اڑسا۔

(یہ شخص بالکل بھی ٹھیک آدمی نہیں ہے رخسار! ایک طرف کہتا ہے کہ تم میری پسند نہیں اور دوسری طرف اپنی آنکھوں سے کالا جادو کر کے مجھے اپنے قابو میں کر رہا ہے۔ میری توبہ۔۔۔اب اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھوں گی) رخسار نے بڑی سنجیدگی سے سوچ کر چہرہ سوپ کے پیالے پہ جھکا لیا لیکن اچانک ایک بدتمیز سی مسکراہٹ حسین پھولوں کے باغ سے اڑتی ہوئی بنا اس سے اجازت لیے اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

اسے اپنا آپ ایک پرندے جیسا لگ رہا تھا جس کے شکاری کو ایسا فن یا جادو آتا ہے جس سے وہ اپنے شکار کو ایسی نادیدہ قید میں جکڑ لیتا ہے جس سے بظاہر تو پرندہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ آزاد ہے لیکن اصل میں وہ اس قدر خطرناک قید میں ہوتا ہے کہ وہ خود بہ خود پوری دنیا گھومنے کے بعد بھی آخر میں اسی قید میں آجاتا ہے ،اپنی مرضی سے اور اس سے نکلنا ناممکنات میں سے ہوتا ہے کیونکہ اس جال کا اندازہ خود پرندے کو بھی نہیں ہوتا اور اس جادوئی قید کا نام ہے۔۔۔م ح ب ت

☆......☆......☆

ابھی پہلی محبت کے۔۔۔

بہت سے قرض باقی ہیں۔۔۔

ابھی پہلی مسافت کی۔۔۔

تھکن سے چور ہیں پاؤں۔۔۔

ابھی پہلی رفاقت کا۔۔۔

ہر ایک گھاؤ سلامت ہے۔۔۔

ابھی مقتول خوابوں کو بھی دفنا نہیں ہم نے۔۔۔

ابھی آنکھیں ہیں عدت میں۔۔۔

ابھی یہ سوگ کے دن ہیں۔۔۔

ابھی اس کرب کی کیفیت سے باہر کیسے آجائیں۔۔۔

ابھی اس زخم کو بھرنے دو۔۔۔

ابھی کچھ دن گزرنے دو۔۔۔

یہ غم کے نیلگوں دریا۔۔۔

اتر جائیں تو سوچیں گے۔۔۔

ابھی یہ درد تازہ ہے۔۔۔

سنبھل جائیں تو سوچیں گے۔۔۔

ابھی یہ زخم رستے ہیں۔۔۔

یہ بھر جائیں تو سوچیں گے۔۔۔

دوبارہ کب اجڑنا ہے۔۔۔

حمدان اپنی بڑی بہن میاسہ کے گھر کینیڈا آیا ہوا تھا۔ ویسے تو وہ اس سے ملنے آتا ہی رہتا تھا لیکن اس دفعہ وہ کافی لمبے عرصے کے لیے وہاں ٹھہر گیا تھا جس کی ایک وجہ بھی تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ میاسہ کے دونوں بچے اسکول میں تھے، شوہر آفس میں اور وہ خود کچن میں تھی، جب کہ حمدان ٹراؤزر اور رف سی ٹی شرٹ میں ملبوس، ڈرائنگ روم کے صوفے پر خاموش بیٹھا دیوار پہ لگی پینٹنگ کو گھور رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کا سرخی اور چہرے کی اڑی رنگت سے یہ صاف واضح تھا کہ وہ کئی راتیں آنکھوں میں ہی کاٹ چکا ہے۔

اچانک کسی چیز کی آہٹ پر اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

میاسہ چائے کے کپوں کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی اور ٹرے ٹیبل پہ رکھ کر حمدان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''کتنی بری بات ہے حمدان! تمہاری دوست پلس کزن کی ایک ہفتے بعد شادی ہے اور تم یہاں دو ہفتے گزارنے آ گئے ہو''

حمدان نے ان کی بات پر بے ساختہ اپنی مٹھیاں بھینچ لیں، آنکھوں میں تکلیف سی ابھری لیکن وہ ضبط کر کے ان کو سنتا رہا۔

''اس کی شادی کے بعد ٹکٹ کروا لیتے تو کیا ہو جاتا؟ اس کے نکاح کے ہونے سے پہلے تم یہاں آ گئے، چلو کوئی بات نہیں لیکن ایٹ لیسٹ شادی میں تو تمہیں ہونا چاہیے۔

میرا بھی اتنا دل تھا جانے کا لیکن بچوں کے اسکول کی وجہ سے نہیں جا سکی لیکن تم تو جا ہی سکتے ہو''

''میرے جانے یا نہ جانے سے کچھ نہیں بدلے گا۔

وہاں اور بھی لوگ ہیں ہمارے خاندان کے اس کی شادی میں شریک ہونے کے لیے۔ ہوتی ہی رہتی ہیں شادیاں اب ہر شادی میں تو میں جانے سے رہا۔ میرا جانا اتنا ضروری نہیں ہے''

حمدان نے اپنی طرف سے کافی سنبھلے ہوئے انداز میں کہا، لیکن اس کے لہجے میں خود بہ خود کڑواہٹ شامل ہو ہی گئی جسے میاسہ نے فوراً بھانپ لیا

اور اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر جانچتی آنکھوں اور دھیمے لہجے میں اس سے پوچھا

''کیا بات ہے حمدان! جب سے آئے ہو نہ ٹھیک طرح سے بات کرتے ہو اور نہ ٹھیک سے کھانا کھا رہے

ہو۔

تم کچھ بے چین سے لگ رہے ہو، چہرہ بھی اتنا اترا ہوا ہے۔کوئی پریشانی یا مسئلہ تو درپیش نہیں؟"

حمدان نے ایک گہری سانس لی اور سادگی سے بولا

"جس مسئلے کو میں بچپن سے اپنا ذاتی مسئلہ سمجھتا آیا تھا اور اس کا عادی ہو چکا تھا، وہ مجھے بہت آسانی سے منہ چڑا کر کسی اور کا بن چکا ہے۔بس یہی مسئلہ ہے" (مسئلہ یعنی کے نور)

میاسہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"تم تو اتنے اداس لگ رہے ہو، مسئلے کے جانے پر کہ جیسے تمہاری محبوبہ کا نام مسئلہ ہو"

وہ ان کے اس جملے پہ پھیکا سا مسکرایا۔

کمرے میں کچھ لمحے خاموشی چھائی رہنے کے بعد میاسہ نے ایک بار پھر حمدان کو مخاطب کیا لیکن اب کی دفعہ وہ قدرے سنجیدہ تھی۔

"محبت کرتے ہوناں اس سے؟"

حمدان کا دل اس غیر متوقع سوال پہ زور سے دھڑکا اور اس نے میاسہ کو ایسے ہی دیکھا جیسے چور رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر پولیس کو دیکھتا ہے۔

وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی، منتظر سی

حمدان، فوراً نظریں چرا گیا اور سوال کا جواب دینے کے بجائے خاموشی سے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور ٹیبل پر رکھ دیا

"تو میرا شک صحیح نکلا تم محبت کرتے ہو اس سے"

"کیا فرق پڑتا ہے اب"

حمدان نے کندھے جھٹک کر بے زاری سے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر چارج پہ لگے فون کو ہاتھ میں تھام کر کھڑکی کے ساتھ بنی دیوار پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"تو تم نے ہم میں سے کسی کو بتایا کیوں نہیں؟"

''اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بھول جائیں سب''

اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا لیکن اس کے دل کی جو کیفیت تھی اسے یہ باہر والے نہیں جان سکتے تھے۔

میاسہ بھی اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹ کر افسوس سے اسے دیکھ کر کہا

''کوئی تو وجہ ہو گی تمہارے نہ بتانے کی۔ جب اس کی منگنی کی بات چل رہی تھی تب ہی تمہیں بھی کوئی ایکشن لینا چاہیے تھا۔ تم تب کیوں خاموش رہے؟''

''میں بس صحیح وقت کے انتظار میں تھا۔ وہ پڑھ رہی تھی اور میری پڑھائی بھی پچھلے سال ہی مکمل ہوئی ہے اور مجھے یہ امید تھی کہ اگر اس کے لیے کوئی پروپوزل آیا بھی تو وہ مجھے ضرور بتائے گی یا کوئی اشارہ ہی کر دے گی لیکن مجھے پتا بھی نہیں چلا اور اس نے منگنی کے لیے ہاں کر دی مگر اس کے بعد بھی میں اس سے یہ پوچھنے کی کوشش کرتا رہا ہے کہ آخر اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

میں آپ لوگوں کو بتاتا بھی تو آپ سب یہی کہتے کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے، ہم کسی کی منگنی تڑوانے کا گناہ نہیں کر سکتے اور فرض کریں آپ لوگ میرا پروپوزل لے بھی جاتے مگر نور انکار کر دیتی تو؟

سب کچھ یوں چٹکیوں میں ہوا کہ مجھے کچھ سوچنے، کچھ کرنے کا موقع بھی نہیں ملا''

وہ یہ سب کہتے ہوئے، اپنی صفائیاں پیش کرتے ہوئے ایک ہارا ہوا کھلاڑی لگ رہا تھا کہ جسے لوگ دلاسے دینے کے بجائے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ پوچھ رہے ہوں کہ آخر تم ہار کیسے گئے؟ تم تو فخر سے کہتے تھے کہ کوئی تمہیں ہرا نہیں سکتا۔

''بس اب بھاڑ میں ڈالیں ان سب باتوں کو۔ یہ سب آپ کے اور میرے بیچ ہی رہنا چاہیے اور۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ میری فکر نہ کریں بس اس بات کا دھیان رہے کہ کسی کے منہ پر میرا اور نور کا نام ایک ساتھ نہ آئے۔ اس کی شادی ہو چکی ہے''

میاسہ نے اس کی بات پر ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔

''ایک بات اور تم سے پوچھوں؟''

''پوچھیں''

"کتنی محبت کرتے ہو اس سے؟"

"اف۔۔۔میں نے کہا ناں، مجھے اب اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں کرنی"

حمدان نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔(کیسی بہن ہے۔اپنے ہی بھائی کے زخم کرید کرید کے اس پہ نمک مرچیں چھڑک کے جا رہی ہیں)

"مجھے اندازہ تو ہونا چاہیے نا۔جواب لیے بنا تو میں تمہاری جان نہیں چھوڑوں گی"

آج شاید وہ طے کر کے بیٹھی تھی حمدان کو جلانے کا۔

حمدان نے ایک خاموش نظر ان پہ ڈالی پھر تھکی تھکی سی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"جب بھی ہم اپنے بچپن سے جڑی کسی چیز کو دیکھتے ہیں یا سنتے ہیں جیسے کوئی نغمہ، کوئی کہانی، کوئی مانوس سی مہک، کچھ بھی تو ایک دم ہمارا دل بھر آتا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ واپس اپنے بچپن میں چلے جائیں،

اس عجیب افرا تفری والی زندگی سے، مطلبی اور دو چہرے والے لوگوں کی دنیا سے کچھ لمحے کے لیے ہی صحیح ہمیں کٹنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ وہ لمحہ کبھی ختم نہ ہو۔ایسا ہی ہے ناں؟

تو وہ جو نور ہے ناں، وہ میرا بچپن ہے، جسے میں اب تک جیتا آ رہا تھا۔

جس دن وہ مجھ سے کھو گئی اسی دن میرا بچپن بھی مجھ سے کھو گیا"

نہایت ضبط کے باوجود بھی اس کی آنکھ کا کنارہ بھیگ گیا تھا۔بے بسی سی بے بسی تھی۔

میاسہ نیا یک دم سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جو ہونا تھا ہو گیا۔اب کچھ نہیں ہو سکتا۔زندگی تو گزارنی ہی ہے۔اب چاہے کسی کے ساتھ بھی گزرے"

"زندگی گزارنے اور زندگی جینے میں بہت فرق ہوتا ہے"

حمدان نے چہرہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"حمدان!"

میاسہ نے بڑے پیار سے اس کا نام لیا

حمدان نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا کہ 'اب اور کیا پوچھنا چاہتی ہیں'

”تم شادی میں ضرور جاؤ گے“

”آپ اگر چاہتی ہیں کہ میں آپ کے گھر سے چلا جاؤں تو صاف کہہ دیں لیکن میں ۔۔اس کی شادی میں نہیں جاؤ نگا“

اس نے قطعی لہجے میں کہا (اتنی ہمت جو نہیں تھی)

”آخر تم خود کو کیوں اتنا ہلکان کر رہے ہو، کیا کمی ہے تمہارے لیے لڑکیوں کی؟ اتنی عورتیں ہمارے خاندان اور خاندان سے باہر کی، اپنی بیٹیوں سے تمہاری شادی کروانے کی خواہش مند ہیں“

میاسہ کے جملے پر حمدان کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا۔

اور وہ جذبات میں آ کر تیز لہجے میں بولا

”آپ کیا سمجھ رہی ہیں مجھے؟ دل پھینک؟ میں محبت کرتا ہوں نور سے، کوئی مذاق نہیں ہے اور چاہے آپ میرے سامنے خوبصورت سے خوبصورت لڑکی بھی لا کھڑی کریں تب بھی اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔

میں نے کتنا سنبھال کر رکھا اس رشتے کو۔نور سے ملنا تو دور، فون پر بھی اس سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا بلکہ اسے ایک میسج تک نہیں بھیجا آج تک ۔۔اور نہ ہی کبھی اس کا میسج آنے کی خواہش رکھی۔

اس محبت کو کبھی گندہ نہیں ہونے دیا کیونکہ میں اس سے شرعی رشتہ قائم کرنا چاہتا تھا، کسی بھی غلاظت اور گناہ سے پاک رشتہ۔

اگر مجھے فقط وقت گزاری کرنی ہوتی تو میں ہوس کے مارے لڑکوں کی طرح اپنے دماغ میں گند بھر کر کسی بھی چھوٹی، بڑی عمر کی لڑکی کو محبت کے جال میں پھانس کر، فون کالز، میسجز اور ہوٹلوں میں جا کر شیطانی اور انسانیت سے گری ہوئی حاکات کر سکتا تھا، کسی بھی حسین لڑکی کو دیکھ کر میں بھٹک سکتا تھا لیکن ۔۔۔میں کیا کروں کہ مجھے اس کی شکل و صورت سے نہیں بلکہ اس سے، اس کی روح سے محبت ہو گئی ہے، ورنہ میں اسے پانے کے لیے اتنے پاپڑ نہ بیلتا۔

میں اسے بہت چاہتا ہوں باجی! مجھے تو یہ تک گوارا نہیں تھا کہ اسے کوئی چھوئے بھی تو اب میں کیسے سکون کی سانس لوں کہ اب تو وہ کسی اور کی ہو چکی ہے“

وہ کسی ٹرانس میں بولے جارہا تھا۔

"آپ نہیں جانتی، میں کیسے اپنے خیالات اور سوچوں سے لڑ رہا ہوں۔ ارحم کے بارے میں دل میں ایسے ایسے خیالات پیدا ہو رہے ہیں کہ میں خود ان سے پریشان ہوں۔

میں پاگل ہو جاؤں گا ان سوچوں کو دماغ سے جھٹکتے جھٹکتے"

اس نے ایک دم اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

میاسہ نے اس کی حالت دیکھ کر میز پر پڑی پانی کی بوتل کو اس کے ہاتھ میں تھمایا جسے وہ ایک ہی سانس میں گھٹا گھٹ پی گیا۔

اس کے کچھ ہوش ٹھکانے آئے تو اسے بے خودی میں بہن کے سامنے کہے گئے الفاظ پر اپنا سر پیٹنے کا دل چاہا جو اسے تسلیاں دینے میں لگی ہوئی تھی۔

"سب ٹھیک ہے حمدان! ریلیکس"

حمدان نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا

"بس آپ مجھ پہ یہ احسان کریں کہ اب دوبارہ مجھ سے اس بارے میں بات نہیں کریں گی"

وہ التجائی لہجے میں کہہ کر ان سے نظریں ملائے بغیر وہاں سے جانے ہی لگا تھا کہ میاسہ نے اس کی مضبوط کلائی کو پکڑا اور ہلکا سا مسکرائی

"ارحم کا نکاح، نور سے نہیں بلکہ نوال سے ہوا ہے اور شادی نوال کی ہے، نور کی نہیں"

"کیا۔۔۔؟" اسے حیرت کا ایک زوردار جھٹکا ہی تو لگا تھا۔

☆......☆......☆

"نکاح سے دو دن پہلے اچانک رات میں نور، ماموں مامی کے کمرے میں گئی اور ایک دم ان کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نور کو اس طرح روتا دیکھ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جب اس سے پوچھنے لگے کہ وہ کیوں اس طرح رو رہی ہے تو بس وہ ہچکیوں کے درمیان یہی کہتی رہی کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی، مجھے آگے پڑھنے کے لیے

پاکستان جانا ہے ورنہ ایڈمیشن کینسل ہو جائے گا' وغیرہ وغیرہ"

حمدان دم سادھے میاسہ کو سن رہا تھا۔ اسے لگا کہ اگر وہ ایک لفظ بھی بولے گا تو کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے ،وہ اس خواب سے جاگ نہ جائے۔

"مامی نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ ابھی نکاح ہونے دو،شادی کی تاریخ آگے بڑھا دیں گے لیکن وہ ان کی ایک نہیں مان رہی تھی۔ بس یہی ضد کیے جا رہی تھی کہ اسے ابھی نکاح نہیں کرنا، وہ اس کے لیے تیار نہیں۔ روئے جا رہی تھی، گڑگڑانے لگی تھی۔

آخر کار بیٹی کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ماموں نے ارحم کے گھر والوں کو فون کر کے صورت حال سے آگاہ کیا تو آگے سے ان لوگوں نے کہا کہ وہ تو ابھی ہی اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتے ہیں اور آپ کا خاندان کافی بھلا ہے اگر آپ لوگ اور نوال چاہے۔۔۔ تو ہم نور کی جگہ نوال کو اپنی بہو بنا لیں گے،کونسا نور اور ارحم میں کوئی بات چیت ہوتی تھی۔ جب نوال سے اس بارے میں بات کی گئی تو اس نے بنا کسی احتجاج کے، اس رشتے کے لیے ہاں کر دی"

میاسہ نے خاموش ہو کر حمدان کو دیکھا جو بنا پلک جھپکائے انہی کو دیکھ رہا تھا۔ کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی لفظ نہ تھا۔

"نکاح کی صبح ہی نور کی ٹکٹ کر کے اس کو کراچی اس کی خالہ کے گھر بھیج دیا اور شاید نوال کی شادی میں بھی وہ نہیں آسکے گی ایڈمیشن اور پڑھائی کی وجہ سے۔ ماموں ناراض ہیں اس سے کہ اس نے ان کی نافرمانی کیسے کر دی ۔جب اسے ابھی شادی کرنی ہی نہیں تھی تو رشتے کے لیے ہاں کیوں کی۔ وہ اس سے بات بھی نہیں کر رہے ہیں"

میاسہ قدرے افسوس سے بتا رہی تھی۔

"کتنی عجیب بات ہے ہم انسانوں میں کہ جب تک کوئی ہمارے حکم پہ سر ہلاتا رہے، ہماری فرمانبرداری کرتا رہے تب تک ہمیں کوئی احساس یا کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن وہی شخص کبھی سے اپنی من مانی کر جائے تو ہم اس کے پچھلے تمام کاموں کو آگ میں جھونک دیتے ہیں اور نظر آتی ہے تو بس اس کی وہی ایک غلطی، وہی ایک نافرمانی۔

ہزاروں نیلے نکتوں کے ہجوم میں نظر ٹھہرتی ہے تو فقط ایک لال نکتے پر۔

سچ کہوں تو مجھے بھی اس کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی تھی۔ بالکل بے معنی سی، لیکن اب۔۔ حقیقت کچھ واضح ہوئی ہے۔اس نے اپنی طرف سے بہت بڑا قدم اٹھالیا ہے حمدان !اب جو بھی کرنا ہوگا، تمہیں ہی کرنا ہوگا''

میاسہ نے اسے سمجھا کراس کا کندھا تھپ تھپایا اور چائے کے خالی کپ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

حمدان کتنے ہی لمحے وہاں خاموشی سے کھڑا رہا، پھر اپنی جلتی آنکھوں کو موندھ کر سر دیوار سے ٹکالیا

''تمہیں تو میں دیکھ لونگا نور احمر!''

☆......☆......☆

حاشر نے فریحہ کے گھر پہنچ کر باہر لگی گھنٹی بجائی تو فریحہ کے چھوٹے بھائی نے دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم'' اس نے حاشر کو پہچانتے ہی سلام کیا۔

حاشر نے مسکرا کر جواب دیا۔

''فریحہ گھر پہ ہے؟''

''جی۔گھر میں ہی ہیں۔آپ اندر تو آجائیں''

''نہیں۔۔پہلے فریحہ کو جا کر بتادو کہ میں آیا ہوں''

فریحہ کا بھائی سر ہلاتا ہوا اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد فریحہ خود اپنے بھائی کے ساتھ آتی دکھائی دی

''السلام علیکم، حاشر بھائی! کیسے ہیں آپ؟'' (اربش سے شادی کے بعد فریحہ نے حاشر کو'سر' کی جگہ بھائی کہنا شروع کردیا تھا)

''وعلیکم السلام!''

وہ جبرا مسکرا کر بس اتنا ہی کہہ سکا۔اپنا حال بے حال تو اسے بتانے سے رہا۔

''گھر کے اندر تو آجائیں۔اربش کہاں ہے؟''

فریحہ نے خوش دلی سے کہا اور دروازے سے باہر جھانک کر اربش کو ڈھونڈنے لگی۔اسے لگا کہ شاید وہ دونوں اس سے ملنے آئے ہیں۔

”وہ اپنے میکے میں ہے“

حاشر نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے گھر کے اندر قدم رکھا

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے“

”مجھ سے۔۔؟“

فریحہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔وہ لان میں لگی کرسی پہ ہی بیٹھ گیا تھا۔

”اربش کے سلسلے میں“

”سب ٹھیک تو ہے ناں آپ لوگوں کے درمیان“

فریحہ کو ایک دم فکر سی ہوئی۔

”کیا تم اربش کے ماضی کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟ تمہیں تو اس کے یونیورسٹی میں گم سم رہنے کی وجہ پتہ ہی ہوگی۔تمہاری بیسٹ فرینڈ جو ہے وہ“

”میں نے اس سے کئی دفعہ پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے کبھی بھی مجھے اپنے اس رویے کی اصل وجہ نہیں بتائی۔بس وہ یہ ہی کہتی تھی کہ اسے بتانے کی اجازت نہیں اور مجھے دوبارہ کوئی ایسا سوال کرنے سے ٹوک دیتی تھی اس لیے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ ہماری دوستی کو تو بس تین سال ہی ہوئے ہیں مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں مجھ سے؟ سب خیریت ہے ناں؟ اربش، تو ٹھیک ہے؟“

”تمہیں اربش نے مجھ تک پہچانے کے لیے کوئی خط دیا تھا؟“

حاشر نے یکسر اس کے سوال کو نظرانداز کر دیا تھا۔

”ح۔۔ہاں دیا تھا مگر۔۔۔“

اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔اس کی امی چائے لے کر لان میں آ چکی تھیں۔

حاشر نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کو سلام کیا۔انھوں نے مسکرا کر جواب دیا اور وہیں ایک کرسی کھینچ کر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

”اور بیٹا! کیسے ہو۔اربش کیسی ہے، وہ کیوں نہیں آئی؟“

”وہ دراصل اربش کے آنے کا ارادہ تھا لیکن مجھے ہی اسے لانے کا وقت نہیں ملا۔آپ لوگوں کے گھر کے پاس سے گزر رہا تھا تو یاد آیا کہ اربش نے مجھ سے کہا تھا کہ اس کے کوئی دستاویز فریحہ کے پاس سے لینے ہیں تو سوچا کہ وہی لیتا جاؤں“ حاشر نے انہیں تسلی بخش جواب دیا

پھراس نے فریحہ کو مخاطب کیا۔

”فریحہ! مجھے وہ لادو جلدی سے۔اب بس میں چلونگا ویسے ہی دیر ہو چکی ہے“

حاشر نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھ کر کہا

امی نے سوالیہ نظروں سے فریحہ کو دیکھا

”کونسے دستاویز بیٹا؟“

وہ جو خاموشی سے اٹھ کر جانے لگی تھی امی کہ سوال پر گڑ بڑائی۔

”وہ۔۔ہاں وہ امی! میں نے اور اربش نے کمپیوٹر کا کورس کیا تھا ناں تو اس کا سرٹیفکٹ میرے پاس ہی رہ گیا تھا۔اسی کو منگوایا ہے اربش نے“

”اچھا اچھا“ امی نے مطمئن ہو کر سر ہلا دیا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنے ہی کسی سرٹیفکٹ کے لفافے میں خط بھی ڈالا اور لان میں بیٹھے حاشر کو لا کر تھما دیا، جسے تھامتے ہی وہ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور فریحہ کی امی سے اجازت لے کر دروازے کی طرف بڑھا تو فریحہ بھی اس کے پیچھے دروازے تک آئی۔

”حاشر بھائی! مجھے غلط مت سمجھنا لیکن میں نے یہ خط صرف اسی لیے آپ تک نہیں پہنچایا تھا کہ کہی کوئی بات نہ بگڑ جائے۔میں یہ تو نہیں جانتی کہ آپ دونوں میں کیا مسئلہ ہوا ہے مگر پہلی بار اربش کو میں نے دل سے مسکراتا ہوا تبھی دیکھا تھا جب اس کا اور آپ کا رشتہ جڑا تھا۔وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔اسے کسی بھی وجہ سے چھوڑیے گا مت“ فریحہ کی بات پر وہ پھیکا سا مسکرایا۔

”میں محبت کرتا ہوں اس سے۔تمہاری دوست نے محبت کی جس قید میں مجھے جکڑے رکھا ہے، اس سے تو شاید مر کے ہی آزادی ملے گی۔تم فکر مت کرو سب کچھ ٹھیک ہے۔اب میں چلتا ہوں اللہ حافظ“

عارض اسے تسلی دے کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور زن سے آگے بڑھا دی۔
فریحہ بھی ذرا مطمئن ہو کر مسکرائی اور گاڑی کے گلی سے غائب ہوتے ہی اس نے گیٹ بند کر دیا۔

☆......☆......☆

گھر پہنچتے ہی حاشر نے کسی دوسرے کام کو خاطر میں لائے بغیر لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ کر سرٹیفکیٹ والے لفافے میں ہاتھ ڈالا اور دو انگلیوں سے ایک اور بند لفافے کو باہر نکالا۔ نیلی سیاہی سے لفافے کے اوپر حاشر کا نام لکھا تھا۔ وہ اربش کی لکھائی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اداسی سے مسکرا کر اس نے اپنے نام پر انگوٹھا پھیرا پھر لفافہ چاک کر کے خط نکالا اور اسے کھول کر دھڑکتے دل کے ساتھ پڑھنے لگا۔

”السلام اعلیکم، سر!

مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں۔

جب مجھے آپ کے بھیجے گئے پرپوزل کے بارے میں پتا لگا تو وہ میرے لیے ایک حیرت انگیز بات ثابت ہوئی۔ مجھے اس وقت بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کس ردعمل کا اظہار کروں۔ میں بہت خوش بھی ہوئی کہ آپ جیسے آئیڈل انسان کو پتا نہیں مجھ میں ایسا کیا دکھا کہ میرے لیے رشتہ ہی بھیج دیا لیکن ساتھ ہی مجھے یہ بات بھی ٹینشن دینے لگی کہ میں کس طرح نکاح سے پہلے آپ کو اپنے ماضی سے آگاہ کر سکوں کیونکہ میں پہلے دن سے یہ تہیہ کر چکی تھی کہ جس شخص کے ساتھ میرا نکاح طے ہو گا میں اسے اپنے گزرے دنوں کے بارے میں اور اپنی بے گناہی کے بارے میں سب کچھ سچ بتا دونگی تاکہ اسے سوچنے کا موقع مل جائے کہ وہ مجھے اپنا ہمسفر بنانے کے لیے تیار ہے یا نہیں اور یہ کہ بعد میں کسی کے منہ سے پھیلائی گئی افواہ، غلط فہمیاں نہ پیدا کر دیں“

حاشر نے خط کا صفحہ پلٹا۔

”میرے ’دادا مظہر علی‘ اور نانا ’محمد ابراہیم‘ اپنے زمانے کے بہت کامیاب بزنس مین تھے۔ بظاہر تو دونوں دوست تھے۔ ایک دوسرے کے خاندانوں کو کسی بھی دعوت میں بلانا نہیں بھولتے تھے لیکن ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت، حسد اور جلن کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک دوسرے کی بربادی کی باقاعدہ دعا مانگتے تھے۔ ایک طرف جہاں ان کی ڈھکی چھپی دشمنی بڑھتی جا رہی تھی وہیں دوسری طرف ان کے بچے ان کے برعکس

کام سرانجام دے چکے تھے۔

میرے ابو، 'مشتاق علی' اور امی، 'ثمرین ابراہیم' کی دعوتوں میں ملاقات ہوئی، ملاقاتیں بڑھیں تو ان میں اچھی خاصی روستی ہوگئی اور آہستہ آہستہ وہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا ہو گئے۔ جب ان خاندانوں کو اس محبت کا پتا چلا تو وہ کھلم کھلا دشمنی پر اتر آئے۔ میرے نانا نے امی کا رشتہ اپنی بہن کے بیٹے سے طے کر دیا۔

جب سیدھے طریقے سے کوئی حل نہ نکلا اور نانا نے اپنے دشمن کے بیٹے سے اپنی بیٹی کو بیاہ نے سے بہتر موت جانی تو آخری راستہ بھاگ کر شادی کرنے کا نکلا جس پر دادا خوشی سے نہال ہو گئے کہ آخر کار ان کے دشمن کو مات ہوئی۔

ان کی لاڈلی بیٹی رات کے اندھیرے میں اپنے گھر والوں کے منہ پر کالک مل گئی۔

ان لوگوں کے درمیان بہت جھگڑے ہوئے۔ بات عدالت تک جا پہنچی لیکن آخر میں فیصلہ امی ابو کے حق میں ہوا۔

اس دوران فیصل بھائی بھی پیدا ہو گئے تھے۔ میری امی سے نانا کے گھر والوں نے سارے رشتے توڑ دیے تھے اور چند سالوں میں نانا کی وفات ہو گئی جس کا ذمہ دار میرے ماموں 'شہباز' نے دادا وغیرہ کو ٹھہرایا اور بدلہ لینے کی دھمکی بھی دی۔

دن گزرتے گئے اور سب اپنی اپنی زندگی میں مگن ہو گئے۔ بھائی کے پیدا ہونے کے بارہ سال بعد اعلاج اور منتوں سے میں پیدا ہو تو گئی لیکن میرے پیدا ہوتے ہی میری امی یہ دنیا چھوڑ گئیں۔

میری پرورش اور دیکھ بھال کے لیے ابو نے حاجرہ اماں نامی پچاس پچپن سال کی عورت کو تنخواہ پہ رکھ لیا اور اس عورت نے مجھے اس بات کا اچھی طرح احساس دلا دیا کہ ماں، ماں ہی ہوتی ہے اور ان کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ انھوں نے میرا بچپن چھین لیا۔ اپنے سخت ہاتھوں سے بے دردی سے مجھے پالا۔ کھانا نہ کھانے پر وہ مجھے مارتی، ڈرا کہ رکھتی۔ ایک روبوٹ کی طرح کر دی تھی میری زندگی لیکن میری قسمت، میں تو اپنے ابو، بھائی کو بھی اس کی شکایت نہیں کر سکتی تھی کہ ایسا رشتہ ہی نہیں تھا ہم میں۔

امی کی وفات کے بعد تو ابو بلا ضرورت بولتے ہی نہیں تھے۔ مادی ضروریات پوری کرنے سے وہ یہ سمجھتے

تھے کہ اولاد کا حق ادا ہو گیا مگر انھوں نے کبھی جھوٹے منہ نہیں پوچھا کہ اماں کا رویہ میرے ساتھ کیسا ہے۔ بس حاجرہ اماں میٹھی بن کر انہیں مطمئن کر دیتی تھیں۔ کبھی میرے کمرے میں جھانک کر نہیں دیکھا کہ بیٹی منہ پہ چادر رکھ کر سو رہی ہے یا رو رہی ہے۔۔۔

گرتے پڑتے اور خود ہی اپنے آنسو پونچھتے میں بڑی ہوتی رہی اور حاجرہ اماں بوڑھی۔ جب میں نے پوری طرح شعور کی دنیا میں قدم رکھ لیا تو انھوں نے مجھے پالنے کی نوکری چھوڑ دی۔

ان کے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے چلے جانے کے بعد میں سکون کی سانس لینے ہی لگی تھی کہ ہمارے گھر نیا باورچی آ گیا۔ جب گھر میں صرف میں اور ماسی ہوتے اور میں کچن میں کسی کام سے جاتی تو وہ مذاق مذاق میں بچی سمجھ کر مجھے چھیڑتا، میرا راستہ روکتا مگر مجھ میں ہمت نہ تھی کہ میں یہ بات کسی کو بتا سکوں اس لیے میں زیادہ سے زیادہ اپنے کمرے میں رہتی یا آدھے دن اپنی دوست کے۔ ایک میری دوست ہی تھی جس کی وجہ سے میرے چہرے میں مسکراہٹ آ جاتی تھی۔

پھر فیصل بھائی کی شادی ہو گئی اور باورچی کی چھٹی۔ نیلم بھابھی بہت اچھی تھیں، ابھی بھی ہیں لیکن عام انسان میں کوئی نہ کوئی بری بات ضرور ہوتی ہے۔ ان میں یہ بات بری تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کو بہت گھر بلاتی تھیں، وہ بھی ابو اور بھائی کے پیٹ پیچھے۔ مجھے مسئلہ صرف ان کے بھتیجے سے تھا جو انتہائی گھٹیا شخص تھا۔ بہانے بہانے سے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرتا وہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ اس لیے اس کے آنے پر میں کہیں نہ کہیں چلی جاتی۔ مجھے کہیں آنے جانے سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔ میں بہت آزاد تھی۔ اتنی آزاد کہ مجھے اس آزادی سے وحشت ہوتی تھی۔ میں اپنے آپ کو محفوظ محسوس نہیں کر پاتی تھی۔

ایک دن معمول کی طرح اپنے کوچنگ سے نکلی تو ایک بڑی سی گاڑی میرے سامنے آ کر رکی اور اس میں سے درمیانی عمر کا آدمی باہر نکلا اور اچانک میرا سر اپنے کندھے سے لگا کر رونے لگا۔ میں ایک دم بوکھلا گئی کہ یہ آدمی کون ہے اور میرے لیے اتنا جذباتی کیوں ہو رہا ہے۔ میری الجھی صورت کو دیکھ کر انھوں نے بتایا کہ وہ میرے ماموں شہباز ہیں میری امی کے سگے بھائی۔

میں نے ان سے کہا کہ میں کیسے مان لوں کہ وہ میرے ماموں ہیں تو انھوں نے فوراً سے اپنی اور امی کی جوانی

کی تصویریں دکھائیں یقیناً وہ تصویریں ساتھ لے کر پوری تیاری سے مجھ سے ملنے آئے تھے۔تصویریں دیکھ کر مجبوراً مجھے ان کی بات پر یقین کرنا پڑا۔انھوں نے بڑے جذباتی لہجے میں مجھ سے کہا کہ ہم تو ترس گئے تھے اپنی اکلوتی بہن کے بچوں کو دیکھنے کے لیے۔انھوں نے مجھے گھر چلنے کی آفر کی یہ کہہ کر کہ بہن تو واپس نہیں مل سکتی لیکن بھانجی کو نہیں کھونا چاہتے۔ان کی باتوں میں اتنا اپنا پن تھا کہ میں جو کسی محبت جتانے اور خیال رکھنے والے رشتے کے لیے ترس رہی تھی فوراً ان کی باتوں میں آ گئی لیکن میں اس وقت ان کے ساتھ نہیں گئی بلکہ ان سے فون نمبر لے لیا۔

پیپر شروع ہو گئے تو میں نے ان کے گھر جانے کا ارادہ فی الحال ترک کر دیا۔

میں نے اس ملاقات کے بارے میں گھر میں ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ ماموں نے کسی کو بتانے سے منع کیا تھا کہ کہیں وہ ملنے سے انکار نہ کر دیں۔

اور ایک دن ان سے ملنے کا موقع میرے ہاتھ آ گیا۔میں نے تو فقط یہ ہی چاہا تھا کہ ان خاندانوں کے درمیان صلح ہو جائے۔۔۔

میں اپنی دوست کی بہن کی مہندی میں یہ کہہ کر گئی کہ پوری رات فنکشن ہو گا شاید مجھے آنے میں دیر ہو جائے لیکن دو گھنٹے میں وہاں سے فارغ ہو کر میں نے شہباز ماموں کو کال کی اور اگلے ہی لمحے وہ مجھے لینے آ پہنچے۔

ان کے گھر پہنچتے ہی میری توقع کے برعکس گھر میں کوئی نہیں تھا۔میرے پوچھنے پر بتایا کہ ان کی بیوی اور بچے ان کے سسرال گئے ہوئے ہیں۔

بہت سی البمز میرے سامنے رکھی اور کہا کہ تم یہ دیکھو جب تک میں ان لوگوں کو گھر لے آؤں۔وہ تم سے مل کر بہت خوش ہونگے۔وہ مجھے بہلا کر گھر میں تنہا چھوڑ گئے۔

کافی دیر میں ان کے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ کر ان کے آنے کا انتظار کرتی رہی۔رات گہری ہوتی جا رہی تھی اور میرے دل میں اچانک انجانہ خوف پھیلنے لگا۔میں نے ماموں کو کال کرنے کے لیے بیگ سے فون نکالا ہی تھا ایک دم دروازہ کھلا اور چوکیدار اپنی گن تھامے ہانپتا ہوا میرے پاس آیا۔میں بوکھلا کے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

چوکی دار نے میری کلائی پکڑی اور بولا کہ ’بھاگیں یہاں سے آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ صاحب کا بیٹا اور اس کے دو بگڑے ہوئے دوست شراب کے نشے میں دھت گھر کی طرف آ رہے ہیں۔ ان گھر والوں کے ارادے ٹھیک نہیں‘‘

ان کی بات سن کر میرا دماغ شل ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں کیا کروں۔

میں چوکی دار کی بات سے اتنا ڈر گئی تھی کہ میں کچھ بھی سوچے بغیر ان کے ساتھ پچھلے دروازے سے بھاگی۔

نہ جانے کتنی سنسان گلیوں سے ہوتے ہوئے ہم اندھا دھند بھاگتے رہے۔ چوکی دار، پولیس کو بھی اطلاع کر چکا تھا۔

بھاگنے کے دوران چپل پیروں سے کہاں اتری بیگ کہاں گرا کوئی خبر نہ تھی۔

ہمیں یہ بات پتا تھی کہ کوئی ہمارا گاڑی میں پیچھا کر رہا ہے لیکن مڑ کر دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔

اچانک پیچھے سے ایک گولی اڑتی ہوئی آئی اور میری اور چوکی دار کی چیخ ایک ساتھ فضا میں بلند ہوئی۔

گولی میرے بازو کو چھوتی ہوئی چوکی دار کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی۔۔۔

میں نہیں بتا سکتی کہ اس وقت میری کیا حالت تھی۔ میں اپنی آنکھوں سے کسی کو تڑپتا ہوا، مرتا ہوا دیکھ رہی تھی اور کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ میری جان بچانے کے لیے انھوں نے اپنی نوکری کو لات ماردی، اپنے خاندان اور جان تک کی پرواہ نہ کی اور بدلے میں ان کی جان نہ بچا سکی۔ مارنا وہ مجھے چاہتا تھا لیکن نشے کی وجہ سے اس کا نشانہ چوک گیا۔

وہ لوگ میری طرف بڑھنے ہی لگے تھے کہ پولیس کی گاڑی کی آواز آنے لگی تو وہ تینوں الٹے پیروں بھاگنے لگے۔ میں انھیں ایسے ہی بھاگنے نہیں دے سکتی تھی، ایک بندے کو مار کر وہ کیسے بچ نکل سکتے تھے۔

میں نے اپنے بازو کی چوٹ کی پرواہ کیے بغیر چوکی دار کی لوڈڈ گن اٹھائی اور گولی چلادی جو سیدھا جا کر شہباز ماموں کے بیٹے حسان کی ٹانگ میں لگی اور وہ زمین پر گر کے اپنی ٹانگ پکڑ کر چیخ چیخ کر رونے لگا شاید اس کا سارا نشہ اتر گیا تھا۔

اس کے ساتھیوں نے اسے گاڑی میں ڈالا اور بھاگ گئے۔ بازو میں درد کی شدت سے میں بے ہوش ہو گئی

اور جب آنکھ کھلی تو میں ہسپتال میں تھی۔

بات یہاں ختم نہیں ہوئی تھی۔صبح کی نیوز، ہیڈ لائنز میں یہ خبر آنے لگی کہ بزنس مین مشتاق علی کی بیٹی رات کے اندھیرے میں اپنے کسی یار کے ساتھ بھاگی لیکن اس نے اسے دھوکہ دے دیا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر۔۔مل کر زیادتی کا نشانہ بنادیا۔

چند پیسوں کے لیے نیوز چینلز والوں نے کسی لڑکی کی عزت بری طرح اچھال دی۔ان چوکی دار کی موت کو بھی دبادیا۔

میں اس رات ہونے والا واقعہ ابو اور بھائی کو بتا کر یہ سوچتی رہی کہ شاید اب وہ میرے لیے کچھ کریں گے، میرے لیے کھڑے ہونگے، اپنی بیٹی اور بیٹی کی جان بچانے والے کیلیے انصاف مانگیں گےلیکن کوئی ایکشن لینا تو دور، میرے جھوٹ اور غلطی پر وہ مجھے ڈانٹ بھی نہیں پائے، جب بیٹی کی حفاظت نہ کر پائے، اسے ہر بات سے بے خبر رکھا، اسے باپ اور بھائی والا پیار، شفقت نہیں دے پائے تو پھر غلطی پہ ڈانٹنے کا کیسا حق؟

وہ کورٹ کچہریوں کے چکر لگا کر مزید اپنے گھر کی عزت کو لوگوں کی نظروں اور باتوں کا نشانہ بننے نہیں دے سکتے تھے میری دوستوں نے بھی اس خبر کے بعد مجھ سے رابطہ ختم کر دیا، میرے ابو اپنے کمرے میں بند رہنے لگے ۔وہ اس سب کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے تھے کہ جیسے وہ کسی کی بیٹی کو بھگا لائے تھے اور اس کے گھر والوں کو اذیت پہنچائی تھی ویسے ہی ان کی بیٹی کے ساتھ بھی وہی ہو چکا تھا۔'مکافات عمل'

اور بھابھی کا نام نہاد بھتیجا جو کل تک مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا فوراً پلٹی کھا گیا۔میں کاش اس دن اسکی زہر اگلتی باتیں نہ سنتی۔

بھابھی اسے اپنے کمرے میں یہ کہہ رہیں تھی کہ تم اپنا لو اسے، تم تو پسند کرتے تھے اسے۔

اس نے جواب میں نفرت بھرے لہجے میں کہا کہ 'اربش ایک آوارہ اور بد کردار لڑکی ہے۔مجھے بھی وہ اپنے جال میں پھنسا رہی تھی لیکن اس کا اصلی روپ سامنے آتے ہی میں نے تو توبہ کر لی۔کیا خبر کہ وہ سچ میں اپنے کسی عاشق کے ساتھ بھاگی ہو، مہندی کے فنکشن کی آڑ میں۔ایسی لڑکی سے شادی کر کے میں اپنی نسلیں خراب نہیں کر سکتا''

میرے ابو کی طبیعت دن بہ دن بگڑنے لگی تو انھوں نے بھائی سے کہا کہ وہ کراچی شفٹ ہو جائیں لیکن ہمارے کراچی جانے سے پہلے ہی ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ دم توڑ گئے۔

ان کی میت پر میری پھوپھوئیں رو رو کر مجھے کوستی رہیں کہ ڈائن پیدا ہوتے ہی ماں کو کھا گئی اور اپنی نیچ حرکتوں سے باپ کی سانسیں بھی چھین لیں۔ان لوگوں نے کہا کہ وہ مر کر بھی میرا منہ دیکھنا پسند نہیں کریں گی۔

اور میں چپ چاپ بے گناہ ہونے کے باوجود ان کی کڑوی زہریلی باتوں کو برداشت کرتی رہی۔

برداشت کرنے کا ہنر مجھ میں بچپن سے ہے۔میں اپنی بے گناہی کی صفائیاں پیش کر کر کے تھک چکی تھی اس لیے میں نے آخر میں اس بات کو تسلیم کر لیا کہ دنیا چاند پر تو پہنچ سکتی ہے مگر دامن پہ داغ لگی لڑکی کو دوبارہ عزت کی نگاہ سے نہیں دے سکتی یا دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔

ابو کی وفات کے کچھ دن بعد ہم کراچی آگئے اور یہاں بھائی کے بے حد اصرار پر میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔

بس، یہی ہے میرا ماضی۔کچھ نہیں چھپایا میں نے آپ سے۔

آپ کے پاس وقت ہے، سوچ سکتے ہیں کہ آپ ایسی لڑکی کو اپنانے کے لیے تیار ہیں کہ جس کے بارے میں ایسی گھٹیا خبریں چلیں؟

آپ سے ایک گزارش ہے کہ پلیز، فیصلہ دل اور دماغ دونوں سے کیجیے گا۔صرف انسانیت کے ناطے مجھے اپنا کر، مجھ سے ہمدردی کر کے مجھ پر احسان مت جتانا۔میں اپنی آگے کی زندگی کسی شخص کے احسان تلے دب کر نہیں گزارنا چاہتی۔مجھ میں مزید طعنے سننے کی ہمت نہیں ہے"

حاشر نے خط پڑھ کر تھکے تھکے انداز میں ٹیبل پہ رکھا۔چشمہ اتار کر ضبط سے سرخ ہوتی آنکھیں مسلیں اور صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

بہزاد اور اس کا جگری دوست عدنان آخری سمسٹر کا آخری پیپر دینے کے بعد بہزاد کی گاڑی میں سوار لنچ کرنے جا رہے تھے۔

”ہاں بھئی عدنان! آگے کا کیا پلان ہے؟“

بہزاد نے ڈرائیو کرتے ہوئے سامنے روڈ پر نگاہ جمائے سنجیدگی سے پوچھا۔

”شادی کا پلان ہے“

ایک لمحے کا بھی وقفہ دیے بغیر عدنان نے معصومیت سے جواب دیا۔

بہزاد اسکے جواب پر ہنسنے لگا۔

”کیوں ہنسی آرہی ہے تمہیں؟ یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے۔اچھا خاصا ایم اے کر کے جاب پر لگ چکا تھا اور شاید اب تک میری شادی بھی ہوچکی ہوتی لیکن تمہیں ہی شوق چڑھا، ڈبل ایم اے کرنے کا اور میں بیچارہ تمہاری باتوں میں آگیا۔تو اب اتنی خواری کے بعد میرا حق نہیں بنتا شادی کا؟“

”ارے ارے، اب روتو مت، کر لے شادی بھئی کس نے منع کیا ہے مگر شادی کے لیے ایک عدد لڑکی بھی تو ہونی چاہیے“

بہزاد نے مذاق اڑانے کے سے انداز میں کہا۔

”میرے گھر والے میرے لیے لڑکی پسند کر چکے ہیں“

عدنان سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”اچھا کون ہے وہ بیچاری؟“

”رداء کی دوست ہے۔کیا نام ہے اس کا۔۔۔ہاں رخسار“

بہزاد کو حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا۔

”کیا واقعی، سچ میں ایسا ہے؟“

”ہاں ناں۔بڑی اچھی، سلجھی ہوئی، سگھڑ، معصوم سی لڑکی ہے“

عدنان نے بڑھا چڑھا کر اس کی تعریف کی۔

”کبھی ملے ہو اس سے؟ کبھی بات کی ہے، جو اسے معصوم کے رتبے پر فائز کر دیا“

”بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انسان کی تو شکل دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے مجھے کہ وہ معصوم ہے یا

شاطر" بہزاد نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا

"ہاں، تمہاری شکل دیکھ کر بھی مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم کتنے خبیث ہو"

بہزاد کی بات پر دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

☆......☆......☆

ناجانے کتنی ہی دیر وہ صوفے پر سر ٹکائے بیٹھا وہ اپنی سوچوں میں گم تھا کہ پہلو میں دھرے فون کی آواز نے اسے سوچ کے سمندر سے باہر پھینکا۔ سیدھا ہو کر بیٹھا تو سر اور گردن میں شدید قسم کی ٹیس اٹھی۔

گردن کو ایک ہاتھ سے مسلتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے فون اٹھایا۔

غیر شناسا نمبر سے کال آ رہی تھی۔ اس نے ہرے بٹن کو پش کر کے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو"

"کیا آپ اربش کے شوہر بات کر رہے ہیں؟"

"جی۔۔آپ کون؟"

"بیٹا! میں۔۔وہ میں اربش کا ماموں شہباز بول رہا ہوں۔ کیا آپ میری اربش سے بات کروا سکتے ہیں؟"

شہباز کا نام سنتے ہی حاشر کے اعصاب تن گئے۔ دانت پیس کر بولا۔

"جو بات کرنی ہے مجھ سے کریں۔ کب تک آپ جیسے نام نہاد مرد اپنی دشمنیوں کا بدلہ عورتوں سے لیتے رہیں گے؟ سب جانتا ہوں میں، آپ لوگوں نے کیسے اسے عزت سے نوازا ہے۔ اب اور کیا رہ گیا ہے؟"

"بیٹا میں۔۔"

"پہلے تو آپ مجھے بیٹا بولنا بند کریں۔ حاشر نام ہے میرا"

حاشر نے اس کی بات کاٹ کر درشتی سے کہا۔

"تمہارا غصہ کرنا بجا ہے حاشر، کیونکہ ہم نے کام ہی ایسے کیے ہیں لیکن یقین مانو میں سچے دل سے اربش بیٹی سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ بہت غلط کیا ہے اس بچی کے ساتھ۔ بس شیطان ایسا سوار ہوا دماغ پہ کہ اپنے خاندان کی بے عزتی اور باپ کی موت کا بدلہ لینے کے چکر میں یہ بھول گیا کہ میں جس سے بدلہ لے رہا ہوں وہ

بھی تو میرے گھر کی عزت تھی۔

جب میرے بیٹے کو اربش نے گولی مار کر ہمیشہ کے لیے لنگڑا کر دیا تھا تب بھی میں اپنے بیٹے کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر گیا کہ اس نے بھی تو پورا ایک بندہ مارا تھا۔ میں اپنے بیٹے کو یہ کہتا رہا کہ حسان تم مرد ہو کر ایک نازک لڑکی سے ہار گئے کہ اس نے تمہیں گولی ماری اور تم بزدلوں کی طرح بھاگ کر آ گئے۔

میں نے بچپن سے اسے بدلہ لینا سکھایا کہ اگر تمہیں کوئی ایک تھپڑ مارے تو تم اسے چار تھپڑ مار کے آنا کبھی کسی کو معاف کرنا یا احساس کرنا نہیں سکھایا۔

اس لیے اس نے بھی پلان بنایا کہ پہلے وہ اربش اور تمہارے درمیان علیحدگی پیدا کرے گا اور جو وہ چار سال پہلے نہ کر سکا وہ اب اس کے ساتھ کرے گا مگر اس سے پہلے ہی وہ اپنا سبق پا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ میں بھی''

ایک لمحے کی خاموشی چھائی جس میں شہباز نے رونے کی وجہ سے اپنے بہتے نزلے کو صاف کیا تھا۔

''ہمارے چوکی دار کے مرنے کے بعد تقریبا روز اس کا بارہ سالہ بیٹا میرے گھر آ کر رو رو کے مجھ سے درخواست کرتا کہ ابا کے قاتلوں کو ڈھونڈنے میں اس کی مدد کرے اور میں اسے تسلی دے کر ہزار دو ہزار اس کے ہاتھ میں رکھ کر چلتا کر دیتا۔ باپ کے مرنے کے بعد گھر چلانے کے لیے وہ گیراج میں نوکری کرنے لگا تھا پڑھائی چھوڑ کر۔ میں کیا مدد کرتا اس کی۔ اسے کیا بتاتا کہ وہ جس سے مدد مانگ رہا ہے اسی کا بیٹا ہی اس کے باپ کا قاتل ہے۔ ایک دن جب وہ بچہ میرے گھر آیا تو حسان کے دو دوست جو اس رات کے واقعے میں اس کے ساتھ تھے وہ بھی میرے گھر میں ہی موجود تھے۔ اس بچے کی باتوں کو بڑی غور سے سنا اور باہر جا کر اس بچے کو پکڑ کر ان دونوں نے کہا کہ وہ دونوں جانتے ہیں کہ اس کے باپ کا قاتل کون ہے۔ میرے ابو وکیل ہیں تمہاری مدد کریں گے۔

اسے پھسلا کر ایک گھر میں بلا لیا اور۔۔۔ اور اس بچے کے ساتھ زبردستی غلط کام کیا اور اسے دھمکی دی کہ وہ ہفتے میں ایک بار ان کے پاس آئے گا اور اگر نہ آیا تو وہ اس کی ماں اور چھوٹی بہن کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

وہ ان کے پاس آتا رہا مگر اس کے آنے کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ ان لوگوں کی نشے میں کہی گئی ہر بات نوٹ کرتا رہا۔

ایک دن نشے کی حالت میں ایک لڑکے کے منہ سے نکل ہی گیا کہ اس کے باپ کو حسان نے مارا ہے۔اگر مجھے پتا ہوتا کہ اس بچے کے ساتھ وہ لڑکے ایسا ظلم کر رہے ہیں تو خدا کی قسم میں اس ظلم کو ضرور روکتا۔

اس بچے کو بیماری لگ گئی تھی وہ اپنے گھر والوں کا پیٹ پالنے کے قابل نہ رہا تھا۔اس لیے اس نے خود بدلہ لینے کا سوچا۔

اسے پتا چلا کہ حسان اور اس کا دوست کراچی جا رہے ہیں تو اس نے بھی گیراج میں صحیح ہونے کے لیے لائی گئی گاڑی گراج کے مالک کی غیر موجودگی میں وہاں سے غائب کر دی اور حسان کی گاڑی پر نظر رکھی جیسے ہی ان کی گاڑی کراچی سے ہو کر رات کے اندھیرے میں لاہور پہنچی،اس لڑکے نے اپنی گاڑی ان کی گاڑی سے ایسی ٹکرائی کہ وہ خود بھی جان سے گیا،حسان کا دوست بھی ہسپتال پہنچنے تک دم توڑ گیا مگر حسان اب تک زندہ ہے۔

اس کی حالت ایسی تھی کہ بس وہ بھی چند گھنٹے ہی جیے گا مگر شاید اسے اپنے گناہ کا اعتراف دنیا میں ہی کرنا تھا۔

ایکسیڈنٹ سے اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی،گردن میں ٹانکے لگنے کی وجہ سے وہ کافی دن بول بھی نہ پایا۔

ایکسیڈنٹ کے بعد جب اس نے پہلی دفعہ بات کی تو بس رو رو کر یہ کہتا رہا کہ ''اربش کو بولیں مجھے معاف کر دیں 'چوکی دار' کے گھر والوں سے کہیں کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے ،میں بہت ڈر گیا ہوں میں گناہ گار ہو کر مرنا نہیں چاہتا۔شاید مجھے اللہ نے ایک اور موقع دیا ہے'۔۔اور بھی پتا نہیں کیا کیا کہتا ہے۔

اسے ابھی آنکھ کا چیک اپ کرانے لے گئے ہیں۔مجھ سے نہیں دیکھی جاتی اس کی یہ حالت۔کاش کاش مجھے اس بات کا اندازہ پہلے ہی ہو جاتا کہ دوسروں کے گھروں کو آگ لگائیں گے تو اس کے شعلے ہمارے گھر میں بھی ضرور آئیں گے۔

ہم نے سب گڑبڑ کر دی۔مشتاق سے بدلہ لینے کے چکر میں اس کی بے گناہ بیٹی پر گھٹیا الزام لگایا،اس ایک غلط کام کی وجہ سے ہم اور کتنے غلط کام کر بیٹھے۔چوکی دار کو قتل کر دیا۔اس کے معصوم بچے کی معصومیت کھو گئی۔میرا اپنا بیٹا اتنی بری حالت میں پڑا ہے۔ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آخرت خراب کر ڈالی۔

اربش سے کہو ہمیں معاف کردے کہ ہمارے عذاب میں تھوڑی کمی واقع ہو جائے۔ معاف کردو ہمیں"

وہ فون پر زاروقطار رو رہا تھا۔

حاشر نے اس کی ساری بات سن کر ایک گہری سانس لی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اربش، اس دن بھی آپ لوگوں کو دل سے معاف کرنے کو تیار تھی جب آپ کا بیٹا ہمارے گھر آیا تھا تو اب آپ لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر وہ کیسے نہ معاف کرے گی۔ اس کا دل ہماری طرح سخت نہیں ہے۔

وہ تو آپ کی محبت میں، آپ پر بھروسہ کر کے آپ سے ملنے آئی تھی کیونکہ آپ کوئی غیر نہیں اس کے سگے ماموں ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے، اسے باپ جیسی محبت دیتے لیکن آپ نے تو اسے اپنے ہاتھوں سے بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا۔

اسے محبت اور صبر کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے۔ آپ نے اس کی محبت کا غلط فائدہ اٹھایا تو نقصان میں رہے۔ میں نے اس کی پاکیزہ محبت پہ شک کیا تو، نقصان اٹھایا یقین مانیں، ایسے صبر والے لوگوں سے دشمنی بڑی مہنگی پڑتی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ کو پہلے اندازہ نہ ہوسکا کہ اگر آپ کسی کی زندگی میں گند پھیلاؤ گے تو آپ کی یہ دنیا اور اس کے بعد کی زندگی کوڑے کا ڈھیر بن جائے گی۔

آپ لوگ گڑگڑا کر معافی مانگیں اس سے، جس کے شوہر اور بیٹے کو آپ لوگ کھا گئے۔ خیر۔۔! اللہ آپ لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرے۔۔ اللہ حافظ"

وہ فون بند کر کے چند لمحے وہاں بیٹھا رہا پھر خط اٹھایا اور کمرے میں آ گیا۔

فریش ہو کر سونے کے لیے لیٹنے سے پہلے فون ہاتھ میں لے کر اسے گھورتا رہا پھر کچھ سوچ کر واٹس ایپ کھولا، اربش کو ایک میسج بھیجا اور فون سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر لیٹ تو گیا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور دل بے چین۔

☆......☆......☆

"ہاں تو نور بچے! کیسا رہا یونیورسٹی کا پہلا دن؟"

نور یونیورسٹی سے آنے کے بعد گھر کے باقی لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھی تو طاہرہ خالہ نے اس کی قبرستان جیسی خاموشی کو توڑنے کے لیے اسے مخاطب کیا

''جی خالہ! اچھا ہی گزرا بس دور اتنی ہے یونی۔ آنے جانے میں ہی حال بے حال ہو گیا''

اس نے نظریں پلیٹ سے ہٹائے بغیر جبراً مسکرا کر جواب دیا۔

خالہ، جواب میں کچھ بولنے ہی لگیں تھی کہ فوراً ان کے بڑے بیٹے ثوبان کی بیوی سمینہ اپنے سخت لہجے میں بولی۔

''ارے بھئی، مجھے تو تمہاری ذرا بھی سمجھ نہیں آئی۔ پڑھائی کے چکر میں اتنے بھلے رشتے سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ آج کل کہاں ملتے ہیں ایسے رشتے۔

ہونہہ۔ اتنے دھکے کھا کر تعلیم مکمل کرو اور آخر میں جا کر وہی صبح شام چولہے جلاؤ، بچے سنبھالو۔ میں نے تو بھئی بیچ میں ہی پڑھائی چھوڑ دی تھی جب میرے لیے ثوبان کا رشتہ آیا تھا۔ امیر گھرانے میں رشتہ ہو جائے تو پہلی فرصت میں اس سر میں درد کر دینے والی پڑھائی سے جان چھڑوا لینی چاہیے۔ میں تو۔۔۔

خالہ نے اپنی بہو کی قینچی کی طرح چلتی زبان کو آرام دینا ضروری سمجھا اور بھانجی کی طرف داری کرتے ہوئے بولیں۔

''سمینہ بیٹا! اگر پڑھائی آپ پر بوجھ بنی ہوئی تھی یا ریاضی کے مشکل سوال آپ کے پلے کبھی نہیں پڑے تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ دوسروں کا بھی دل کھٹا کرو۔ آج کل سب آگے سے آگے تعلیم حاصل کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ اب ایسا دور نہیں رہا ہے کہ صرف بیٹوں کو مہنگی مہنگی ایجوکیشن دلوائیں کہ وہ نوکری کر کے گھر والوں کو فائدہ دے گا اور بیٹیوں کو واجبی سی تعلیم دلوا دیں کہ بھئی اسے کونسا ہمیں کما کر کھلانا ہے۔ ایک نا ایک دن تو پرائے گھر چلی جائے گی تو اس پہ کیوں اتنا خرچہ کرنا؟ لڑکا ہو یا لڑکی دینوی اور دنیادی تعلیم دونوں کو ہی حاصل ہونی چاہیے۔ اور ویسے بھی نور تو ماشاءاللہ پڑھائی میں اے ون ہے۔ آگے پڑھنے کا اس کو پورا حق ہے''

''لیکن امی! میں نے تو اچھے رشتے کو چھوڑنے والی بات بولی تھی۔ اگر یہ چاہتی تو شادی کے بعد بھی پڑھ سکتی تھی''

سمینہ ایک دم بگڑ کر بولی۔اس کی زبان یوں بھی فر فر چل رہی تھی کیونکہ سسر تو اپنے کمرے میں آرام فرما رہے تھے اور شوہر گھر میں موجود نہیں تھا۔ڈائننگ ٹیبل پر وہ تینوں اور خالہ کا چھوٹا مگر نور سے عمر میں بڑا بیٹا ہی موجود تھے۔

”رہنے دو بھئی! یہ تو تقریباً سبھی لڑکے والے کہتے ہیں کہ شادی کے بعد بھی لڑکی چاہے تو اپنی تعلیم جاری رکھے لیکن یہاں شادی ہوئی اور آگے تعلیم کا خواب ہوا ہوا۔

ایک بات یہ بھی تھی کہ ادھر نور کی شادی ہونی ہی نہیں تھی تبھی تو بچی کا دل نہیں مانا ورنہ نور تو اتنی فرمانبردار اور سلجھی ہوئی بچی ہے۔

اور کہاں نکلا ہاتھ سے اچھا رشتہ؟ نور کی نہیں مگر نوال کی تو ہوگئی ناں وہاں شادی۔یہ تو نصیبوں کے کھیل ہوتے ہیں۔تم دیکھنا اس سے بھی اچھا لڑکا ملے گا نور کو“

طاہرہ خالہ نے اتنی خوبصورتی سے ہر بات کو سمیٹا کہ نور کو صفائی پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔اس نے سچی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے ممنونیت بھری نظروں سے خالہ کو دیکھا تھا۔اسے بہت سارا پیار آیا تھا اپنی ماں جیسی خالہ پر۔

نور نے اسی مسکراتی نظروں سے سمینہ کو دیکھا جو زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔نور نے فوراً نظریں ان کے چہرے سے ہٹا کر دوسری جانب دیکھا مگر وہاں بھی بدقسمتی سے سلمان کھانا کھاتے ہوئے اپنی چھچھوری مسکان اور ٹھرکی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

اس کی شکل دیکھتے ہی نور کے منہ میں کڑواہٹ بھر گئی اور اس نے وہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

☆......☆......☆

محبت کی طبیعت میں یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے
کہ یہ جتنی پرانی جتنی بھی مضبوط ہو جائے
اسے تائید تازہ کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے
یقین کی آخری حدوں تک دلوں میں لہلہاتی ہو!

نگاہوں سے ٹپکتی ہو' لہو میں جگمگاتی ہو!

اسے اظہار کے لفظوں کی حاجت پھر بھی رہتی ہے

محبت مانگتی ہے یوں گواہی اپنے ہونے کی

کہ جیسے طفل سادہ شام کو اک بیج بوئے

اور شب میں بارہا اٹھے

زمیں کو کھود کر دیکھے کہ پودا اب کہاں تک ہے

محبت کی طبیعت میں عجب تکرار کی خو ہے

کہ یہ اقرار کے لفظوں کو سننے سے نہیں تھکتی

بچھڑنے کی گھڑی ہو یا کوئی ملنے کی ساعت ہو

اسے بس ایک ہی دھن ہے

کہو' مجھ سے محبت ہے

کہو' مجھ سے محبت ہے

تمہیں مجھ سے محبت ہے

بہزاد خوب گھوم پھر کے گھر آیا تو شام کے آٹھ بج رہے تھے۔ نظریں گھما کر جائزہ لیا تو رخسار کچن میں برتنوں کے ساتھ اٹخ پٹخ کرتی نظر آئی۔ وہ قدم قدم چلتا کچن میں آیا اور اس کے سامنے کچن کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا۔

رخسار نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اسے نظر انداز کر کے ایسے برتن دھونے کا ناٹک کرنے لگی جیسے بہزاد کی وہاں موجودگی کی اسے کوئی پرواہ نہ ہو مگر اس کے کام کرتے ہاتھوں میں لرزش پیدا ہو گئی، جسے چھپانے میں وہ ناکام ہی رہی۔

''تمہیں ہارر مویز پسند ہیں؟''

بہزاد نے اتنی سنجیدگی سے اس سے اتنا غیر متوقع سوال کیا کہ رخسار نے چونک کر اسے دیکھا

”جی۔کی کیا کہا آپ نے؟“

رخسار کو لگا جیسے اسے سننے میں غلط فہمی ہوئی ہو۔

بہزاد نے اس کے الجھے چہرے پہ نظریں گڑائے ایک دم سوال بدلہ۔

”کیا تم نے ڈاکٹر سے چیک اپ کرایا تھا؟“

اس کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

رخسار کا دماغ اس کے سوالوں پر اتنا الجھ گیا تھا کہ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا

”نہیں“

مگر اگلے ہی پل اپنی بے وقوفی پر زور سے انکھیں میچی اور گڑبڑا کر فورا بولی۔

”م ۔۔میرا مطلب ہے کس چیز کا چیک اپ؟“

”تمہارے کانوں کا۔جن کو ایک بار کا کہا سنائی نہیں دیتا“

بہزاد نے اسے جھڑکا۔

”میں سمجھی کہ آپ کسی اور سے مخاطب ہیں“

جو اس کے منہ میں آیا، چولہے کو صاف کرتے ہوئے وہ بول گئی

”ہاں ۔۔یہاں کچن میں کچھ لوگ جادوئی چوغہ اوڑھے گھوم رہے ہیں، انھی سے بات کر رہا تھا۔خیر۔۔ میرے پاس نئی ہارر مووی کے دو ٹکٹس ہیں۔رات گیارہ بجے کی ٹائمنگ ہے۔اگر چلنا ہو تو دس بجے تیار ہو جانا“

وہ کہہ کر کچن سے نکل گیا۔

رخسار نے مڑ کر حیرانی سے اس کی پشت کو دیکھا۔

”کیا میں واقعی میں بہری ہو گئی ہوں؟ یا سچ میں مجھے مووی دیکھنے چلنے کی آفر کی گئی ہے؟“

رخسار کے گال اچانک گلابی پڑ گئے۔اس کا ایک دم سے دل چاہا کہ وہ خوشی سے جھوم جھوم جائے، اپنے آس پاس بکھری بہزاد کی خوشبو کو چوم لے۔

☆......☆......☆

اربش بیڈ پہ آنکھیں بند کیے سونے کی کوشش میں تھی جب اس کے سرہانے رکھے فون پہ میسج آیا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا اور آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر اسکرین دیکھی تو اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں، نیند ایک دم ہوا ہوئی اور وہ اپنی جگہ پر اٹھ بیٹھی۔اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے میسج کھولا۔

آٹھ لفظوں پہ مشتمل ایک جملہ لکھا تھا۔

''میں کل صبح تمہیں لینے آؤنگا۔تیار رہنا۔۔''

اربش کے ہاتھوں کی پکڑ فون پہ سخت ہوگئی۔ وہ بار بار اس ایک جملے کو کسی وظیفے کی طرح پڑھے گئی۔آنکھوں سے خاموش گرم گرم آنسو بہہ نکلے

وہ اسی خاموشی سے اٹھ کر اپنی الماری تک گئی۔ایک بیگ نکال کر اپنے کپڑے اس میں بھرنے لگی۔

اسے حاشر سے کوئی شکوہ نہ تھا۔اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اسے عزت کے ساتھ لینے آرہا تھا۔اس کے لیے سب سے اہم پہلے عزت اور پھر محبت تھی جو اسے حاشر سے ہی ملی تھی۔

اپنا سامان پیک کر کے اس نے ایک طرف رکھا اور واپس اپنے بیڈ پر آ گئی۔

ناجانے کتنے ہی گھنٹے وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی اور آخر کار نیند کی پری نے اسے تھپک کر گہری نیند سلا دیا۔

آنکھ کھلتے ہی اس کی نظر سامنے دیوار پہ لگی گھڑی پہ گئی اور اس میں اچانک بہت ساری توانائی آ گئی۔گھڑی صبح کے گیارہ بجا رہی تھی۔وہ اتنی دیر کیسے سو گئی تھی؟

وہ بے اختیار ڈرائنگ روم کی طرف بھاگی۔دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔

کمرے سے بولنے اور ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی اور آوازیں سننے لگی۔

فیصل بھائی کی آواز، نیلم بھابھی کی آواز اور پھر۔۔اس کے کان میں حاشر کی ٹھہری ہوئی، بھاری مگر دھیمی آواز پڑی۔اس کا دل ڈوب کے ابھرا۔وہ کہہ رہا تھا۔

”مجھے لگتا ہے کہ اربش بی بی آج ہی اپنی ساری نیندیں پوری کر رہی ہیں“

اربش نے بے اختیار اپنے لب بھینچے۔

نیلم بھابھی بولیں۔

”میں دیکھ کر آتی ہوں اسے۔شاید اب اٹھ گئی ہو“

بھابھی کی آواز سن کر اس نے وہاں مزید کھڑا رہنا مناسب نہیں سمجھا اور وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

”ہم تو بالکل پریشان ہو گئے تھے کہ بھئی پتا نہیں ایسی کیا بات ہو گئی کہ حاشر صاحب اپنی بیوی کو چھوڑ گئے اور تقریباً ڈھائی ہفتوں تک نہ اپنی شکل دکھائی نہ ہی فون کیا اور وہ لڑکی بھی سچ بتانے کو تیار نہیں تھی۔ایسے تھوڑی چلتی ہے زندگی کی گاڑی کہ ذرا سی نوک جھوک اور غلط فہمی پر بیوی کو میکے چھوڑ دیا جائے“

وہ جو گردن جھکائے فیصل بھائی کی بات سن رہا تھا۔لفظ ’غلط فہمی‘ پر زیرِ لب مسکرایا۔(اتنی سی غلط فہمی؟ میری آدھی جان نکال لی تھی اس اتنی سی غلط فہمی نے) اس نے فقط سوچا مگر بولا کچھ اور۔

”میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں بھائی! کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور میں تہہ دل سے آپ لوگوں سے معافی مانگتا ہوں۔لیکن اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی طرف سے آپ لوگوں کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دونگا۔

کیا اب میں اپنی بیوی کو گھر لے جا سکتا ہوں؟“

”ارے معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں، گھر کی ہی بات ہے اور ہمیں کیا اعتراض تمہاری امانت ہے وہ۔ہم کون ہوتے ہیں اسے روکنے والے۔اب اربش تمہارے ساتھ جائے گی یا نہیں اس کا فیصلہ تو وہی کرے گی“

”ویسے وہ اٹھ گئی ہے۔باتھ روم میں ہے“ نیلم بھابھی واپس اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”ہم پوچھیں گے نہیں کہ آخر جھگڑا کس بات پر ہوا مگر تم خود سے بتانا چاہو تو ہم سن لیں گے“

”جس بات پر جھگڑا تھا جب وہ بات ہی ختم ہو گئی تو گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا فائدہ؟ آپ لوگ بے فکر رہیں اب جو بھی بات ہو گی وہ میرے اور میری بیوی کے درمیان ہی رہے گی“

حاشر نے مسکرا کر بات کو گول کر دیا۔

”حاشر! تم نے اپنے آنے کا اربش کو بتایا تو تھا ناں؟“

فیصل بھائی نے بھی فوراً دوسرا سوال کر ڈالا

''جی۔۔میں نے بتایا تو تھا لیکن وہ۔۔۔

بولتے ہوئے اس کی نظر دروازے پہ پڑی اور وہ اپنی بات بھول گیا۔

دروازے پہ وہ کھڑی تھی، نیلے رنگ کے پرنٹڈ سوٹ میں، سر پہ کالی چادر اوڑھے، ہاتھ میں بیگ لیے۔

دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور ایک ان دیکھی سی چنگاری ان کی آنکھوں سے نکلی۔

دونوں ایک دوسرے کے چہرے کی ویرانی، آنکھوں کے گرد ہلکے اور آنکھوں میں چھپی بے چینی کو دیکھ سکتے تھے۔

اربش نے فوراً سے نظریں فیصل بھائی کی طرف پھیر لیں اور سنجیدگی سے بولی

''انھوں نے مجھے کل رات ہی بتا دیا تھا کہ یہ آئیں گے''

فیصل بھائی اس کا بیگ دیکھ کر ہلکا سا مسکائے

''اچھا بھئی، تبھی کل رات ہی جانے کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔

مجھے تو تم دونوں کا یہ کوئی پلان لگ رہا ہے، ہمیں ستانے کا اور ابھی تھوڑی دیر بعد کہو گے کہ ہم نے کیا تھا آپ لوگوں کے ساتھ چھوٹا سا مذاق، وہ رہا کیمرہ اس میں ہاتھ ہلا دیں''

حاشر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''اب ہمیں اجازت دیں۔ ویسے ہی بہت وقت لے لیا آپ لوگوں کا''

وہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اربش کا بیگ تھامنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

نظریں سنجیدگی سے اربش کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اربش نے بھی بنا اس کی طرف دیکھے بیگ اسے تھما دیا۔

''ارے کہاں چل دیے؟ کم از کم دوپہر کا کھانا تو ہمارے ساتھ کھا کر جاؤ''

''نہیں بھابھی! آج تو بالکل نہیں۔ پھر کبھی سہی''

''کیوں بھئی، آج کیوں نہیں؟''

"کیونکہ آج مجھے ایک بہت بڑی رسم ادا کرنی ہے"

"کونسی رسم؟"

فیصل بھائی نے ناسمجھی سے پوچھا جس پر حاشر شریر لہجے میں بولا۔

"بیوی منائی کی رسم"

ڈرائنگ روم میں پھر قہقہے گونجے اور اب کی بار اربش نے بھی اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"چلیں؟"

حاشر نے اربش کو مخاطب کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بھابھی سے گلے ملنے لگی۔

"ہمیشہ خوش رہو"

بھائی نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر مختصر مگر قیمتی دعا دی۔

حاشر، فیصل سے بغل گیر ہوا اور دونوں قدم سے قدم ملا کر باہر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

دوران سفر دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔

گھر آتے ہی سب سے پہلے اربش نے کچن کا رخ کیا۔ اپنے اور حاشر کے لیے چائے بنائی۔

ناشتہ کیا پھر کچن صاف کرنے لگی۔

حاشر، کافی دیر اس سے بات کرنے، معافی مانگنے کے انتظار میں بیٹھا رہا مگر جب وہ فارغ نظر نہ آئی تو وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پورے ایک گھنٹے بعد وہ اپنا بیگ لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔

حاشر بیڈ پہ نیم دراز اپنے فون میں مصروف تھا۔

اربش نے ایک نظر اسے دیکھا اور بیگ بیڈ پہ ڈال کر اس میں سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

"اربش!"

"ہوں"

"ناراض ہو مجھ سے؟"

اربش نے بنا نظر اٹھائے ہلکے سے مسکرا کر کہا۔

"نہیں۔۔"

پھر وہ اپنے کپڑوں کو الماری میں رکھنے کے لیے مڑی ہی تھی کہ حاشر نے اس کی کلائی کو اپنے مضبوط ہاتھ میں تھاما اور کھینچ کر اسے اپنے سامنے بیڈ پر بٹھا دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے اور دھیمی، کانوں میں رس گھولتی آواز میں گویا ہوا۔

"میں مانتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مجھے اس وقت تم پہ یقین کرنا چاہیے تھا لیکن میں کیا کرتا یار! میں تمہارے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دیکھ کر دل برداشتہ ہو گیا تھا اور اوپر سے اس کے کہے گئے الفاظ۔۔

اس وقت میرا دماغ بالکل آؤٹ ہو گیا تھا۔ تم بتاؤ؟ اگر تم میری جگہ ہوتیں تو کیا تمہیں غصہ نہ آتا؟

اور تمہیں مجھ پہ اتنا بھی یقین، اتنا بھی بھروسہ نہیں تھا کہ تم خود مجھے ہر بات بتا سکو؟

کیوں اتنی بزدلی، اتنا ڈر، جب تم نے کچھ غلط کیا ہی نہیں تھا۔

میں نے تم سے کہا کہ چلی جاؤ اور تم فوراً چلی بھی گئیں مجھے یوں چھوڑ کر۔ میرا غصہ ٹھنڈا ہونے تک کا تو انتظار کرتیں۔ قسم لے لو اربش! اگر تم اس وقت بھی اپنے منہ سے مجھے ہر بات بتا دیتیں تو میں یقین کر لیتا تمہاری بات پر۔ لیکن شاید تم اب کسی پہ اعتبار کرنا ہی نہیں چاہتیں۔ تمہاری نظر میں شاید میں بھی تمہارے ماموں اور ان کے بیٹے جیسا آدمی ہوں۔ ہے ناں؟

اربش اس کی بات پر تڑپ کر بولی۔

"اللہ نہ کرے جو آپ کبھی ان لوگوں جیسے ہوئے۔ اللہ کی ذات کے بعد ایک آپ ہی تو ہیں جس پر مجھے اعتبار ہے"

"تو پھر اپنی پریشانی کو مجھ سے ڈسکس کیوں نہیں کیا؟ شوہر ہوں تمہارا۔ تمہاری ہر پریشانی، ہر ایک بات سے باخبر رہنے کا مجھے حق ہے"

"میں بس ڈر گئی تھی کہ کہیں آپ کے دل میں میری لیے فرق نہ آ جائے"

"اربش! کیا تمہیں لگتا ہے کہ تم غلط تھیں؟"

حاشر نے سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

اربش نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر ڈر کس بات کا یار۔۔! جب تم نے کچھ غلط کیا ہی نہیں تو تم کیوں ڈر گئیں؟ لوگ تو بڑے سے بڑا گناہ کر کے بھی کسی انسان سے تو کیا اپنے رب سے بھی نہیں ڈرتے۔ کسی بندے کی جان لیتے وقت بھی ان کے ہاتھ نہیں کانپتے تو پھر تم تو بے گناہ تھیں پھر بھی ڈر گئیں عام انسانوں سے؟ جن کے گریبان خود گناہ آلود ہیں۔

اگر یونہی برے لوگوں سے ڈرتی رہو گی تو تم ان کی بہادری اور برائی میں اور اضافہ کرو گی کہ جیسے کہانیوں میں ہوتا ہے کہ جتنا بدروحوں سے ڈرتے ہیں ان کی طاقت اتنی ہی بڑھتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ ڈرپوک لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں لیکن آخر میں کون ان بدروحوں کا خاتمہ کرتا ہے؟ جو، ان سے نہیں ڈرتا بلکہ ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ کسی سے ڈر کر اپنے کمرے میں بند ہو جاؤ گی تو فرق اسے نہیں، تمہیں پڑے گا۔ زندگی تمہاری مشکل ہو جائے گی اس کی نہیں۔ سچ کے لیے ڈٹ کر لڑو گی تو جھوٹ خود بہ خود بھاگ نکلے گا۔

اور اگر ہم واقعی میں اللہ، اس کے رسولوں، اس کے فرشتوں اور آخرت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم برے کام کرنے سے ڈریں گے۔ برے لوگوں سے نہیں"

اربش نظریں جھکائے خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے حسان کے ساتھ کیا ہوا؟"

اربش کے نفی میں سر ہلانے پر حاشر نے اسے ساری بات بتا دی۔

پوری بات صبر کے ساتھ سن کر اس نے ایک گہری سانس لی

"کسی نے صحیح ہی کہا ہے۔ دوسروں کے لیے کھودے گئے گڑھے میں انسان ایک دن خود ہی منہ کے بل گرتا ہے لیکن مجھے اس کی حالت پہ خوشی نہیں بلکہ افسوس ہے بہت افسوس۔ اللہ سے دعا ہے۔۔ کہ لوگ دوسروں کا برا چاہنے سے پہلے ہی اپنے انجام سے باخبر ہو جائیں اور لوگوں کی زندگیوں میں زہر نہ گھولیں"

اربش آمین کہہ کر خاموش ہوئی تو حاشر نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا

”کیا تمہیں کسی سے شکوہ نہیں ہے؟ مجھ سے بھی نہیں؟ کہ میں تو تم سے دل سے محبت کرتا ہوں پھر بھی تمہیں تکلیف پہنچانے کا باعث بنا“

اربش انتہائی ضبط سے بولی۔

”مجھے کسی سے بھی کوئی شکوہ نہیں ہے۔ جو گزر گیا اس سب سے مجھے اب کوئی مطلب نہیں“

”اچھا۔۔! مگر مجھے تو اب بھی تمہارے چہرے پہ اداسی نظر آ رہی ہے۔ کیا اس اداسی کو بھی کھینچ نکالنے کا کوئی حل ہے؟“

حاشر کا چہرہ اتنا سنجیدہ تھا کہ اربش فوراً اس کے پاس سے اٹھ گئی اور نارمل سے انداز میں کہنے لگی

”اداسی ہوئی ہے اس گھر کا حال دیکھ کر۔ میرے بغیر کیا حشر کر دیا گھر کا۔ ہر چیز کو ٹھکانے لگانا پڑے گا مگر سب سے پہلے یہ کپ۔۔

اس کے الفاظ بیچ میں ہی کھو گئے۔

حاشر نے اسے زور سے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا تھا اور وہ جو اپنے اندر سیلاب چھپائے کسی مہربان کندھے کی تلاش میں تھی ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اربش کے دل کا سارا غبار حاشر کی شرٹ میں جذب ہونے لگا۔

جب ہچکیوں سے اس کا وجود ہلنے لگا تو حاشر کے بازوؤں کا گھیرا مزید اس پہ تنگ ہو گیا۔

اسے اپنی غلطی کا بخوبی اندازہ تھا کہ اس نے اپنی گھر کی عزت پر شک کیا مگر خوشی بھی تھی کہ تمام شکوک پر محبت کا پلڑا بھاری رہا اور سارے شک دم توڑ گئے۔

اس نے دل میں ہی اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ جب تک اس کے جسم میں جان رہے گی وہ ہر انسانی کھال میں چھپے بھیڑیے سے اپنے خاندان کو بچائے رکھے گا۔ ان کی حفاظت کرے گا۔

☆......☆......☆

سینما ہال کی پہلی صف کی دو نشستیں بہزاد اور رخسار کی تھیں۔ رخسار، بہزاد کے آگے آگے چل رہی تھی۔ جگہ تک پہنچتے ہی رخسار اپنی بائیں ہاتھ والی نشست پر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ بہزاد نے اپنا ایک ہاتھ اس کے

کندھے اور دوسرا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا تو وہ بری طرح چونک کر بہزاد کی شکل دیکھنے لگی جو اسے نہیں بلکہ اپنی سیٹ کو دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"تم میری جگہ پر بیٹھو"

یہ کہہ کر رخسار کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بہزاد نے اس کے کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ بنا کوئی سوال کیے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ وہ بھی اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ بہزاد کے برابر میں کوئی لڑکا بیٹھا تھا۔

رخسار نے اس لڑکے کو دیکھا پھر زیر لب مسکرائی (اوہ۔۔ تو اس لیے مجھے اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ اب میں اسے کیا سمجھوں؟) اس نے بے اختیار اپنے بائیں بازو پر اپنا دائیاں ہاتھ عین اسی جگہ رکھا جہاں سے بہزاد نے اسے پکڑا تھا۔ وہ اب تک اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کر رہی تھی۔

فلم شروع ہوئی تو اس نے تمام سوچوں کو جھٹکا اور سامنے دیکھنے لگی۔

فلم اس کی سوچ سے زیادہ ڈراونی تھی۔ شروع ہوتے ہی چڑیل صاحبہ نے اپنا جلوہ دکھا کر ہال میں بیٹھے آدھے لوگوں کو ڈھیر کر دیا تھا۔

ایک محترمہ تو باقاعدہ حلق کے بل چیخے مار مار کر مس چڑیل کے ساتھ مقابلہ کرنے مصروف ہو گئی تھی

رخسار بھی اپنے دوپٹے کے پلو کو مٹھی میں بھینچے چوکنی بیٹھی تھی۔

چڑیل کے اچانک سامنے آنے سے اس نے فوراً اپنی آنکھوں پہ دوپٹا رکھ لیا۔

ہال سے دبی دبی چیخوں کی آوازیں آئیں، جن میں ایک آواز بالکل مختلف تھی، بہزاد کی ہلکی سی ہنسی کی آواز، جو پلک جھپکتے میں ہی مسکراہٹ میں بدل گئی۔

رخسار نے اس کے چہرے کو بڑی غور سے دیکھا۔ وہ سامنے اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔

اس نے بلو جینز پہ، پوری آستین والی گرے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔

سینے پر بازو لپیٹے، پیر قینچی صورت فرش پہ جمائے، وہ پھیل کر بیٹھا، بے نیازی سے چیونگم چبا رہا تھا اور وقفے وقفے سے اپنے سفید جوتوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا بھی رہا تھا۔

رخسار کے دل میں اچانک عجیب معصوم سی خواہش پیدا ہوئی۔

اس کا ایک دم سے جی چاہا کہ وہ اس کے مضبوط بازو پر اپنے ہاتھ رکھ کر اس کے کندھے پہ اپنا سر ٹکا لے مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے ان جذبات کی سختی سے نفی کی۔

”رخسار! تمہارا دماغ اپنے ٹھکانے پر نہیں ہے۔تم ہارر مووی دیکھنے آئی ہو، رومینٹک مووی نہیں، جو ایسی فضول قسم کی سوچیں اپنے دماغ میں لا رہی ہو۔خواہ مخواہ اپنی بے عزتی کراؤ گی“

سوچتے سوچتے اس کی نظر پھسل کر اپنے اور بہزاد کے پیروں پر گئی۔رخسار نے بھی خوبصورت سی چپل پہن رکھی تھی۔

دل ایک بار پھر منمنایا۔

”ہائے۔۔ان کے اور میرے پیر ساتھ ساتھ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔کچھ نہیں تو چھپکے سے ایک تصویر تو لے ہی سکتی ہوں کونسا انہیں پتا لگے گا“

یہ سوچ کر، چور ہاتھوں سے اس نے اپنے بیگ میں سے فون نکال کر کیمرہ کھولا اور پہلے یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ بہزاد اسے نہیں دیکھ رہا، اس نے ایک نظر اسے دیکھا۔۔اور رخسار کا دل اچھل کر اس کے حلق میں آ گیا۔

وہ دشمن جاں اسی کو دیکھ رہا تھا۔

رخسار کی اڑتی رنگت دیکھ کر اس نے بھویں سکیڑیں

”کوئی مسئلہ ہے؟“

رخسار نے اس کی شکل دیکھتے ہوئے انگوٹھے کی مدد سے بٹن دبا کر فون بند کیا پھر ہلکے سے نفی میں گردن ہلا کر فلم کی طرف متوجہ ہوگئی۔اپنی حرکتوں پر اپنا ہی سر پیٹنے کا من کیا۔

بہزاد نے کندھے اچکائے اور واپس سے چڑیل کی حسین زلفوں اور موتی کی طرح چمکتی آنکھوں میں کھو گیا۔

اس سب کے بعد رخسار کی آدھی فلم ہونٹ کچلتے اور انگلیاں چٹکتے گزر گئی۔

☆......☆......☆

”پہلی بار کوئی ہارر مووی دیکھنے میں سینما آیا ہوں اور مجھے یہ ڈراونی کم مزاحیہ فلم زیادہ لگی۔ ایک تو مجھے بھوتوں کی یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ وہ اچانک سے سامنے آکر کیوں ڈراتے ہیں۔ ارے تم بھوت ہو، ذرا پیار سے بھی سامنے آؤ گے تب بھی لوگ تم سے ڈر ہی جائیں گے اور دوسری بات یہ کہ بیچاری چڑیلوں کے پاس صرف سفید رنگ کے کپڑے ہی کیوں ہوتے ہیں؟“

سینما سے واپس گھر جاتے ہوئے بہزاد، گاڑی چلاتے ہوئے ہنس ہنس کر ہارر مووی میں کیڑے نکال رہا تھا اور رخسار خاموش بیٹھی سنجیدگی سے اسے سن رہی تھی۔

”اور وہ پیچھے بیٹھی آنٹی میرے کان میں اتنی زور زور سے چیخ رہیں تھی کہ عین ممکن تھا، چڑیل انہیں مخاطب کر کے بولتی کہ 'لو بہن تم ہی میری جگہ ڈرا لو اور۔ اور تم بھی اتنی خوف زدہ نظر آرہیں تھی“

رخسار نے لفظ 'تم' پر اس کی طرف دیکھا

”ہاں تو۔ فلم ڈراونی ہی اتنی تھی۔ ڈر کیوں کرنہ لگتا؟“

”یار! اصل میں تھوڑی ہوتے ہیں یہ بھوت شوت“

”لیکن جن تو ہوتے ہیں ناں۔ جب جن کسی پہ عاشق ہو جاتا ہے یا کسی سے دشمنی کرتا ہے تو انسان کا حال بھی اتنا ہی خطرناک ہو جاتا ہے۔ میں نے دیکھی ہیں وہ وڈیوز جس میں بابا، انسان میں سے جن نکال رہے ہوتے ہیں اور کچھ جالی بابے تو شیاطین سے مدد لیتے ہیں جس کے بدلے میں شیاطین ان سے غلط کام کراتے ہیں۔ استغفراللہ“ رخسار نے جھرجھری سی لی۔

بہزاد کو اس کی شکل اور باتوں نے خوب مزہ دیا تو وہ گاڑی سنسان سڑک پر ڈال کر مزید اس سے جنات کی باتیں کرنے لگا۔

”مطلب کہ جن کیسے کسی انسان پر عاشق ہو سکتے ہیں یا ان پہ حاوی ہو سکتے ہیں؟“

”ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی اللہ کے اذکار سے دور رہتا ہے، کہی ناپاک جگہوں پر جائے تب بھی اللہ کی پناہ طلب نہیں کرتا خبیث جن و شیاطین سے، اپنے ذہن کو فحاش اور غلط سوچوں کا اڈا بنالیتا ہے یا خود ناپاک رہتا ہے اور اگر کوئی لڑکی بال کھول کر، خوشبو لگا کر غلط وقت میں کسی برگد وغیرہ کے پیڑ کے پاس جاتی یا گزرتی ہے تو جن

اس سے چمٹ جاتا ہے وغیرہ وغیرہ“

”اچھا۔۔۔تمہیں یہ سب کیسے پتا؟“

”کہانیوں میں پڑھا ہے، لوگوں سے، مولویوں سے سنا ہے اور میری نانی، دادی بھی بتاتی رہتی تھیں مجھے۔ایک دفعہ میری نانی نے بتایا تھا کہ ان کی چھوٹی بہن پر کوئی جن ہاوی ہو گیا تھا۔ پتا ہے ان کی کیسی حالت ہو گئی تھی؟

وہ کوئلے چبا لیتی تھیں، دوسری زبانیں بول اور لکھ لیتی تھیں اور۔۔۔اور ایک دفعہ تو ان کی زبان باہر آ گئی تھی اتنی ساری“

رخسار کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔بہزاد نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی۔

”یہ نانیاں، دادیاں تو بات کو اتنا بڑھا چڑھا کر بتاتی ہیں اور کچھ تو ان کی اپنی بنائی کہانیاں ہوتی ہیں“

رخسار نے اس کو ٹوکا۔

”ایسے نہیں کہنا چاہیے۔اگر سچ میں ایسا ہو گیا ناں آپ کے ساتھ تو پھر لگ پتا جانا ہے“

بہزاد مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

”تم تو اب مجھے ڈرانے لگی ہو“

”آیت الکرسی پڑھ کے پھونک لیں کچھ نہیں ہوتا“

وہ واقعی میں ڈری ہوئی تھی۔

”کیا تم نے کبھی دیکھا ہے جن؟“

”پتا نہیں۔۔۔ایک بار شاید ایسا محسوس ہوا تھا، میں یقین سے نہیں کہہ سکتی، جن وشیاطین کو دیکھنے کا دعویٰ تو کوئی عام بشر نہیں کر سکتا خیر۔۔۔ہم شادی سے واپس آ رہے تھے تب ایک سفید بلی کو دیکھا تھا جس کی آنکھیں اچانک سے لال ہوتی محسوس ہوئیں تھی اور۔۔۔

رخسار کی بات ابھی مکمل ہوئی ہی نہیں تھی کہ بہزاد نے زوردار بریک لگایا اور انتہائی ڈرے ہوئے لہجے میں تیزی سے بولا

”دیکھو! گاڑی کے آگے سے کون بھاگا“

رخسار کے تو ہاتھوں کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔

ایک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور بے اختیار اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

اور پھر بہزاد کے بلند قہقہے گاڑی میں گونجے۔

”ہاہاہا۔۔۔یار! کتنی ڈرپوک ہو تم۔توبہ“

رخسار نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر زور زور سے دھڑکتے دل کو اعتدال پہ لانے کی کوشش کی پھر ایک دم اس کے گالوں پر غصے کی سرخی نمودار ہوئی۔

اس نے سخت سست سنانے کے لیے کھا جانے والی نظروں سے بہزاد کی طرف دیکھا مگر اس کی نظر بہزاد کے سفید نوکیلے دانتوں پر ٹھہر گئی، جو اس کے ہنسنے کی وجہ سے دکھ رہے تھے اور رخسار کی دنیا وہیں تھم کر رہ گئی۔

”تم مجھے اتنا گھور کیوں رہی ہو؟“

بہزاد کی آواز پر وہ چونکی۔

لمحہ بھر کو خاموش رہ کر اس نے تھوک نگلا پھر معصومیت سے بولی

”میں گھور تو نہیں رہی“

”اچھا، تو پھر آنکھوں سے اس طرح دیکھنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟“

”دیکھنا ہوتا ہے، گھورنا نہیں“

بہزاد نے ہاتھ سے مکھی اڑائی۔

”ایک ہی بات ہے“

”ایک بات نہیں ہے۔گھورتے لڑکے ہیں۔لڑکیاں صرف دیکھتی ہیں“

رخسار نے بڑی مہارت سے بات گھمائی۔

”اور یہ بات کس مہان ہستی نے کہی ہے؟“

رخسار نے زبان سے کچھ نہیں کہا مگر دل میں سوچا (بدتمیز! ایسے ہی بول دیا کہ کیوں گھور رہی ہو۔میں کیا کوئی

آوارہ لڑکی ہوں جو گھوروں گی۔اب اتنے بھی کوئی ہینڈسم نہیں ہیں آپ! ہونہہ)

"ویسے تم مجھے کچھ الجھی الجھی سی محسوس ہو رہی تھی۔اگر تمہیں مجھ سے کچھ پوچھنا یا کہنا ہے تو بلا جھجک کہو ،میں سن رہا ہوں"

بہزاد نے انگلیوں سے اسٹیرنگ بجاتے ہوئے دوستانہ سے انداز میں کہا

"کیا پوچھوں؟ کیا کہوں؟ خود کو نہیں دکھتا کیا؟ سانپ کی طرح میرے دل پہ کنڈلی مارے بیٹھے ہو اور معصومیت سے پوچھتے ہو، کچھ کہنا چاہتی ہو کیا۔دل چاہتا ہے آپ گلا دبا دوں اس معصومیت پر۔اور یہ اپنی سحر زدہ آنکھوں کو ذرا قابو میں کرو، ورنہ نوچ لونگی۔

مسٹر بہزاد! مجھے پاگل تو آپ کر چکے ہیں لیکن یاد رکھیے گا، اگر دوبارہ مجھے چھوڑنے کی بات کی تو آپ کو اپنے ساتھ کھینچ کر پاگل خانے لے جاؤنگی"

رخسار کے ذہن میں گھومتے جملے بہت خطرناک تھے جو وہ زبان پر لانے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی اس لیے بس اتنا ہی کہہ سکی

"نہیں مجھے تو کچھ نہیں کہنا۔آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے"

کہہ کر وہ سائیڈ ونڈو سے باہر دیکھنے لگی

"نہ کہو۔میں کونسا تمہیں سننے کو مرا جا رہا ہوں"

بہزاد بڑبڑایا

"ڈریکولا"

رخسار بھی بڑبڑائی۔

گاڑی میں کچھ پل خاموشی چھائی رہی جسے بہزاد نے ہی توڑا

"اپنے کمرے میں جاؤ تو آئینے میں زیادہ دیر کھڑی مت رہنا اور لائٹ بند کرنے سے پہلے چاروں طرف کا جائزہ لے لینا، کہیں کسی دیوار پہ کوئی چڑیل نہ چپکی ہو اور بالوں کو کھول کر مت سونا ورنہ۔۔

"چپ کر جائیں۔۔۔کیوں ڈرا رہے ہیں مجھے۔۔؟"

رخسار جھنجھلائی

''ارے۔۔ضروری ہدایات دے رہا ہوں''

''بہت شکریہ''

بہزاد اس کا چہرہ دیکھ کر مسکرایا اور میوزک کی آواز تیز کر دی جبکہ رخسار زیر لب آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

گھر پہنچ کر دونوں اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

رخسار واقعی میں، نہ زیادہ دیر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور نہ اپنے بال کھولے اور لائٹ بھی بند کیے بغیر ہی اپنے بیڈ پر آ گئی۔

''ایسا نہیں کہ کہہ دیتے، میرے کمرے میں پڑے صوفے پر ہی سو جاؤ آج رات۔ بلکہ اور ڈرا دیا۔ خیر اب میں اتنی بھی ڈرپوک نہیں، جو کسی کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاؤں''

اس نے ہونہہ کر کے کمبل میں منہ ڈالا اور جوں ہی آنکھیں بند کیں، چڑیل کا سراپا سامنے آ گیا، جلدی سے آنکھیں کھولیں

''اف۔۔اب نہیں جاؤنگی اس شخص کے ساتھ بھوت والی فلم دیکھنے۔ جانکر مجھے ہارر مووی دکھائی ہے صرف ٹارچر دینے کے لیے۔لیکن میں نہیں ڈرتی کسی چڑیل شڑیل سے''

وہ گردن کڑا کر اٹھی اور لائٹ بند کی مگر اگلے ہی پل ہڑبڑا کر واپس کھول دی اور دل کو فوراً ایک خیال سے بہلایا

''لائٹ کھول کر سونا چاہیئے۔اس سے بندہ محفوظ رہتا ہے''

بہزاد کچھ سوچ کر اپنے کمرے سے نکلا اور رخسار کے کمرے کے بند دروازے کی دہلیز سے نکلتی روشنی دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرا کر زیر لب بڑبڑایا

''ڈرپوک لڑکی''

☆......☆......☆

نور کے اگزام قریب آ رہے تھے جن کی وجہ سے وہ دیر رات تک جاگ کر پڑھتی تھی۔

اس وقت بھی وہ پڑھ رہی تھی جب اسے ہلکی پھلکی سی بھوک کا احساس ہوا۔

اس کے یونی بیگ میں بسکٹ کا پیکٹ تھا، اس نے وہ نکالا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر پیکٹ کو گھورا۔

''سوکھا سوکھا تو حلق سے اترے گا نہیں۔کافی ہی بنالاتی ہوں''

وہ اپنے کمرے سے نکلی۔گھر کی تقریباً ساری لائٹیں بند تھی مطلب سب اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔

اس نے کچن میں آ کر لائٹ آن کی۔فریج سے دودھ کا ڈبہ نکال کر پین میں انڈیلا۔چولہے پہ چڑھا کر ایک کپ میں کافی، چینی اور تھوڑا سا پانی ڈال کر مکس کرنے لگی۔

وہ کافی پھینٹنے میں مصروف تھی کہ اچانک سلمان کی آواز پر چونکی جو نا جانے کب سے کچن کے دروازے پر کھڑا تھا۔

''اوہو، کافی بنائی جارہی ہے۔ایک کپ مجھے بھی مل سکتی ہے؟''

نور کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔

اسے فضول میں فری ہونے والے لڑکے زہر کی طرح لگتے تھے یا شاید وہ خود کو ایک ہی شخص تک پابند کر چکی تھی اور اس کے علاوہ کوئی اور دل کو بھاتا ہی نہیں تھا۔

دل پر جبر کر کے وہ اس کے لیے بھی کافی بنانے لگی۔تکلیف اسے سلمان کے لیے کافی بنانے پر نہیں بلکہ اس کے دروازے پہ جم کے کھڑے ہو جانے پر تھی۔

وہ اس کی گھورتی آنکھوں کو اپنی پشت پہ محسوس کر سکتی تھی۔نور نے اپنے سر پہ دوپٹہ لے لیا کہ شاید سلمان ،شرمندہ ہو کر ہی وہاں سے چلا جائے مگر وہ بھی ڈھیٹ ہڈی تھا ٹس سے مس نہ ہوا۔

''ویسے تم بڑی چپ چپ، ریزروسی رہنے والی لڑکی ہو۔لڑکوں سے دوستی کرنے میں بڑی دیر لگاتی ہوں گی اور تمہارا دوست بننے والا بھی خود کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہو گا مگر۔۔ہماری ایسی قسمت کہاں کہ آپ سے دوستی کا شرف حاصل ہو''

سلمان کو آج اتنے مہینوں بعد اکیلے میں نور سے بات کرنے کا موقع مل ہی گیا تھا۔

نور کے کافی بناتے ہاتھ ایک دم تھمے اور وہ انتہائی سخت لہجے میں بولی

”مجھے لڑکوں سے دوستی کرنے کا کوئی شوق نہیں“

”بالکل ٹھیک۔۔غیر لڑکوں سے تو دوستی کرنی ہی نہیں چاہیے لیکن میں تو تمہارا کزن ہوں اور اتنے مہینوں سے ہمارے گھر میں ہو، تھوڑی بہت بات چیت تو کر ہی لینی چاہیے۔ کچھ اپنی کہو کچھ ہماری سنو ایسے ہی گزر جائے گی یہ حسین زندگی“

اس کا انداز نور کی نظر میں، گلی کے نکڑ پہ کھڑے ایک آوارہ لڑکے جیسا تھا جبکہ سلمان اپنے آپ کو بڑا ہی کوئی ڈیسنٹ سا بندہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی یہ باتیں نور کے دل میں اتر رہی ہیں۔

(خوش فہم)

”میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے لڑکوں سے دوستیاں بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ کزن ہو یا نہ ہو مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا“

نور کا بس چلتا تو وہ اس کے سر پہ پلیٹ کھینچ کر مار دیتی۔

سلمان شریر سا ہنسا

”مطلب کہ تم لڑکوں میں انٹرسٹڈ ہی نہیں ہو اسی لیے شادی سے بھی مکر گئیں۔ ایسا ہی ہے؟“

اب وہ کچھ زیادہ ہی بکواس کر گیا تھا۔

نور نے سلمان کی کافی آدھی ادھوری چھوڑی اور اپنے کافی کے کپ کو مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ کر پلٹی اور ہر لفظ چبا چبا کر ادا کیا

”آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ آپ میری پرسنل زندگی میں دخل اندازی کی کوشش کریں۔ میں کس میں انٹرسٹڈ ہوں اور کس میں نہیں، اس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

اگر آپ کو میری۔۔نہیں بلکہ اپنی عزت کا خیال ہے تو دوبارہ مجھ سے فری ہونے کی کوشش مت کیجیے گا“

وہ کہہ کر اس کے ساتھ سے گزری ہی تھی کہ سلمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”ارے آپ تو ناراض ہی ہو گئیں۔ میں تو۔۔

”ہاتھ چھوڑیں میرا ابھی اسی وقت“

نور کا لہجہ اتنا پر تپش تھا کہ سلمان نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''اچھا۔۔میری کافی تو پوری بنا دو''

''وہ۔۔ادھر رکھا ہے سب کچھ۔خود بنا لیں''

اس نے کچن کاؤنٹر کی طرف اشارہ کیا اور وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی ہی تھی کہ سمیعنہ بھابھی پتا نہیں کہاں سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔یعنی کہ اس کا آدھی رات کو کافی بنانا عذاب ہو گیا تھا۔

''تو آدھی رات کو اپنے اور سلمان کے لیے کافی بنائی جا رہی تھی۔ویسے ٹھنڈی راتوں میں کافی پینے کا اپنا ہی مزہ ہے''

بظاہر تو انھوں نے مسکرا کر کہا تھا مگر نور، ان کا طنز پا گئی تھی۔

وہ بھی مسکرا کر عام سے انداز میں بولی

''نہیں۔۔میں نے صرف اپنے لیے بنائی ہے۔سلمان بھائی تو اپنے لیے خود بنا رہے ہیں۔

اب میں جاؤں؟ مجھے پڑھنا بھی ہے''

''ہاں جاؤ''

سمیعنہ بھابھی نے اس کا راستہ چھوڑا تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے میں چلی گئی۔

کمرے میں آتے ہی اس نے سائیڈ ٹیبل پہ کافی کا کپ زور سے پٹخا۔

اپنے آپ ہی ہاتھ فون کی طرف بڑھا۔تیزی سے چلتے ہاتھوں سے پہلے اس نے حمدان کی واٹس ایپ کی تصویر اور اسٹیٹس چیک کیا جو کہ نا جانے کتنے مہینوں سے غائب تھا یا پھر اس نے نور کے نمبر غیر محفوظ کر رکھے تھے۔ جھنجلا کر، اس کا فیس بک اور انسٹرا گرام اکاؤنٹ بھی ایک بار پھر ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر شاید ادھر بھی وہ بلاک تھی۔

اس نے فون کو ایک جھٹکے سے بیڈ پہ پھینکا اور غصے میں بڑبڑائی

''کیا سمجھتے ہو مسٹر حمدان! میں تمہارے لیے مری جا رہی ہوں یا یہ کہ تمہارے جیسا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں اس دنیا میں؟ ہونہہ، خوش فہمی ہے تمہاری۔میں بھی تمہیں بھول جاؤنگی جیسے تم مجھے بھول رہے ہو یا شاید بھول گئے ہو

۔یہ وہ پورانا لیلی مجنووالا زمانہ نہیں رہا کہ انسان محبت میں پاگل ہوجائے اور یہ تو بالکل بھی مت سمجھنا کہ میں نے تمہاری وجہ سے شادی سے انکار کیا۔میں سچ میں آگے پڑھنا چاہتی تھی اور میں اتنی،اتنی محنت کروں گی کہ سب کواچھے سے پتا لگ جائے گا کہ مجھے آگے پڑھنے کا کتنا شوق ہے۔

مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں،حمدان عبداللہ!جیواپنی زندگی آزادی سے۔اب فاطمہ سے شادی کرو یا چار شادیاں کرو میری بلا سے۔

اوراب تو پکا،میں اس گھر میں بھی نہیں رہونگی''

اس نے ہررات سوچے گئے جملوں کو پھر سے ذہن میں دہرا کر دل ہلکا کرنا چاہا مگر دل کے بوجھ میں اضافہ ہوئے جارہا تھا۔ایک یاد بھلانے کی کوشش کرتی تو دو یادیں مزید بھاگ کر آتیں اور جانے والی یاد کا راستہ بھی روک لیتیں۔بے بسی سی بسی تھی۔

نور نے بے دلی سے،ٹھنڈی ہوجانے والی کافی،کسی کڑوی دوائی کی طرح حلق سے اتاری اور سوکھے بسکٹوں کو زہر مار کرنے لگی۔

☆......☆......☆

''کیا آپ کی اور ہمایوں انکل کی محبت کی شادی تھی؟''

شیرین،صبح سے بہزاد ہمایوں کے گھر میں موجود تھیں اور دونوں ساس بہوئیں دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے گپیں مارنے میں مصروف تھیں۔

''ارے کہاں۔ہمایوں،میرے ماموں کے بیٹے ہیں اور اپنی جوانی میں تو بھئی وہ اتنے خوبرو ہوا کرتے تھے ۔ابھی بھی ہیں۔۔لیکن جوانی کی تو بات ہی الگ ہوتی ہے۔

خیر،وہ خاندان کے سب سے ہینڈسم اور سلجھے ہوئے شخص تھے۔پیاری پیاری لڑکیاں ان پر فدا تھیں اسی لیے میں ذرا ان سے دور ہی رہتی تھی۔پہلی بات تو یہ کہ میری بھی کوئی عزت تھی بھلا ایک لڑکی ہو کر میں کسی لڑکے کے آگے پیچھے گھوم کر اسے اپنی ادائیں کیوں دکھاؤں؟مجھے تو ایسی لڑکیاں زہر لگتی ہیں جو لڑکوں سے اپنی عزت نہیں کرواپاتیں اور دوسری بات یہ کہ پہلے ہی ان کے لیے اتنی خوبصورت لڑکیاں بیٹھی تھیں ایسے میں مجھ پہ کہاں نظر

پڑنی تھی۔ دن یونہی گزرتے رہے۔ میں گریجویٹ بھی ہوگئی۔ رشتے آتے، کبھی کسی سے بات بھی پکی ہوجاتی مگر پھر کسی وجہ سے رشتہ ختم ہوجاتا۔

ایسے ہی ایک دن میں اپنی دوست کی شادی سے گھر آئی تو چھوٹا بھائی میرے آگے پیچھے گھوم گھوم کر شادی کے گانے گانے لگا۔ پہلے تو میں سمجھی کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ میں نے اماں سے اس کی شکایت کی تو اماں نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر میرا ماتھا چوما اور مٹھائی میرے منہ میں ڈال کر بولیں کہ مبارک ہو بیٹا ہمایوں سے تمہارا رشتہ طے ہوگیا ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ کون ہمایوں اور جب انھوں نے بتایا کہ ماموں کا بیٹا تو بس میں تو ادھر ہی حیرانیوں کے سمندر میں ڈوب گئی کہ جس انسان کا خیال میں ذہن میں لانے سے بھی ڈرتی تھی وہی میری زندگی کا ساتھی بننے والا ہے۔ میں ہمایوں کا ساتھ پا کر بہت خوش تھی اور اللہ کا شکر ہے کہ ابھی تک خوش ہوں''

شیرین نے بڑی ہی حسین مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے کہا، تو رخسار کے منہ سے بھی بے ساختہ ماشاءاللہ نکلا۔

''میرے شادی کے ایک سال بعد خوشخبری ملی۔ لیکن بس خدا کو یہی منظور تھا کہ کچھ مہینوں بعد ہی وہ خوشخبری دنیا میں آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی ورنہ شاید بہزاد کے اور بھی بہن بھائی ہوتے''

رخسار کے ہونٹ 'اوہ' میں سکڑے

''شادی کے پورے دس سال بعد بہزاد آیا ہے اس دنیا میں۔

ماشاءاللہ، اتنا خوبصورت اور خوب سیرت بیٹا میرا''

رخسار نے اپنی دونوں بھویں ایک ساتھ اٹھائیں (ہاں۔ بہت ہی زیادہ خوب سیرت)

''مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس کی آنکھیں نیلی کیسے ہیں پھر ہمایوں نے کہا کہ ہماری آنکھیں ہلکی بھوری ہیں تو اس لئے شاید بیٹے کی آنکھیں نیلی ہوگئیں۔

اس کا مطلب کہ انشاءاللہ تم لوگوں کے بچوں کی آنکھیں تو ہری رنگ کی ہونگی''

شیرین کی بات پر رخسار کی مسکراہٹ سمٹی۔ دل نے اچانک بیٹ مس کی۔

شیرین کہہ رہی تھیں۔

"لیکن ایک بات کا غم رہے گا کہ میں اماں کے آخری لمحوں میں ان کے پاس نہیں تھی۔ جب بہزاد پیدا ہونے والا تھا تو میں اماں سے اس بات پہ ناراض تھی کہ وہ لندن میرے پاس رکنے نہیں آ رہیں اور اسی وجہ سے میں نے فون پہ ان سے بات کرنا چھوڑ دی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اماں کی طبیعت خراب ہے اور وہ ہسپتال سے مجھ سے بات کرتی تھیں اور ان کے انتقال کی خبر بھی مجھے کسی نے نہیں دی کہ کہیں میری طبیعت بھی نہ بگڑ جائے۔ بعد میں جب مجھے بتایا گیا تو میں اتنا روئی، مجھے ایسا بخار چڑھا کہ بہزاد کو بھی میں نہیں بلکہ ہمایوں سنبھالتے تھے۔

مجھے اس بات کا زیادہ دکھ تھا کہ میں ان سے ناراض تھی۔ ان کے آخری دنوں میں ان سے بات بھی نہ ہوئی انھیں دیکھا بھی نہیں۔ نہ ان کو پیار کر سکی، نہ ان سے پیار لے سکی۔

میں تو سب کو یہی کہتی ہوں کہ حالات جیسے بھی ہوں۔ نہ تو ماں باپ سے ناراض ہونا چاہیے، نہ ان کو ناراض کرنا چاہیے کیونکہ ماں باپ کبھی بھی اپنے بچوں کا برا نہیں چاہتے اور جو برا چاہتے ہیں وہ اپنے اور اپنے بچے دونوں کے پیر پر کلہاڑی مارتے ہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان کی قدر اور بھی بڑھ جاتی ہے اور پھر سمجھ آتا ہے کہ ماں باپ کی لگائی گئی روک ٹوک اور ان کے کیے گئے فیصلے ہمارے لیے کتنے درست تھے"

شیرین نے اپنی آنکھ کا بھیگا کونا صاف کیا۔

رخسار کی آنکھوں میں بھی کب پانی آیا، اسے اس کا ذرا بھی اندازہ نہ ہوا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار اپنے امی ابو کا چہرہ گھومنے لگا

اچانک دونوں کی سوچیں گاڑی کے ہارن کی آواز سے ٹوٹی۔

"ہمایوں آ گئے ہونگے مجھے لینے۔ چلو اب چلتی ہوں میں بھی"

شیرین، اپنا پرس تھام کر کھڑی ہوئی۔

"آنٹی! رک جائیں ناں، رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔ انکل کو بھی گھر میں بلا لیں"

"ارے نہیں بیٹا! صبح تو تم لوگوں کے ساتھ ہی ناشتہ کر کے مجھے چھوڑ کر گئے تھے اور ویسے بھی انہوں نے کہا تھا کہ رات کا کھانا کسی ریسٹورینٹ میں کھائیں گے بلکہ، تم چلو ہمارے ساتھ۔ بہزاد کو تو نا جانے کب عقل آئے گی۔ صبح ناشتہ کر کے گیا اور ابھی تک اپنی شکل نہیں دکھائی"

''نہیں آنٹی! میں کیوں کباب میں ہڈی بننے لگی اور بہزاد کی کال آتی رہتی ہے جب وہ باہر ہوتے ہیں۔ شاید وہ بھی باہر سے ہی کچھ کھانے کو لے آئیں میرے لیے''

اس نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا تھا۔

''اچھا۔۔چلو اپنا خیال رکھنا''

''آنٹی۔۔۔!''

رخسار نے ایک دم انہیں پکارا تو انھوں نے مڑ کر دیکھا۔

''آپ کی، میری امی سے بات ہوتی ہے؟''

''ہاں۔کچھ مہینے پہلے ہوئی تھی''

''کیا آپ امی کے نمبر دے سکتی ہیں مجھے؟''

''بالکل دے سکتی ہوں بلکہ گاڑی میں بیٹھتے ہی تمہیں واٹس ایپ کرتی ہوں۔خوش رہو''

شیرین نے اس کا گال تھپتھپایا اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد انھوں نے رخسار کو نمبر بھیجے۔

رخسار نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نمبر پہ کال کی۔

وہ بے چینی سے لب کاٹتی، ادھر ادھر چکر لگاتی، دوسری طرف سے جواب کا انتظار کرتی رہی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

رخسار کی آنکھوں میں ایک بار پھر پانی بھر گیا۔

اس نے فوراً سے میسج ٹائپ کیا

''میں آپ لوگوں کو بہت زیادہ مس کر رہی ہوں امی! مجھ سے بات کریں''

وہ پیغام بھیجنے ہی والی تھی کہ اسی وقت رداء کی کال آنے لگی

اس نے میسج بھیجنے کی بجائے کال رسیو کی۔

''ہیلو''

رخسار کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''کیا ہو گیا؟ میں ابھی زندہ ہوں، رو کیوں رہی ہو؟ خیر چھوڑو۔فٹافٹ گھر سے باہر نکلو ورنہ میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤنگی''

رخسار الجھی

''کہاں جانا ہے؟''

''یار۔۔!بھلکڑ آج کنسرٹ ہے بھول گئیں؟ جانا ہے یا نہیں؟''

''اوہ۔۔میرے تو دماغ سے ہی نکل گیا تھا۔میں بس پانچ منٹ میں تیار۔۔۔

''ایک منٹ میں باہر آؤ سمجھی''

''اچھا اچھا، آ رہی ہوں''

فون بند کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔فون بیگ میں ڈالا۔چپلیں پاؤں میں گھسائیں۔ بالوں کا ٹیڑھا میڑھا سا جوڑا بنا کر سر پہ اسکارف اوڑھا۔گھر کی غیر ضروری لائٹیں بند کیں اور گھر سے باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

خالہ اور ان کے گھر کے باقی افراد لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔نور بھی انہی کے ساتھ بیٹھی تھی کیونکہ خوش قسمتی سے سلمان گھر میں موجود نہیں تھا۔

اس نے سامنے، صوفے پر بیٹھے ثوبان کو مخاطب کیا

''ثوبان بھائی! کیا آپ نے پتا کیا؟''

''آ۔ہاں، میں بتانا بھول گیا تھا۔میرا ایک کولیگ ہے حاشر، اس کا گھر تمہاری یونی سے تقریباً بیس منٹ کے فاصلے پر ہے۔گھر میں بس وہ، اس کی بیوی اور بیٹی ہی رہتے ہیں۔میں نے اس سے بات کی تھی تمہارے لیے۔اس نے اپنی وائف سے مشورہ کرنے کے لیے وقت مانگا تھا۔آج اس نے کہا کہ تم ان کے گھر میں رہ سکتی ہو۔بہت اچھے لوگ ہیں۔میں تمہیں ان لوگوں کی شرافت کی گارنٹی دیتا ہوں''

طاہرہ خالہ درمیان میں بولیں

''یہ کیا باتیں کر رہے ہو تم لوگ؟ کہاں جا رہی ہو تم؟''

نور نے اطمینان سے ان کی طرف دیکھا

''خالہ! یہاں سے مجھے یونیورسٹی بہت دور پڑتی ہے اور اگزامز میں تو اور بھی دھیان رکھنا پڑتا ہے اسی لیے میں نے سوچا کہ کچھ مہینے کرائے پر ثوبان بھائی کے کسی جاننے والے اور بھروسہ مند لوگوں کے گھر رہ لوں''

''میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ گھر میں تین تین مرد ہیں، تمہیں یونہی چھوڑ دیا کریں گے لیکن تمہیں اچھا نہیں لگتا، پھر رکشہ والا ڈھونڈا تو وہ بھی اتنا ضعیف کہ رکشہ اتنی ہلکے چلاتا ہے اور پیسے ہر مہینے، تم اسے اتنے سارے دے دیتی ہو۔کوئی دوسرا رکشہ یا کوئی بس لگ والو۔

کسی اور کے گھر میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔اکیلی لڑکی ہو کسی دوسرے پر بھروسہ کرنے سے ڈر لگتا ہے بیٹا! تمہیں کیا پتا کہ کون کیسا ہو۔کس کے دماغ میں کیا چل رہا ہو''

''اب آپ کو کیا بتاؤں خالہ! کہ میں آپ کے بیٹے اور بہو کی نظروں سے بچنے کے لیے یہاں سے جا رہی ہوں۔اگر مزید یہاں رکی تو آپ کی شکی بہو مجھے بدنام کر دیں گی کیونکہ شاید انہیں اپنے شوہر تک پہ بھروسہ نہیں۔کیا مجھے محسوس نہیں ہوتیں ان کے چہرے کی ناگواری، ان کی آنکھوں اور زبان کا زہریلا پن، جب میں ان کے شوہر سے بات کرتی ہوں۔میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کوئی بے سکون رہے، شوہر یا بیوی میں کوئی جھگڑا ہو یا آپ کا چھوٹا بیٹا آپ کی نظروں سے گر جائے''

نور، یہ سب چاہ کر بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

''خالہ کچھ ہی مہینوں کی بات ہے اور اگر مجھے وہاں رہنا صحیح نہیں لگا تو میں واپس آ جاؤنگی یہاں اور رہی بات رکشے والے انکل کی تو ان کے ساتھ جانے میں، میں خود کو محفوظ محسوس کرتی ہوں چاہے وہ رکشہ کتنا ہی ہلکا کیوں نہ چلائیں اور کرایہ میں انھیں بہت مناسب دیتی ہوں اور آپ فکر نہ کریں، مجھے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے وہ میرے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دیں گے۔اور میں اس بارے میں امی ابو سے بات کر چکی ہوں ان لوگوں نے کہا تھا کہ اگر مجھے مسئلہ ہے تو میں وہی کروں جو مجھے صحیح لگ رہا ہے''

(ویسے ہی تم خود سے اتنا بڑا فیصلہ کر چکی ہو تو یہ بھی قدم اٹھالو)

''بھئی اب تم نے فیصلہ کر ہی لیا تو میں کون ہوتی ہوں کچھ بولنے والی ہاں لیکن میں بھی ان کے گھر جا کر ان سے ملوں گی اور ان لوگوں کے شناختی کارڈز کی فوٹو کاپیاں بھی چاہیے مجھے''

خالہ کے کہنے پر نور اور کمرے میں بیٹھے سب لوگ مسکرا دیے اور سب سے زیادہ سمینہ بھابھی خوش نظر آرہی تھیں کیونکہ ان کے گھر سے ایک جوان خوبصورت لڑکی جا رہی تھی۔

لیکن انہیں یہ کون سمجھائے کہ اگر ان کے شوہر کو پھسلنا ہوتا تو وہ اپنی کسی کولیگ یا باہر کسی لڑکی سے تعلقات بڑھا چکے ہوتے۔ایک دوسرے پر شک کر کے زندگی مشکل بنانے کی بجائے اگر محبت سے رہیں اور اپنے شریک حیات پر بھروسہ کرنا سیکھ لیں تو کسی تیسرے کی موجودگی آپ کے ڈر کا سبب نہیں بنے گی بلکہ یہ صرف آپ کی وفا داری کا امتحان ہوگا اور جو اس امتحان میں فیل ہو گیا تو وہ کمزور شخص اپنے ہی نفس کو قابو کرنے اور شیطان کے فتنے سے بچنے میں ناکام رہے گا۔

☆......☆......☆

''پورے دس منٹ لگا کر آئی ہو''

رخسار کے گاڑی میں بیٹھتے ہی رداء اس کی طرف دیکھ کر غصے سے بولی۔

''جھوٹ تو نہ بولو یار! میں اتنی جلدی میں آئی ہوں کہ کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے''

رداء نے اوپر سے نیچے تک رخسار کا جائزہ لیا

اس نے کالے رنگ کے ٹراؤزر کے اوپر براؤن گھٹنے سے ذرا نیچے آتی فراک پہن رکھی تھی اور سر پہ کالے ہی رنگ کا اسکارف لے رکھا تھا۔

اس کے برعکس رداء نے چیتا پرنٹ کی شرٹ اور کالے رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی۔درمیان کی مانگ نکال کر بال کندھوں پہ آگے کی طرف ڈال رکھے تھے اور میک اپ بھی بڑی فرصت سے کیا گیا تھا۔

''کپڑے تو تم نے ٹھیک ہی پہن رکھے ہیں۔بس ذرا لپ سٹک لگا لو۔یا میں ہی لگا دیتی ہوں تمہیں'' رداء نے اپنے بیگ سے گہرے رنگ کی لپ سٹک نکال کر اس کے ہونٹوں پر لگانا چاہی مگر رخسار پیچھے ہٹ گئی۔

"یار! میں نہیں لگا رہی۔ مجھے نہیں اچھا لگتا ہونٹوں پہ اتنی ڈارک لپ سٹک لگانا، وہ بھی باہر"

"لگا لو ناں۔ میرا بھائی بھی تو ہو گا وہاں"

رداء شرارت سے بولی۔

"رداء سدھر جاؤ ورنہ۔۔۔" رخسار نے اسے آنکھیں دکھائیں

"ورنہ کیا کرو گی رخسار بی بی؟"

"میں تمہاری یہ لپ سٹک گاڑی سے باہر پھینک دوں گی"

رخسار کی بات پر رداء، لپ سٹک بیگ میں واپس ڈال کر بڑبڑائی

"تمہارا کوئی بھروسہ نہیں۔ میری مہنگی لپ سٹک کو تم پھینک بھی دو گی۔ ویسے یار تم نے جھوٹے منہ بھی اپنے انکل کے گھر آنے کی دعوت نہیں دی۔ کیسی دوست ہو"

رخسار نے اس کے معقول شکوے پر بے اختیار تھوک نگلا۔

"وہ۔۔دراصل ناں میرے آنٹی انکل ذرا ریزروٹائپ کے ہیں۔ زیادہ کسی سے ملتے جلتے نہیں ہیں۔ ایسے میں مجھے اپنے کسی دوست کو گھر بلانے سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں انہیں برا نہ لگ جائے"

"خیر ہے یار! میں تو ایسے ہی مذاق میں کہہ رہی تھی۔ جسٹ چل"

رداء نے لاپرواہی سے کہا تو وہ فقط مسکرا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

اس نے گاڑی ایک کلب کے آگے روکی جہاں پہلے ہی بہت سے اسٹوڈنٹس جمع تھے اور کلب کے اندر جا رہے تھے۔

رخسار کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں

"رداء! یہ۔۔تو کلب ہے۔ ہمیں تو کنسرٹ میں جانا تھا ناں؟"

"میں نے جھوٹ بولا تھا۔ اگر میں تم سے یہ کہتی کہ اسٹوڈنٹس نائٹ آؤٹ ہے کلب میں تو تم کبھی آنے کو راضی نہ ہوتیں" رداء نے ہاتھ سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا

"میں۔۔نہیں جاؤنگی اندر۔مجھے گھر چھوڑ وا بھی" رخسار کو ایک دم غصہ آیا

"کچھ نہیں ہوتا۔میں ہوں ناں۔تم ایک بار چلو تو اندر۔اب میں تمہیں واپس تو گھر چھوڑنے سے رہی اور اتنے گھنٹے تم گاڑی میں بھی تو نہیں بیٹھ سکتی ناں؟

"رداء!میں تم سے مذاق تو نہیں کر رہی جو تم اتنی لاپرواہی دکھا رہی ہو۔تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے"

رداء نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"اچھا،آئم سوری!میں نے تمہیں صحیح بات نہیں بتائی۔تم مجھے جو سزا دینا چاہو دے دینا لیکن ابھی تو چلو ناں یار پلیز۔۔۔"

رخسار نے خفگی سے ایک نظر اس کے منت کرتے چہرے کو دیکھا اور گاڑی سے اتر گئی۔

رداء اس کا ہاتھ پکڑ کر رش سے نکالتی ہوئی کلب کے گیٹ تک لے آئی۔

رخسار نے کچھ جھجکتے ہوئے قدم اندر کی طرف بڑھائے۔

کلب میں عجیب طرح کی گچھ پچھ تھی۔چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنی لڑکیاں،لڑکوں سے چپک چپک کر رقص میں مگن تھیں۔

شراب کی بدبو اور سگریٹ کا دھواں رخسار کے حلق اور آنکھوں کو جلانے لگا۔اس کی حالت غیر ہونے لگی۔اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی جہنم میں آن پھنسی ہے۔اتنی وحشت زدہ جگہ،اسے اپنے آپ پر ہی غصہ آنے لگا تھا۔وہ کیسی جگہ آ گئی تھی۔

"رداء!مجھے نہیں اچھا لگ رہا یہاں۔کیا تم مجھے ٹیکسی کر کے گھر نہیں بھجوا سکتیں"

"ادھر بیٹھو تم"

رداء نے اسے ایک جگہ رکھی بینچ پر بٹھا دیا۔

"اگر تم واپس جانا چاہتی ہو تو میں کوئی بندوبست کرتی ہوں تمہیں گھر پہچانے کا مگر یار!بس تھوڑی دیر اور رکو۔بھائی نے بتایا تھا کہ آج بہزاد اپنی گرل فرینڈ کے لیے گانا گانے والا ہے اور شاید اس کی گرل فرینڈ بھی یہاں موجود ہے۔مجھے دیکھنا ہے ان لوگوں کو۔اس خوش نصیب لڑکی کو۔۔۔

اچھاتم یہاں رکو، میں بھائی کو ڈھونڈ کر اسے پکڑ کر یہاں لاتی ہوں تم سے ملوانے کے لیے‘‘

وہ کہہ کر چلی گئی اور رخسار اسے آواز دے کر روک بھی نہ پائی۔

اب تو واقعی میں وہ خود کو کسی جہنم میں محسوس کر رہی تھی۔

رداء کی بات نے اس کے دل پہ اتنی زوردار ضرب لگائی تھی کہ اسے اپنا وجود ہی اجنبی لگنے لگا تھا۔

خوفناک ماحول اور رداء کے جملے نے مل کر اس کے حلق میں کانٹے اگا دیئے تھے۔اسے بہت زیادہ رونا آنے لگا اور آنکھیں مسلسل بے تابی سے کسی اپنے کو ڈھونڈنے لگیں۔

کتنے عیش سے رہتے ہوں گے، کتنے اتراتے ہوں گے

جانے کیسے لوگ وہ ہوں گے جو اس کو بھاتے ہوں گے

شام ہوئے خوش باش یہاں کے میرے پاس آجاتے ہیں

میرے بجھنے کا نظارہ کرنے آجاتے ہوں گے

وہ جو نہ آنے والا ہے نا، اس سے مجھ کو مطلب تھا

آنے والوں سے کیا مطلب، آتے ہیں، آتے ہوں گے

اس کی یاد کی بادِ صبا میں اور تو کیا ہوتا ہوگا

یوں ہی میرے بال ہیں بکھرے اور بکھر جاتے ہوں گے

رخسار کا بے ترتیبی سے بنا جوڑا کھل گیا اور لمبے خوبصورت بال اسکارف سے آزاد ہو کر کمر پہ بکھر گئے۔

’’اف‘‘

اس کے منہ سے بیساختہ نکلا، وہ جھنجھلا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اور باتھ روم تلاشنے لگی۔

بالوں کو مٹھی میں بھینچ کر وہ لوگوں کے درمیان میں سے راستہ بنانے لگی۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ لوگوں سے ٹکرانے پر مجبور تھی۔ سر بھاری سا محسوس ہونے لگا تھا۔ حلق میں آنسو کا گولا اٹک چکا تھا جسے وہ اپنے اندر اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

رداء پہ بے تحاشہ غصہ آرہا تھا اور لوگوں کی اپنے وجود پر پڑتی زہریلی نظریں اسے نروس کر رہی تھیں۔ اس کی

تشویش میں اضافہ ہوئے جا رہا تھا، وہ خود کو انتہائی بے بس محسوس کرنے لگی تھی۔

اچانک اسے اپنے پیچھے شور اور تالیوں کی آوازیں آئیں۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔

لوگوں کے ہجوم کے بیچ چار لوگ ہاتھوں میں مائیک لیے کھڑے تھے۔ دو لڑکیاں اور دو لڑکے جن میں سے ایک بہزاد تھا۔ اس نے سفید بٹن اپ شرٹ اور نیلی جینز پہن رکھی تھی۔

بہزاد کے ساتھ کھڑی لڑکی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا اور وہ اب مل کر کوئی انگریزی گانا گانے لگے تھے۔

رخسار کے قدم اپنے آپ ہی اس طرف بڑھ گئے جہاں وہ کھڑا اپنی بھاری، دلکش آواز سے کانوں میں رس گھول رہا تھا اور آس پاس بکھرے اسٹوڈنٹس ایک دوسرے میں مگن ڈانس کر رہے تھے۔

اسکی نظریں بہزاد اور اس کے ساتھ کھڑی لڑکی پہ جم گئی۔ وہ کیسے اس کے ساتھ ہنس ہنس کر گانا گا رہا تھا۔

رخسار کو اس لڑکی سے بہت شدت سے جلن محسوس ہوئی۔ وہ اس کا تھا۔ اس کا شوہر تھا۔ اس کا حق تھا اس پہ۔ وہ کیسے اسے کسی اور کے ساتھ برداشت کر سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ سارا منظر دھندلا سا گیا۔ دل بجھنے لگا۔ دل میں کھلے محبت کے پھولوں کی پتیاں جھڑنے لگیں۔

سب کچھ اجنبی سا لگنے لگا جیسے، مینڈکوں کے ہجوم میں زخمی پروالی تتلی، جس کے سارے رنگ ایک شہزادہ لے اڑا تھا۔

وہ یونہی آس پاس سے بے خبر، بہزاد کو دیکھ رہی تھی غصے سے، حسرت سے کہ اچانک اسے اپنے بالوں اور کمر پہ کسی کا ہاتھ چلتا محسوس ہوا۔ وہ بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹی اور اس شخص کو دیکھا جس نے اس کو چھوا تھا۔

وہ کوئی انگریز، نشے میں دھت لڑکا تھا جو نیم بے ہوش تھا اور رخسار کو اپنے بازوؤں میں جکڑنے کے لیے بے چین ہوئے جا رہا تھا۔

''چھوڑو مجھے۔ گھٹیا انسان''

وہ اپنی پوری طاقت سے اس نشئی کو اپنے سے دور ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ آنکھوں سے بھل بھل آنسو

بہہ نکلے۔وہ اس کے لئے بدترین رات تھی۔
بے حسی کا یہ عالم تھا کہ وہاں موجود کوئی شخص بھی انھیں نہیں دیکھ رہا تھا یا سب اس لڑکے کی اس گھٹیا حرکت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے تھے۔
وہ اپنی پوری جان لگا کر اس شخص سے جان چھڑانے میں مصروف تھی کہ یک دم گانا گاتی آوازیں دم توڑ گئیں۔مائیک فرش پر پٹخا گیا اور کوئی تیزی سے انکی جانب آیا، رخسار سے زبرستی کرنے والے لڑکے کو پیچھے دھکیل کر اس کی ناک پر ایک زوردار مکا مارا اور رخسار کی کلائی کو مضبوطی سے تھام کر اسے کھینچتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا۔
مکا کھانے والا زمین پہ بیٹھ کر کراہ رہا تھا اور لوگ اس کی طرف نہیں بلکہ پنچ مارنے والے کی جانب دیکھ رہے تھے جو لمبے لمبے قدم اٹھاتا کلب سے باہر جا چکا تھا۔
ہاں۔۔وہ بہزاد ہی تھا۔
گاڑی کے پاس پہنچتے ہی بہزاد نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر رخسار کو بازو سے پکڑ کر اندر کی طرف دھکا دیا اور زور سے دروازہ بند کیا۔
ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پہ مارے
''یہاں کیا کر رہی تھیں تم؟''
وہ غصے میں اتنی زور سے دھاڑا کہ رخسار اپنی جگہ پر سہم کے رہ گئی۔
سر جھکا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو ٹپکے چلے جا رہے تھے۔اسکارف سر سے پھسل کر کندھوں پہ ٹک گیا تھا۔
زبان پہ اتنا بوجھ پڑ گیا تھا کہ بولنے کے لیے زبان ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
بہزاد کی کنپٹیاں مزید سلگیں۔
''گونگی ہوگئی ہو؟ یا سنائی نہیں دے رہا؟ میں نے پوچھا ہے کہ یہاں۔۔کیا۔۔کر رہی تھیں؟'' اسنے ہر لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔
''م۔۔میں جان بوجھ کر نہیں آئی۔مجھے کسی نے بتایا تھا کہ کوئی کنسرٹ ہے جس میں آپ بھی گانا گائیں گے اور۔۔

”کس بیوقوف نے تم سے یہ بات کہی تھی؟ بتانا ذرا“

اس کی نیلی آنکھوں میں لہو تیر رہا تھا۔

رخسار کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا بس ناک سے بہتے پانی کو اوپر کھینچے کی آواز آئی۔

”اتنا غصہ آرہا ہے ناں مجھے تم پر۔اتنی بھی ہمت نہیں تھی تم میں کہ اس نشے میں دھت شخص سے جان چھڑا سکو؟ لیکن نہیں، تمہیں تو پتا تھا ناں کہ تمہارا جاننے والا وہاں موجود ہے، وہی تمہیں بچائے گا“

رخسار نے حیرانی سے بہزاد کا چہرہ دیکھا جو غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔

”اگر، وہ ہوش میں ہوتا تو میں اس کی ہڈیاں توڑ دیتا اور تم۔۔تم کوئی بچی تو نہیں ہو جو تمہیں یہ بات سمجھ نہ آئے کہ کونسی جگہ تمہارے لائق ہے اور کونسی نہیں؟

جب دیکھ لیا تھا کہ یہ کلب ہے تو اندر ہی کیوں آئیں اور اب نادان بن رہی ہو۔سب خراب کر دیا۔ایک دفع مجھ سے پوچھ نہیں سکتی تھیں؟ میری اجازت نہیں لے سکتی تھیں۔ہاں؟

رخسار، ہمت کر کے گیلی آواز سے دھیمے لہجے میں بولی

”کیا آپ نے مجھ پہ کبھی اپنا حق جتایا ہے جو میں کہیں جانے سے پہلے آپ سے پوچھوں؟

آپ نے ہی کہا تھا ناں مجھے کہ تمہاری زندگی ہے جیسے بھی جیو، جہاں بھی جاؤ، تو میں نے بھی وہی کیا جو میرے من میں آیا اور کس نے کہا تھا کہ میری مدد کرنے آئیں۔کیا میں نے آپ کو آواز دی تھی؟ نہیں ناں تو پھر کیوں اپنی شام خراب کی؟“

اب بہزاد کی زبان پر بوجھ پڑ گیا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر غصہ کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کی۔

رخسار نے سر پہ اسکارف واپس اوڑھتے ہوئے کہا۔

”آپ کلب میں جا کر انجوائے کریں۔میں ٹیکسی لے کر چلی جاؤں گی گھر“

اس کا ہاتھ گاڑی کے ہینڈل کی جانب بڑھا ہی تھا کہ بہزاد نے فوراً لاک لگا دیا

”بیٹھی رہو چپ چاپ“

وہ دھیمی آواز میں بنا، رخسار کی طرف دیکھے بولا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆......☆......☆

نور اور اربش کچن میں لگی میز اور کرسیوں پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں جب نور نے ذرا ہچکچا کر اربش کو مخاطب کیا۔ ”آپ کو میری خالہ کے پوچھے گئے سوالوں کا برا تو نہیں لگا ناں؟ وہ دراصل میں اکیلی لڑکی ہوں اور اوپر سے وہ مجھے اپنی ذمہ داری سمجھ رہی ہیں اسی لیے ذرا فکر مند تھیں۔ اگر کچھ برا لگا تو میں ان کی طرف سے معذرت خواہ ہوں“

”ارے! معذرت کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ اور خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو اتنی محبت اور فکر کرنے والے رشتہ دار ملتے ہیں بلکہ مجھے تو بہت خوشی ہوئی ان کے سوالوں پر اور دیکھا جائے تو انھوں نے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کر کے ایک اچھا ہی کام کیا ہے۔ اس دور میں تو اپنوں پر بھروسہ کرنے سے ڈر لگتا ہے تو غیروں پر کیسے یونہی اندھا اعتبار کر لیا جائے۔ اپنی حفاظت کا سامان پہلے سے ہی تیار کر لینا چاہیے۔ بعد میں پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا“

اربش نے سادگی سے کہتے ہوئے اپنے اور نور کے لیے کپوں میں چائے نکالی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی

”یہ جو ہمارے بڑے، ہمارے لیے فکر مند رہتے ہیں، ہم پر پابندیاں لگاتے ہیں یا ہمارے دوستوں سے سوال جواب کرتے ہیں تو ان باتوں پر شرمندہ ہونے کے بجائے شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ دنیا ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے جو ترستے ہیں ان رشتوں کے لیے“

نور اس کی بات پر ہلکا سا مسکرائی۔

کچن میں اک مختصر سی خاموشی چھا گئی۔

حاشر، جاگنگ کرنے گیا ہوا تھا اور اربش اور حاشر کی تین ماہ کی بیٹی ’ماہ رخ‘ لاؤنج میں رکھے اپنے سوئنگ بیڈ پہ سو رہی تھی۔

نور نے ہی ایک بار پھر خاموشی کو توڑا۔

”آپ نے کرایے کے بارے میں بات نہیں کی“

اربش مسکرائی

”آپ تو مہمان ہیں ہماری۔ کرایے کی بات کر کے ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ ہمیں کرایہ دار کی الحمداللہ کوئی ضرورت نہیں، یہ تو میں نے اپنی خوشی سے آپ کو اپنے گھر مہمان ٹھہرایا ہے۔ اور آپ کو دیکھ کر میرا شک صحیح نکلا کہ آپ اپنی خالہ کے گھر سے یہاں رہنے کیوں آئی ہیں“

نور نے چونک کر اربش کو دیکھا جو عام سے انداز میں بیٹھی چائے پینے کے دوران کہہ رہی تھی۔

”میں نے بھی اپنی آدھی زندگی ایسے ہی گزاری ہے۔ میں بھی لوگوں کی بری نظروں سے بچنے کے لیے دوسری جگہوں کی تلاش کرتی تھی مگر یہ صرف آپ کو تھکاتا ہے کیونکہ بری نظر سے دیکھنے والے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اس لیے ان سے ڈرنے کے بجائے ان کو ڈرانا چاہیے، کمزور نہیں پڑنا چاہیے اور پہلی فرصت میں اپنے گھر والوں کو ہر بات بتا کر انہیں اعتماد میں لینا چاہیے۔ میں اپنے بچوں کو بھی اپنی طرح بزدل نہیں بناؤ نگی۔ ان کے ساتھ اتنا دوستانہ رویہ رکھوں گی تا کہ وہ بلا جھجک اپنی ہر ایک بات مجھ سے اور میرے شوہر سے شیئر کر سکیں“

”میں بھی“

نور نے ذہن میں سوچا پھر مسکرا کر بولی

”آپ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا مجھے“

پھر اپنے فون میں ٹائم دیکھتی ہوئی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی

”رکشے والے انکل آگئے ہوں گے، مجھے اب نکلنا ہوگا“

وہ جاتے جاتے رکی اور اربش کے کندھے پہ ہاتھ رکھا ”بہت شکریہ، ہر چیز کے لیے۔ اللہ حافظ“

دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا اور نور آگے بڑھ گئی۔

مثبت سوچ رکھنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے سچ میں بہت افاقہ ہوتا ہے۔

چند لمحوں کے لیے ہی سہی مگر دل کا بوجھ ہلکا ضرور ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

گھر پہنچتے ہی رخسار، سیدھی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی کہ۔۔۔

"رکو"

بہزاد نے سخت لہجے میں اسے رکنے کا کہا تو رخسار کے اٹھتے قدم زنجیر ہو گئے مگر وہ مڑی نہیں۔

"میرے اور اپنے لیے کافی بنالاؤ"

سنجیدگی سے کہتا وہ لونگ روم کے صوفے پر دھب سے بیٹھا اور اسپیکر میں گانے لگا کر سننے لگا۔

رخسار نے ایک چور نظر اس کے چہرے پہ ڈالی اور کچن میں چلی گئی۔

سر سے اسکارف اتار کر منہ پہ پانی کے کئی چھپاکے مارے اور پھر اسکارف سے چہرہ رگڑا۔

ذہن ابھی بھی کلب والے واقعے کی طرف جا رہا تھا اور وہ بہزاد کے ساتھ کھڑی حسین لڑکی۔۔۔وہ سر جھٹک کر کافی بنانے لگی۔

سست روی سے کافی بنا کر وہ مگ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر لونگ روم میں آئی جہاں بہزاد صوفے کی پشت پہ سر ٹکائے، آنکھیں موندیں کوئی گیت گنگنا رہا تھا۔

ٹیبل پہ مگ رکھنے کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں

وہ، بہزاد کا مگ اس کے سامنے رکھ کر اپنی کافی لیے کمرے میں جا رہی تھی۔

"رخسار!"

بہزاد، کی خمار آلودسی آواز رخسار کے کانوں سے ٹکرائی تو پل بھر کو اس کی روح تک میں ہل چل مچا گئی۔وہ اس کی طرف چہرہ گھما کر دھیمے سے بولی

"ہوں"

"کیا میں اتنا برا لگتا ہوں تمہیں کہ تم میرے ساتھ بیٹھ کر کافی تک پینا پسند نہیں کرتی؟"

اچانک سے اس کی زبان میں شہد سا گھل گیا، کچھ دیر پہلے والا بہزاد اب کہیں نہیں تھا۔

رخسار کو دھکا سا لگا۔

"نہیں۔۔۔میں۔۔

بہزاد نے اس کی بات کاٹی ''نہیں کا مطلب، میں تمہیں برا لگتا ہوں لیکن اتنا بھی نہیں کہ میری شکل دیکھ کر کافی میں مزید کڑواہٹ گھل جائے''

رخسار گڑبڑائی۔

''ایسا نہیں ہے۔ مجھے آپ برے نہیں لگتے''

''اچھا۔۔تو پھر کیا لگتا ہوں؟''

''آپ۔۔''

رخسار کچھ بولتے بولتے خاموش سی ہوگئی۔ بے اختیار خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

بہزاد ہلکا سا مسکرایا۔

''بیٹھ جاؤ''

اس نے ساتھ والے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ میکانکی انداز میں اس پر آ بیٹھی۔

دونوں خاموشی سے اپنی اپنی کافی پینے لگے۔

مدھم سروں میں بجتا گیت، بہزاد کی شرٹ سے اٹھتی پرفیوم کی مہک اور کافی کے مگوں سے اٹھتا دھواں مل کر کمرے کی فضا میں ایک نشہ سا گھول رہے تھے۔

رخسار کی نظریں بہزاد کے چہرے پر جمی تھیں جو اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

رخسار کو اس کے چہرے پہ چھائے سکون کو دیکھ کر حیرت سی ہوئی۔

''بتاؤ ذرا! یہ شخص اپنی گرل فرینڈ کے سامنے ایک لڑکی کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ چلا گیا اور اس لڑکی نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ خاموشی سے اسے کسی اور کے ساتھ جاتے دیکھتی رہی۔

یہ کیسی محبت ہے؟ اتنی ٹھنڈی محبت؟ سچ میں محبت ہے بھی یا بس وقت گزاری؟ اگر میں ہوتی ناں اس لڑکی کی جگہ تو میں۔۔۔۔وہ اداسی سے مسکرائی

''تو میں کیا کر لیتی؟ کیا میں اسے روکتی؟ اس کے آگے گڑگڑاتی؟ محبت کی دُہائیاں دیتی یا اس سے جھگڑتی؟ جو انسان واقعی میں آپ سے محبت کرتا ہو، کیا وہ خود سے آپ کو بیچ راہ میں تنہا چھوڑ کے جا سکتا ہے؟

نہیں۔۔۔جن کے درمیان خالص محبت ہو،وہاں کوئی بے تکا سا بہانا بنا کر اپنے محبوب کو یوں چھوڑا نہیں جاتا۔بالکل بھی نہیں۔بلکہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں بہانوں کا تو کوئی نام ونشان ہی نہیں ہوتا۔اور اس شخص کی محبت کی حق دار تو میں ہوں،نکاح مجھ سے ہوا،مجھ سے جائز رشتہ ہے تو پھر کیوں مجھے چھوڑ کر کسی نامحرم لڑکی سے رشتہ قائم کر کے فضول میں گناہ کما رہے ہیں

ام۔۔کیا میں انہیں بتادوں کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں؟کیا میں کہہ دوں ان سے کہ مجھے ہمیشہ کے لیے اپنالیں؟

نہیں''

رخسار نے اپنی سوچ کی نفی کی۔

''اگر میری بے عزتی ہوگئی تو؟نہ!کچھ بھی ہو،میں اپنی عزت نہیں کھوؤنگی۔عزت کھو کر محبت پانے میں کوئی مزہ نہیں ہوتا،ایک بار عزت چلی گئی تو سمجھو سب خاک،پھر تو اپنے آپ سے نظریں ملانا بھی مشکل ہوجائے گا''

بہزاد نے خالی مگ ٹیبل پہ رکھ کر اپنے سر کے نیچے بازوؤں کا تکیہ بنایا اور بڑی فرصت سے رخسار کا چہرہ تکنے لگا۔رخسار فوراً اپنی نظریں گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔انداز نارمل سا بنانے کی کوشش کر رہی تھی مگر بہزاد کی خطرناک حد تک سنجیدہ آنکھیں،اس کی ہتھیلیوں کو پسینے سے بھگونے لگیں۔

وہ گلہ کھنکھار کر بولی

''کھانا کھائیں گے آپ؟''

بہزاد نے منہ سے کچھ بھی کہے بغیر نفی میں سر ہلایا۔

ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ بھی آکر معدوم ہوئی۔

رخسار کو اس کا انداز کچھ کھٹکا

وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی اور بائیں ہاتھ سے بہزاد کی کافی کا خالی مگ اٹھانے ہی لگی تھی کہ بہزاد نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس کے بالکل سامنے اور بہت نزدیک آ کھڑا ہوا۔

رخسار نے چونک کر اس کو دیکھا،جو اپنی خوبصورت آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑے ہوئے تھا۔

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ بہزاد کی ان نظروں کی تاب نہیں لا پائی اور اپنی نظریں جھکا گئی۔

بہزاد نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے مگ لے کر ٹیبل پہ رکھا اور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے صوفوں اور ٹیبل کے سامنے خالی جگہ پر آ کھڑا ہوا۔

اسپیکر میں دھیمے سروں میں کوئی انگریزی گانا چل رہا تھا۔

رخسار بالکل بوکھلائی ہوئی سی اس کے مقابل کھڑی، الجھی الجھی نظروں سے بہزاد کو دیکھ رہی تھی کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے، اچانک ایک جھٹکے سے بہزاد نے اسے اپنی طرف کھینچا۔

وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی، اتنی زور سے بہزاد کے مضبوط وجود سے ٹکرائی کہ اپنا توازن برقرار رکھنے کے لیے بے اختیار بہزاد کی شرٹ کے دامن کو مٹھی میں جکڑ لیا۔

وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی مگر وہ چار قدم اور اس کے قریب آ کھڑا ہوا اور اپنا بائیاں بازوں رخسار کی کمر کے گرد حائل کیا۔

رخسار کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں، اسے یوں لگا جیسے اس کی کمر پہ سانپ رینگ گیا ہو۔

بہزاد نے اس کا دایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں تھاما اور گانے کی دھن پر جھومنے لگا۔

اس کے تو ایک دم ہاتھ پاؤں لرزنے لگے، وہ بہزاد کی اس قدر قربت کی عادی نہیں تھی۔

لیکن رخسار کی حالت سے بے خبر وہ اپنی بھاری، رس گھولتی آواز میں گانا ساتھ ساتھ گنگناتے ہوئے اپنی سانسوں سے اس کے چہرے کو جلا رہا تھا۔

رخسار کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

''کیا۔۔یہ شخص نشے میں تو نہیں؟ نہیں نہیں، گھر آنے تک تو بالکل ہوش میں تھا اور کافی بھی پی ہے۔

کیا میری جگہ انہیں اپنی گرل فرینڈ تو نظر نہیں آ رہی؟

مجھ پر یہ مہربانی وقتی تو نہیں؟''

رخسار نے یہ سوچ کر نرمی سے خود کو بہزاد سے جدا کرنا چاہا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

بہزاد نے کانپتی ہوئی دوشیزہ کی تھوڑی کو اپنی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا اور براہ راست

اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

کیا نہ تھا ان نیلی آنکھوں میں۔

رخسار کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

جذبات کا ایسا سمندر قید تھا ان دو آنکھوں میں کہ وہ ڈوبنے کے ڈر سے نظریں جھکا گئی۔

بہزاد نے اپنی انگلیوں سے رخسار کے چہرے پہ جھولتی پریشان لٹ کو اس کے کان کے پیچھے اڑسا

وہ اس کے بالوں سے انگلیاں ہٹا کر اس کے گلابی رخسار پر پھیرنے لگا اور جھک کر اس کے گال پہ اپنے لب رکھ دیئے۔

رخسار کا تو سانس ہی اکھڑنے لگا

وہ جو تھوڑی دیر پہلے یہ کہنے کا سوچ رہی تھی کہ بہزاد اسے اپنا لے، وہ اب اس کے آگ جیسے وجود کے آگے قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔

وہ اس کے بازوؤں میں آنکھیں موندیں سب کچھ بھول کر فقط اس کے لمس کو خود پر محسوس کرنے لگی

وہ دونوں ایک دوسرے میں یوں کھو گئے تھے کہ جیسے دو محبت کرنے والے صدیوں کا سفر طے کر کے بلآخر ایک دوسرے کو مل گئے ہوں۔

انہیں یوں، چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اچانک بہزاد کے فون کی ظالم گھنٹی بجی، ماحول پہ چھایا طلسم ٹوٹا اور ۔۔اور بہزاد ایک دم ہوش میں آیا۔

☆......☆......☆

گھر کی ساری غیر ضروری بتیاں بجھا کر، کچن میں رکھے برتنوں کو دھو کر، تھکی ہوئی اربش جب اپنے کمرے میں آئی تو حاشر کو ماہ رخ کے ساتھ کھیلتا دیکھ اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اور وہ بھی خاموشی سے ان دونوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"بابا کی جان کون ہے"

حاشر نے ماہ رخ کی طرف دیکھ کر اسے گدگداتے ہوئے کہا تو اربش فوراً بولی

''بابا کی جان، ماما ہیں''

''غلط۔۔بابا کی جان تو ماہ رخ ہے''

''ہاہ۔۔''اربش کا منہ حیرانی سے کھلا۔حاشر کے بازو پہ ہلکے سے ہاتھ مارا

''کتنی جلدی انسان کے الفاظ بدل جاتے ہیں۔کل تک تو مجھے جان جان کہتے تھے''

''ہاں تو۔تب میری بیٹی تھوڑی نہ آئی تھی دنیا میں اور تم بھی تو اس کے آگے مجھے کچھ نہیں سمجھتیں''

''کیوں نہ اہمیت دوں میں اسے؟ یہ تو میری ننھی سی گڑیا ہے''

اربش نے گردن اکڑا کر کہا اور اپنی بیٹی کو گود میں اٹھا کر اپنے سرہانے لٹا لیا۔

حاشر مسکرا کر اربش پہ جھکا اور اس کے کان میں سرگوشی کی

''تم میری جان نہیں ہو بلکہ تم تو میرا دل ہو اور جب دل بند ہو جائے تو جان کہاں باقی رہتی ہے''

''ہونہہ''

اربش نے مسکراہٹ دبا کر مصنوعی خفگی سے منہ چڑایا تو حاشر نے پیار سے اس کا گال کھینچا

''بس اب دل کے رستے دماغ میں نہ گھس جانا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے،اربش کون؟ تو مجھے اس سے یہ کہنا پڑے کہ'اربش' میرا سر''

حاشر نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا لیکن اربش بے ساختہ ہنس دی۔

آسمان پہ چھائے کالے بادل زور سے گرجے اور برستی بارش میں ایک بار پھر تیزی آ گئی۔

نور اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی اندھیری سنسان گیلی سڑک پہ نظریں جمائے ہوئی تھی۔

ہوا کا رخ اس کی کھڑکی کی جانب ہونے کی وجہ سے نور کا چہرہ، بال اور سامنے کے کپڑے بھیگ رہے تھے لیکن وہ اس سے بے خبر اس بم کے بارے میں سوچ رہی تھی جو آج صبح اسکے سر پہ پھوڑا گیا تھا۔

''مبارک ہو بھئی! نوال کے بیٹا ہوا ہے''

زرمینہ نے خوشگوار لہجے میں فون پر نور سے کہا

''خیر مبارک امی! نوال اور اس کا بے بی ٹھیک ہیں؟ پہلی فرصت میں مجھے بے بی کی تصویر بھیجیں اور نوال،

وہ کہاں ہیں اس سے تو میری بات کرائیں"

نور، خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی

"ہاں، دونوں بالکل ٹھیک ہیں۔نوال کو جب روم میں شفٹ کریں گے تو تم سے بات کروادوں گی اور تمہارے پیپر کب اسٹارٹ ہو رہے؟

"میرے تقریباً دو ہفتے بعد"

"اچھا تو ایک ہفتے کے لیے آجاؤ یہاں"

"نہیں امی! ایک ہفتے کے لیے آ کر کیا کروں گی۔آخری سمسٹر ہی تو ہے۔اس کے بعد تو ویسے ہی مجھے آپ لوگوں کے پاس آ ہی جانا ہے"

"ھم۔۔۔"

زرمینہ نے گہرا ہنکارا بھرا پھر دھیمے لہجے میں بولیں۔

"نور! تمہیں خالہ کی فیملی کیسی لگی؟"

نور لمحے بھر کو خاموش رہی پھر جبراً مسکرا کر بولی

"خالہ بہت اچھی ہیں امی!"

"اور سلمان؟"

سلمان کا نام سنتے ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور آواز سنجیدہ ہوگئی

"میرا اس سے اتنا سامنا نہیں ہوا کہ میں اس کے بارے میں اپنی کوئی رائے پیش کرسکوں"

"اچھا۔۔ میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کیونکہ تمہاری خالہ نے سلمان کیلئے تمہیں مجھ سے مانگا ہے۔ویسے تو اتنا اچھا رشتہ ہے کہ میں اسی وقت ہاں کہہ سکتی تھی لیکن تم سے پوچھنا بھی تو ضروری تھا"

نور کا دل ڈوب گیا۔جس بات کا ڈر تھا وہی ہو رہا تھا۔

ایک طویل خاموشی کے بعد اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا

"امی! ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟ میرے پیپر تو ہو لینے دیں"

”تو میں نے کونسا بولا ہے کہ تمہیں کل ہی رخصت کرر ہے ہیں۔بس بات ہی تو پکی کرر ہے ہیں“

”لیکن امی۔۔۔

”نور!اب کوئی اگر مگر نہیں سننی میں نے تمہاری۔حد کرتی ہو تم بھی۔پڑھائی کو ہوّا بنا لیا ہے۔صاف صاف بات کیوں نہیں کرتیں؟“

نور کے حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹک گیا مگر بڑے ضبط سے بولی

”اچھا لیکن ابھی خالہ کو کوئی جواب مت دیجیے گا مجھے سوچنے کو کچھ وقت تو دیں“

”بیٹا!مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔پتا نہیں کیا چڑ ہے تمہیں شادی سے۔میری سمجھ سے تو باہر ہوتی جارہی ہو تم۔سوچ لو بھئی جتنا سوچنا ہے۔میں رکھتی ہوں فون۔اللہ حافظ“

زرمینہ نے خفگی سے کہہ کر فون بند کردیا۔

نور ایک دم واپس حال میں آئی۔

آنکھ سے ایک آنسو بہہ کر بارش کے پانی میں کھو گیا۔دل میں درد سا محسوس ہوا لیکن ظالم یادیں دل جلانے کے لیے آتی جارہی تھیں۔

گڑھے میں بھرتے بارش کے پانی کو دیکھ کر ایک اور منظر آنکھوں کے سامنے چھا گیا۔

”عائشہ!جب تم میرے ساتھ ہوا کرو ناں تو پلیز اپنے نام نہاد بوائے فرینڈز سے چیٹنگ مت کیا کرو“

نور نے غصے سے کہہ کر اس کے فون پہ ہاتھ مارا۔

”توبہ کرو یار!ایک ہی تو ہے بس۔بہت سارے کہاں ہیں اور اس کے میسج کا وقت پہ جواب نہ دوں تو برا مان جاتا ہے“

عائشہ نے معصومیت سے کہا مگر نور کے تو منہ میں کڑواہٹ گھل گئی

”اف۔۔۔کیا بکواس ہے یہ۔میسج نہ کرنے پہ برا مان جاتا ہے۔واہ!اور تم اس کی پابند تو نہیں ہو کہ اس کی ناراضگی کا خیال رکھو۔ارے لعنت بھیجو اس پر“

”یار!ایسا تو مت بولو“

’’میں تو بولوں گی، اس ٹھرکی کے خلاف۔ ہر وقت بس چیٹنگ اور کال پہ باتیں۔ ہونہہ‘‘

’’میں پسند کرتی ہوں اسے اور وہ کہتا ہے کہ بات کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔ آپس میں انڈرسٹینڈنگ ہوتی ہے‘‘

’’کیا خاک محبت بڑھتی ہے۔ عائشہ بی بی! صرف گناہ بڑھتے ہیں۔ وہ تمہیں پاگل بنا رہا ہے۔ وہ نامحرم ہے۔ تم لوگوں کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں وہ نہایت گھٹیا اور نازیبا ہیں۔ اگر اسے سچ میں تم سے محبت ہوتی تو وہ تم سے ایسی گھٹیاں باتیں نہیں کرتا۔ وہ عزت سے تمہارے گھر رشتہ بھیجتا۔ تم سے نکاح کرتا کیونکہ صاف سی بات ہے۔ تم لوگ جو ایک دوسرے سے کال اور چیٹنگ میں جس قسم کی مستقبل کی باتیں کرتے ہو وہ غلط ہے۔ حرام ہے‘‘

عائشہ نے ایک گہری سانس لی۔ آواز میں مایوسی چھائی

’’پتا ہے؟ وہ مجھے وائف وائف کہہ کر مخاطب کرتا ہے‘‘

عائشہ کے انکشاف پر نور کے کانوں کی لوئیں سرخ پڑیں

’’توبہ ہے یار! اس کے بعد بھی تمہیں اس کی گندی نیت کا احساس نہیں ہوا؟ تمہیں کیا معلوم، اس نے ناجانے کتنی ہی آن لائن بیویاں بنائی ہوئی ہوں۔ اپنی عزت اور حفاظت کرو عائشہ! اس کے جذبات سچے نہیں ہیں۔ وہ صرف تمہارے ذریعے اپنی ہوس پوری کر رہا ہے‘‘ نور نے افسوس سے کہا

’’تم بھی تو حمدان سے محبت کرتی ہو۔ اپنا فون دکھاؤ۔ وہ تم سے کیا بات کرتا ہے‘‘

عائشہ نے فوراً نور پہ چڑھائی کی لیکن نور نے بڑی اطمینان سے اپنا فون اس کی طرف بڑھایا

’’لو، کر لو چیک۔ تمہیں میرے فون میں کچھ بھی نہیں ملے گا‘‘

’’ہاں ڈر کے مارے سب ڈیلیٹ جو کر دیا ہو گا‘‘ نور مسکرائی

’’اچھا۔۔۔ تو کیا تم بھی اس لڑکے سے کی گئی چیٹ کو ڈر کے مارے مٹا دیتی ہو؟ ایسا کام کرنا ہی کیوں، جس میں آپ کو پکڑے جانے کا ڈر ہو؟

حمدان نے مجھ سے فون پہ بات تو کجا مجھے کبھی عید مبارک کا میسج تک نہیں بھیجا لیکن نہ محبت گھٹی نہ ختم ہوئی اور نہ میں نے اسے ایسا موقع دیا۔

محبت کی منزل ڈائریکٹ نکاح ہوتی ہے، فحش گفتگو نہیں۔

وہ جو دن رات چپکے چپکے تم سے محبت کے دعوے کرتا ہے وہ صرف ہوس ہے اور پتا ہے وہ شادی کس سے کرے گا؟ اپنے گھر والوں کی پسند سے"

"یہ کیا ہے یار! محبت، ہوس"

عائشہ نے اپنا ہونٹ کاٹتے ہوئے پریشان اور الجھے ہوئے سے لہجے میں پوچھا

نور تھوڑی دیر خاموش رہی پھر گہرا سانس لے کر بولی۔ ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"محبت، سمندر کے پانی کی طرح پاک ہوتی ہے۔ سمندر کے پانی سے ہم وضو تک کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ہوس، کیچڑ زدہ، غلیظ پانی کی طرح ہوتی ہے جس کے سامنے بورڈ پر تیر کا نشان بنا ہوتا ہے، جس پر لفظ 'محبت' لوگوں کا رستہ بھٹکانے کے لیے لکھا جاتا ہے اور کچھ عقل سے پیدل لوگ آنکھیں بند کر کے اس ہوس زدہ پانی میں کود پڑتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ یہ کیچڑ، صرف جسم کو ہی نہیں، روح کو بھی گندہ کر دے گا، وہ ہوس کو محبت سمجھ لیتے ہیں۔ پھر کوئی اس زہریلے پانی میں ہمیشہ کے لئے غرق ہو جاتا ہے اور کوئی خوش قسمت ہوس کے جال کو پہچان کر اس سے بچ نکلتا ہے"

اتنا کہہ کر اس نے عائشہ کو دیکھا

"اپنے اس سے، کہو کہ یا تو وہ عزت سے اپنے ماں باپ کے ساتھ تمہارے گھر پروپوزل بھیجے یا پھر تمہارا پیچھا چھوڑ دے اور اب تم اس سے بات نہیں کرو گی سمجھی"

"ھم"

عائشہ نے صرف ہنکارا بھرا پھر ایک دم بولی

"اب حمدان جیسے لڑکے کہاں ہوتے ہیں"

"ہر جگہ ہوتے ہیں بس ڈھونڈنے والی نظر ہونی چاہیے"

منظر دھندلا گیا۔

عائشہ کا چہرہ غائب ہو گیا۔

”حمدان جیسے لڑکے“

کھڑکی میں کھڑی نور اداسی سے مسکرائی۔

تھکے تھکے سے انداز میں کھڑکی کے پٹ بند کیے، پیر گھسیٹتی ہوئی اپنے بیڈ تک آئی اور بھیگے ہوئے کپڑوں میں ہی بستر پہ گر گئی اور کچھ ہی دیر بعد وہ بے خبر سو چکی تھی۔

☆......☆......☆

بہزاد نے ایک جھٹکے سے رخسار کے وجود کو اپنے بازوؤں سے آزاد کیا۔

اس کی شرٹ کے بٹن میں الجھے رخسار کے بال ٹوٹ کر اس کے بٹن سے ہی لپٹے رہ گئے۔

”ا۔آئم سوری۔ مجھے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا“

اس کا لہجہ ایک دم شرمندہ سا ہو گیا۔

”وہ بس میوزک اور ماحول ایسا ہو گیا تھا کہ میں اپنے ہوش کھو بیٹھا۔ رئیلی سوری“

رخسار اپنی جگہ پہ ایک دم سن کھڑی تھی۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

”خیر! اتنی بھی کوئی بڑی بات نہیں ہوئی۔ میں پتا نہیں کیوں معافی مانگ رہا ہوں۔ میں نے کونسا تم سے زبردستی کی ہے اور ہمارا تو شرعی رشتہ ہے۔ اتنا تو چلتا ہے“

بہزاد کی لمحہ بھر کی سنجیدگی لمحے میں ہی ہوا ہو گئی۔

”اور ہاں وہ تمہاری دوست رداء، اس کے گھر والے تمہیں بہت پسند کرتے ہیں اگر تم چاہو تو ہم خاموشی سے یہ رشتہ ختم کر سکتے ہیں کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ کب تک تم اس نام کے رشتے میں جڑی رہ کر اپنی زندگی گزارتی رہو گی وہ بھی ایسے شخص کے ساتھ جس سے محبت ہی نہیں کرتیں“

وہ کندھے اچکا کر کہتے ہوئے اپنا فون اٹھانے کے لیے اتنے آرام سے مڑا جیسے واقعی اس کے لیے یہ اتنی بڑی بات نہ ہو۔

لیکن، رخسار کے لئے وہ صرف الفاظ نہیں تھے، پگھلتا ہوا سیسہ تھا جو وہ اسکے کانوں میں انڈیل چکا تھا۔ اتنی بے عزتی، بس یہی اہمیت تھی اس کی، بہزاد کی زندگی میں۔

رخسار کے اندر غصے کا زبردست ابال اٹھا۔ جلتی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے بھر گئے۔

اس کے قدم خود بہ خود بہزاد کی جانب اٹھے، رخسار نے اس کی شرٹ کو کندھے سے کھینچ کر اسے اپنی جانب موڑا اور پوری طاقت سے اس نے بہزاد کو اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا اور قدرے حیرانی سے رخسار کو دیکھا۔

''سمجھ کیا رکھا ہے مجھے ہاں''

وہ ایک دم حلق کے بل چلائی

''کیا ہوں میں؟ کوئی کٹھ پتلی؟ کہ جس کا جب دل چاہے اپنے ہاتھوں میں نچا کر میری ڈوریوں کو کسی اور کے ہاتھ میں دے دے۔ ذرا شرم نہیں آئی آپ کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے؟ اور اگر مجھے بیوی مانتے ہی نہیں ہیں تو مجھے چھونے کی ہمت بھی کیسے کی۔۔۔ مجھے اگر چھوڑنا ہی تھا تو کیوں میرے دل کو پگھلایا؟ کیوں مجھے اپنی نظروں سے فریب دیتے رہے؟''

رخسار نے اپنے ماتھے پہ چپت لگا کر سر نفی میں ہلایا

''میں بھی پاگل ہی ہوں۔ ارے مجھے یہ پہلے سمجھ کیوں نہ آیا کہ لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی تو آپ جیسے لڑکوں کی عادت ہے۔ آپ لوگوں کو کسی کا دل توڑ کر کوئی فرق تھوڑی ناں پڑتا ہے۔ ایک لڑکی کو چھوڑیں گے تو ہزاروں لڑکیاں لائن لگا دیں گی آپ کے پیچھے۔

فرق تو ہم لڑکیوں کو پڑتا ہے۔ رشتہ نبھانے کی ساری ذمہ داری تو ہم لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ گھر خراب ہو تو لڑکی کی وجہ سے۔ شوہر طلاق دے جائے تب بھی لڑکی کو ہی بدکردار کہا جاتا ہے۔ ارے لڑکے تو جیسے بہت معصوم ہوتے ہیں ناں۔ ان کو تھوڑی کوئی داغ لگ سکتا ہے۔ انھیں تو بس داغ لگانے آتے ہیں۔

آپ کو کیا لگتا ہے؟ وہ جو آگے پڑھنے کی ڈیمانڈ، وہ قرض چکانے کی ڈیل میں نے کیوں کی تھی؟ صرف اور صرف اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے۔ یہ سب بہانے میں نے صرف اس لیے کیے کہ میرے اور آپ کے ڈیڈ کے درمیان دوستی کا خوبصورت رشتہ بنا رہے ورنہ میں چاہتی تو اسی دن شیرین آنٹی کو سب کچھ بتا چکی ہوتی لیکن میں بیوقوف لڑکی چپ رہ گئی۔ کاش کاش میں اسی وقت یہ رشتہ ختم کر دیتی تو مجھے آپ سے محبت نہ ہوتی''

اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہہ رہے تھے لیکن آج وہ ساری بھڑاس نکال کر ہی دم لینے والی تھی۔

"اللہ کرے کہ آپ جس لڑکی سے محبت کرتے ہیں وہ آپ کی زندگی سے کہیں بہت دور چلی جائے۔ آپ اس کے لیے تڑپتے رہیں لیکن وہ آپ کو نہ ملے"

"رخسار۔۔۔"

بہزاد نے ایک دم سے اسے ٹوکا کہ کہیں اس کی بددعا سچ ہی نہ ہو جائے۔

"تکلیف ہوئی؟ ہوئی نہ تکلیف؟؟ مجھے بھی ہوئی ہے تکلیف آپ کے لفظوں سے لیکن میری تکلیف سے آپ کو کیا لینا دینا۔ آپ کو تو صرف اپنی پڑی ہے۔ دوسرا جائے بھاڑ میں آپ کی بلا سے۔

میں کیا سمجھنے لگی تھی آپ کو۔ اپنا محافظ؟ ہونہہ۔ اگر محافظ ہوتے تو مجھے کسی اور کے لیے چھوڑنے کی بات سوچتے بھی نہیں۔

میرے سارے صبر، برداشت، محبت سب پر پانی پھیر دیا آپ نے۔

مجھے چھوڑنا ہے ناں تو چھوڑ دیں۔ آپ کو میرے مستقبل کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہنم میں جائے پڑھائی، جہنم میں جائے ڈیل۔ میں اب اس گھر میں نہیں رہونگی۔ مجھے آپ کی شکل تک نہیں دیکھنی میں آپ سے۔۔۔

چیخ چیخ کر اس کا گلہ بیٹھ چکا تھا۔ حلق میں کانٹے سے اگ چکے تھے۔ کچھ اور کہنے کی ہمت نہیں رہی تھی رخسار نے ایک کاٹ دار نگاہ، بہزاد کے سنجیدہ چہرے پہ ڈالی اور بے دردی سے اپنے گال رگڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور بہزاد لب بھینچے خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

"یہ کیا ہے؟ جب سب کو اتنا رونا ہی ہوتا ہے تو لڑکیوں کو کسی اور کے گھر بھیجتے ہی کیوں ہیں؟"

میاسہ کی رخصتی میں سب کو روتا دیکھ ننھے حمدان نے جھنجھلا کر ساتھ کھڑی چھوٹی سی نور سے کہا

"بھیجتے تھوڑی ہیں، میاسہ باجی تو اپنی مرضی سے جا رہی ہیں۔ کوئی مرضی کے بغیر بھیج ہی نہیں سکتا، کسی اور

کے گھر۔ جولڑکی جانا چاہتی ہے جائے اور جو نہیں جانا چاہتی وہ نہیں جائے"
نور نے کندھے اچکا کر معصومیت سے جواب دیا۔
"کوئی نہیں پاگل! ہر لڑکی کو جانا پڑتا ہے شادی کر کے لڑکے کے گھر جیسے میاسہ باجی جا رہی ہیں۔ تمہاری امی بھی تو تمہاری نانی کے گھر نہیں رہتی بلکہ تمہارے ابو کے گھر رہتی ہیں اور میری امی بھی۔ تم کو بھی جانا پڑے گا بلکہ میں لے جاؤں گا تمہیں اپنے گھر۔ سب اپنے ہونگے۔ میرے امی ابو تو پھوپھی پھوپھا بھی ہیں تمہارے۔ تم تو سب کو اچھے سے جانتی ہو۔
نور بدک کر حمدان کے سامنے آ کھڑی ہوئی
"اوئے یہ کیا بول رہے ہو بدتمیز! بچے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اگر کسی نے تمہاری یہ باتیں سن لیں ناں تو خود تو پٹو گے ہی ساتھ میں مجھے بھی پٹواؤ گے۔ سب میرا مذاق بھی بنائیں گے کہ تم نے یہ سب مجھ سے کہا"
حمدان نور کی بگڑی شکل دیکھ کر شرارت سے ہنسا۔
"اب تو میں سب کو بتاؤں گا یہ بات نوال جاسم فاطمہ سب سے کہہ دونگا"
وہ یہ کہہ کر وہاں سے بھاگا
نور بھی رونی صورت لیے اس کے پیچھے بھاگی
"رک جاؤ حمدان! تم پٹ جاؤ گے مجھ سے۔ اگر تمہاری وجہ سے میرا مذاق بنا تو کبھی تم سے بات نہیں کرونگی رکو حمدان!
"نور! اٹھ جاؤ۔ نور!۔ دیکھو تم کب سے سو رہی ہو"
اربش نے نور کا بازو ہلایا تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی اور اپنی سوجی آنکھوں کو بمشکل کھولا۔ اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔
چند لمحے خالی خالی نظروں سے اربش کا چہرہ دیکھتی رہی پھر ذرا ہوش آیا تو اپنی جگہ پر اٹھکر بیٹھی۔
اربش بھی اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔
"تمہیں تو اتنا تیز بخار ہو رہا ہے"

''اوہ۔۔یونیورسٹی جانے میں بھی دیر ہوگئی''

نور نے بھی آنکھیں مسلتے ہوئے نقاہت سے کہا

''یونیورسٹی جانے میں دیر؟ ٹائم دیکھو شام کے سات بج رہے ہیں''

اربش کی بات پر نور نے حیرانی سے دیوار پہ لگی گھڑی کو دیکھا۔

''کیا میں کل رات سے اب تک سوتی رہی ہوں''

''جی! تم صبح یونیورسٹی جانے کے لیے نہیں اٹھی تو میں سمجھی کہ شاید تمہیں جانا ہی نہ ہو اس لیے میں نے بھی تمہاری نیند خراب نہیں کی لیکن پھر دوپہر سے شام ہوگئی، تم اپنے کمرے سے نہیں نکلیں اور نہ ہی میری کال اٹھا رہی تھیں تو مجبوراً مجھے اسپیئر چابی سے تمہارے کمرے کا لاک کھولنا پڑا۔ میں تو بہت ڈر گئی تھی کہ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو تو نہیں گیا۔ خیر تم اب فوراً اٹھو۔ میں تمہارے استری شدہ کپڑے نکال دیتی ہوں ہم ابھی ہسپتال جا رہے ہیں''

''میں ٹھیک ہوں اربش! آپ فضول میں ٹینشن لے رہی ہیں''

اربش نے ڈانٹنے کے سے انداز میں کہا

''کہاں ٹھیک ہو؟ بخار میں جل رہی ہو۔ آنکھیں سوجی پڑی ہیں اور کہہ رہی ہو ٹھیک ہو۔ اٹھو شاباش''

وہ کہہ کر اس کی الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

نور، مزید کچھ کہے بغیر اپنی جگہ سے اٹھی۔ سر، کمزوری سے ایک دم چکرایا تو سائیڈ ٹیبل کو تھام لیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھالتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

روتے روتے نا جانے کب وہ نیند میں جا چکی تھی۔

بہزاد نے بنا کوئی آواز کیے رخسار کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ رخسار اپنی آنکھوں پہ بازو رکھے سو رہی تھی۔

وہ دبے پاؤں رخسار کے بیڈ تک آیا اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر سنجیدگی سے اس کے گالوں پہ جمے آنسوؤں کے نشان دیکھنے لگا۔

چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد بہزاد نے نرمی سے اس کا بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا ہی تھا کہ رخسار نے چونک کر آنکھیں کھولی اور بہزاد کو خود پر جھکا دیکھ آپے سے باہر ہوگئی۔

وہ تیزی سے بہزاد کو اپنے وجود سے دور ہٹا کر خونخار شیرنی کی طرح دھاڑی۔

''دور ہٹ جائیں مجھ سے، آپ میرے کچھ نہیں لگتے سمجھے آپ''

''میری بات تو سنو! میں مذاق کر رہا تھا''

''جھوٹے ہیں آپ، فریبی ہیں لیکن اب میں نہیں آؤ گی آپ کی باتوں میں۔ میں سب کو سب کچھ سچ بتادوں گی'' رخسار کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو جاری ہوگئے۔ وہ بالکل بے قابو ہو کر وہاں سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اب کی بار بہزاد کی آواز بھی بلند ہوئی۔

''لیٹی رہو اور تحمل سے میری بات سنو''

اس نے رخسار کو قابو کرنے کے لیے اس کے بازو اپنے ہاتھوں سے جکڑ رکھے تھے۔

''میں اب اپنے آپ کو آپ کے ہاتھوں استعمال نہیں ہونے دوں گی۔ یہاں سے چلے جائیں ورنہ۔۔۔

''ورنہ کیا کرو گی؟ پولیس بلا لو گی؟''

بہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر مزے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں'' رخسار نے آنکھیں دکھاتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا

''بہت خطرناک ہو تم تو یار! اچھا۔۔ بلا لو پولیس، لیکن ان سے کہو گی کیا؟ کہ میرا معصوم شوہر میرے پاس بیٹھا مجھ سے صلح کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟''

رخسار کوئی بھی جواب دیے بغیر خفگی سے منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''میں نے صرف مذاق میں کہا تھا واللہ میں سچ میں تمہیں چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا میں۔۔۔

''مجھے آپ کی کسی بات پر یقین نہیں''

رخسار نے اسے دیکھے بغیر رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

بہزاد نے ایک گہری سانس لی اور رخسار کا چہرہ اپنے سامنے کر کے مسکراتی آنکھوں کے ساتھ بولا

”اگر میں تم سے یہ کہوں کہ۔۔میں تم سے تمہاری سوچ سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں۔تمہاری زلفوں تمہاری آنکھوں، تمہاری باتوں، تمہاری ہر ایک ادا کا دیوانہ ہوں اور یہ کہوں کہ میں نے تم سے شادی کسی کے دباؤ میں آکر نہیں کی بلکہ خود تمہارے لیے پروپوزل بھیجا تھا اور رداء اور عدنان ہمارے بارے میں پہلے سے ہی سب کچھ جانتے ہیں تو کیا تب بھی تم میری کسی بات کا یقین نہیں کرو گی؟“

وہ خاموش ہوگئی تھی، ایک دم چپ، بالکل ویسے ہی جیسے پہلے، بہزاد کی آنکھوں میں دیکھ کر ہو جاتی تھی۔

بہزاد نے اس کے بازوؤں سے اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔

رخسار اپنی جگہ پر اٹھ بیٹھی مگر چہرے اور آنکھوں میں خفگی ہی خفگی تھی۔

بہزاد اس کے قریب تر بیٹھ کر دھیمی مگر گھمبیر آواز میں گویا ہوا

”میں نے تقریباً چار سال پہلے تمہیں پہلی بار تب دیکھا تھا جب ہم لندن سے اپنے کسی قریبی رشتہ دار کی شادی اٹینڈ کرنے آئے تھے اور شادی سے فارغ ہوتے ہی سب سے پہلے تمہارے گھر آئے تھے۔

تم اسکول گئی ہوئی تھیں اور حاشر تمہیں گاڑی میں اسکول سے لینے جا رہا تھا تو اسنے مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی جو میں نے مروت میں قبول کر لی۔

میرا پاکستانی لڑکیوں کے بارے میں یہی امیج بنا ہوا تھا کہ وہ باہر سے آنے والے لڑکوں کو مختلف بہانوں سے مخاطب کرتی ہیں، مسکرا مسکرا کر دیکھتی ہیں، ادائیں دکھاتی ہیں اور کچھ تو پکی دوستی کر لیتی ہیں اور یقین مانو شادی میں میرے ساتھ ایسا ہو بھی رہا تھا کہ جیسے میں کہیں کا سلطان ہوں لیکن۔۔۔

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری

”لیکن تم چالاک لڑکی! تم نے خاموشی سے ایسا وار کیا مجھ پہ کہ میں ایک سلطان سے غلام ہو گیا۔

تم بالکل میری توقع کے برعکس نکلیں۔سنجیدہ چہرہ، نیچی نگاہیں، سر پہ اوڑھی ہوئی اتنی بڑی چادر۔

ایسی حسین سادگی میں نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔

تم نے مجھ سے بات تو دور، میری طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور میری نظریں بار بار بیک ویو مرر

پر پڑتی رہیں پڑتی رہیں۔شکر ہے کہ اس وقت میں نے چشمہ پہن رکھا تھا ورنہ حاشر صاحب میری آنکھیں ہی نکال لیتے''

بہزاد ہلکا سا ہنسا

''تم میں پتا نہیں کیا میگنیٹک پاور ہے کہ میں خود بہ خود تمہاری جانب کھنچتا چلا گیا اور میں ۔۔بہزاد ہمایوں جو خوبصورت سے خوبصورت لڑکی کو بھی اپنے آگے کچھ نہیں سمجھتا تھا ایک لڑکی کے آگے ڈھے گیا۔اپنی ساری انا کو بھلا کر پہلی بار میں نے ایک لڑکی یعنی کے تمہیں فرینڈ رکویسٹ بھیجی جو تم جیسی ظالم لڑکی نے دو منٹ میں رجیکٹ کر دی اور اس کے بعد بھی تم خود کو معصوم سمجھتی ہو؟

رخسار کے گال گلابی پڑ گئے اور نظروں کے ساتھ ساتھ سر بھی جھک گیا۔

''میں نے دل کو سمجھایا کہ یار! ایک اکلوتی لڑکی تھوڑی ہے ایسی دنیا میں،اور بھی ہوں گی اس جیسی اور میں ایسی لڑکی کی تلاش کرنے لگا لیکن ہر دفعہ ناکامی کا سامنا ہوا۔

پھر میں نے سوچا کہ شاید میں بہت جلد باز ہو رہا ہوں۔نہ میری اتنی عمر تھی اور نہ تمہاری۔

تم تو ابھی اکیس کی ہو تو چار سال پہلے تو صرف سولہ سترہ کی ہونگی۔ہے ناں؟''

رخسار نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نے اس معاملے کو اللہ پر چھوڑ دیا اور اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گیا پھر ایک دن تمہارا نام میرے کانوں میں پڑا

موم ڈیڈ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تمہاری شادی کی بات کر رہے تھے۔تمہارے ابو تمہاری جلد از جلد شادی کرنے والے تھے اور کوئی لڑکا بھی پسند کر چکے تھے۔ان دونوں کی گفتگو سنتے ہی میرا خون کھول گیا،ارے! جس لڑکی کے تین سال تک خواب،میں دیکھتا رہا اسے کوئی اور اڑا کر لے جانے والا تھا؟نہیں بالکل نہیں۔

میرے قدم خود بہ خود ڈرائنگ روم کی جانب بڑھے اور میں موم ڈیڈ کے سامنے کھڑا ہو کر حکم دینے کے سے انداز میں بولا 'کہ ڈیڈ! عبید انکل سے کہیے کہ رخسار کا نکاح کسی اور کے ساتھ کرنے کے بجائے بہزاد سے کر دیں ۔کیونکہ میں۔۔رخسار نامی بلا کو پسند کرتا ہوں' اور ایک شان بے نیازی سے ان دونوں کو حیرت بھرے سناٹے

میں چھوڑ کر ڈرائنگ روم سے نکل آیا

اور وہ رات میری آنکھوں میں ہی کٹ گئی۔ بے چینی و بے قراری حد سے زیادہ تھی جیسے امتحان کے بعد نتیجہ آنے والا ہو اور انتہائی خراب پیپر دینے کے بعد بھی پاس ہونے کی امید ہو"

بہزاد، ذرا توقف کے بعد بولا

"لوگ کہتے ہیں کہ جلدی کا کام شیطان کا کام ہوتا ہے لیکن ہر معاملے میں میرے خیال میں ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی کچھ کاموں میں جلدی نہ کی جائے تو بہت دیر ہو جاتی ہے اور پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کسی سے محبت ہو تو اس سے جائز رشتہ قائم کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ بے مقصد وقت ضائع کرنے سے حاصل بھی لاحاصل ہو جاتا ہے تو محبوب کی تو پھر بات ہی الگ ہوتی ہے کیونکہ محبوب جہاں ہوتا ہے وہاں رقیبوں کا ہجوم جمع ہونے میں دیر نہیں لگتی یا یوں کہہ لو کہ محبوب کے قریب کھڑا ہر شخص رقیب نظر آتا ہے جیسے میرے نزدیک کھڑی 'ایلی' تمہیں اپنی رقیب لگ رہی تھی"

بہزاد نے آخری جملہ ایک شریری مسکراہٹ کے ساتھ مکمل کیا

رخسار، لب بھینچ کر اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔ اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"خیر! اگلے دن موم میرے کمرے میں آئیں اور سنجیدگی سے میرے سامنے بیٹھ گئیں۔

اس وقت میرا دل معمول سے زیادہ تیز دھڑک رہا تھا اور میں کسی بیمار شخص کی طرح انہیں ایسی امید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ اللہ کے واسطے، میری امید کے پھڑ پھڑاتے دیے کو بجھا کر مجھے بھری جوانی میں ہارٹ پیشنٹ نہ بنا دینا۔

انھوں نے سب سے پہلے تو مجھ سے یہ کنفرم کیا کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں پھر میرے ہاتھ تھام کر بولیں کہ 'عبید انکل، صرف بیٹی کا نکاح ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ اسے رخصت بھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات سن کر تو میں اور بھی زیادہ خوش ہو گیا کہ بیوی کو پاکستان سے ساتھ ہی لے کر آؤں گا لیکن ۔۔۔ انھوں نے مجھ سے یہ کہا کہ تمہیں اپنی شادی کے بارے میں پتا ہی نہیں ہے۔ تمہاری شادی کا فیصلہ تم سے پوچھے یا تمہیں بتائے بغیر کیا گیا ہے۔

موم نے مجھ سے کہا کہ 'ہم تمہارا نکاح رخسار سے کروا تو دینگے لیکن ہم اس بات کی گارنٹی نہیں دے سکتے کہ وہ

تمہاری امیدوں پہ پوری اترے گی یا نہیں۔
کیا پتا وہ کسی اور سے محبت کرتی ہو یا وہ شادی نبھانے کے لیے تیار نہ ہو۔اس کی خواہش کچھ اور چیز حاصل کرنے کی ہو اور تم اس سے اس کے سارے خواب چھین لو اور خود کو جبراً اس پہ مسلط کر دو‘‘
موم نے سیدھے سیدھے مجھ سے یہ کہا کہ ’ضروری نہیں ہے کہ تم جس سے جیسی محبت کرو، بدلے میں وہ بھی تم کو ویسے ہی چاہے۔محبت مانگی نہیں جاتی بلکہ محبت کمانی پڑتی ہے۔محنت سے، صبر سے، برداشت سے۔
جس سے محبت ہوناں یا جس سے تمہارا نکاح ہو تو سب سے پہلے اس کی ظاہری خوبصورتی سے نہیں بلکہ اس کی روح سے محبت کرنا سیکھنا چاہیے۔
زبردستی رشتوں کو گھسیٹنے کے بجائے انہیں اس مہارت سے نبھانا چاہیے کہ کوئی خود کو مکمل آزاد پا کر بھی اس رشتے کی قید کو کبھی بھولے سے بھی توڑنے کی کوشش نہ کرے۔
اگر چاہتے ہو کسی پہ حکمرانی کرنا تو اس کے دل پہ کرو، اس کی روح کو چاہو کیونکہ جسم کو چاہنے والے، شکل وصورت پہ مرنے والے تو گلی کے ہر نکڑ پہ ملتے ہیں جو راہ چلتے ہر حسین شخص کو دیکھ کر آہیں بھرتے ہیں مگر وہ لوگ بہت خاص ہوتے ہیں جو کسی کو روح سے چاہتے ہیں اور ایسی چال چلتے ہیں کہ محبوب خود چل کر بخوشی اپنا آپ اس کے حوالے کر دیتا ہے۔
موم مجھے سمجھا کر، سوچنے کا موقع دے گئیں۔
اب یہ میرے ہاتھ میں تھا کہ میں کس طرح اپنی بیوی کا دل جیتوں، اسے کس طرح اپنی محبت میں مبتلا کروں اور کس طرح اس سے یہ جاننے کی کوشش کروں کہ کہیں وہ کسی اور کو دل تو نہیں دے بیٹھی۔
خیر! سوچنے کا وقت تھا نہیں کیونکہ اگر میں تم سے فوراً نکاح نہ کرتا تو کوئی اور کر لیتا اور ایسا میں ہوتا دیکھ نہیں سکتا تھا تو میں نے پہلی فرصت میں تم سے نکاح کیا اور۔۔۔
اور میں نے پہلے دن بھی صرف ایک ہلکا پھلکا سا مذاق کیا تھا، جس طرح ڈراموں میں ہوتا ہے ناں کہ اکڑو شوہر اپنی بیوی کو اپنانے سے انکار کر دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔۔
اور اس وقت تمہاری شکل دیکھنے کے بعد میں اپنے کمرے میں جا کر بہت ہنسا اور کافی دیر تک انتظار کرتا رہا

کہ تم آؤ گی، میرے قدموں میں گر جاؤ گی۔ میرے سامنے رو رو کر یہ کہو گی کہ اللہ کا داسطہ، مجھے اپنا لیں اور پھر میں اسی وقت زور زور سے قہقہے لگاؤ نگا اور تمہیں گلے سے لگا لونگا مگر تم کمرے میں آئیں بھی تو ڈیل کرنے ۔واہ۔۔اور تمہیں میرا دل ٹوٹنے کی آواز تک نہ آئی"

بہزاد اپنی ہی بات سے لطف اندوز ہو کر زور سے ہنسا اور رخسار کے گالوں کی سرخی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"تمہارے ردعمل کے بعد میں نے اس جھوٹ موٹ کے گیم کو جاری رکھنے کا سوچا۔

یہ تمام باتیں میں نے عدنان اور رداء، جو میرے بچپن کے دوست ہیں انھیں بھی بتائیں اور اس کے بعد رداء، تمہارے سر پہ سوار ہو گئی مطلب کہ تمہاری دوست بن گئی۔

ہم نے کچھ پلان نہیں کیا تھا۔رداء، اپنی ہی طرف سے ایسی باتیں کرتی تھی جس سے وہ جان سکے کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔تم اسے میرے بارے میں بتاتی ہو یا نہیں لیکن تم نے اسے ہمارے رشتے کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی۔

موم کے آگے بھی تم مجھے ڈفینڈ کرتی رہیں۔ ہمارے درمیان کچھ نہ تھا پھر بھی تم مجھ سے وفا کرتی رہیں۔

مشرقی لڑکی جو ٹھہریں۔

میں بھی تم سے پوچھتا رہا کہ تم مجھ سے کچھ کہنا تو نہیں چاہتیں مطلب یہ کہ تم میری محبت میں مبتلا ہو گئی ہو یا نہیں، یہاں تک کہ تمہیں ہارر مووی تک دکھائی یہ سوچ کر کہ تم خود چل کر میرے کمرے میں آؤ گی اور مجھ سے یہ کہو گی کہ تمہیں اکیلے سونے میں ڈر لگ رہا ہے (میری خوش فہمیاں)

لیکن تمہاری انا ایسی کہ رات جاگ کر گزار دی مگر میرے پاس نہیں آئیں۔

آج میں واقعی میں تم سے ہار ماننے والا تھا۔تمہارے آگے گھٹنے ٹیکنے والا تھا مگر یہ کلب والا پلان میں نے نہیں بنایا۔میں تو جلدی ہی وہاں سے نکل کر تمہارے پاس آنے والا تھا۔

لیکن تمہیں وہاں دیکھ کر اور تمہارے ساتھ بدتمیزی کرتے اس لڑکے کو دیکھ کر میرا دماغ گھوم گیا اور اس کو میں نے اتنی زور کا مکہ دے مارا۔اس کو ضرور تمہارے ساتھ بدتمیزی کرنے پر رداء نے پیسے دیے ہونگے۔اس رداء کی بچی کو تو نہیں چھوڑونگا"

بس اب رخسار کی بھی برداشت کی حد تھی۔

وہ ایک دم بلند آواز میں اتنی زور زور سے ہنسنے لگی کہ لمحہ بھر کو بہزاد نے بھی اسے حیرانی سے دیکھا۔

وہ دیوانوں کی طرح ہنستی چلی جا رہی تھی۔

بہزاد کو بھی اس کی ہنسی سے ہنسی آنے لگی۔

''کیوں ہنس رہی ہو؟''

''آپ اتنا بولتے بھی ہیں اور اتنا اچھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ جب میں نے آپ سے محبت کا اظہار کیا ہی نہیں تھا تو پھر بھی آپ نے مجھے چھونے کی ہمت کیسے کی؟''

''کیونکہ میں یہ جانتا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور چاہتی ہو کہ میں تمہیں اپنا لوں لیکن منہ سے یہ بات کہنے میں تمہاری انا جو درمیان آ رہی تھی۔ میں نے جب پہلی بار تمہارا ہاتھ پکڑا تھا تو وہ بالکل ٹھنڈا تھا برف کی طرح۔ ہر جذبے سے خالی لیکن آج شام جب تمہارا ہاتھ تھاما تو تمہارے ہاتھ میں اتنی حدت تھی، جیسے میں نے صرف تمہارے ہاتھ کو نہیں بلکہ تمہاری روح کو بھی چھوا ہو''

پھر مسکرا کر سر جھٹکا

''میرے مذاق ہمیشہ مجھے ڈباتے ہیں لیکن آج کے مذاق میں تو مرتے مرتے بچا ہوں۔ تمہاری آنکھوں میں ایسا خون اترا ہوا تھا کہ عین ممکن تھا کہ تم میرے سر پہ کافی کا مگ ہی مار دیتیں لیکن چلو۔۔ جذبات میں آ کر تم نے محبت کا اظہار تو کیا''

رخسار اس بات پر ہلکا سا ہنسی

''سو۔۔ مسز بہزاد! کیا آپ میری بیگم بن کے اس گھر پر، مجھ پر اور ہمارے بچوں پر حکمرانی کرنا پسند کریں گی؟''

''ام۔۔ لیکن اس سے پہلے آپ کو مجھ سے چند وعدے کرنے ہونگے۔ منظور ہے؟''

رخسار نے گردن کڑا کر اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا۔

بہزاد نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور مسکرا کر رخسار کے ہاتھ پہ اپنا دایاں ہاتھ رکھا۔

''منظور ہے''

''آج کے بعد آپ میرے ساتھ ایسے برے مذاق نہیں کریں گے''

''میری توبہ! بالکل بھی نہیں'' بہزاد نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا

رخسار نے اپنی مسکراہٹ دبائی

''دوسرا یہ کہ جیسے آپ کو میرا کلب آنا برا لگا تھا ویسے ہی مجھے بھی آپ کا وہاں جانا منظور نہیں''

''نہیں جاؤنگا''

بہزاد نے بنا کسی توقف کے کہا

''اور۔۔تیسرا یہ۔۔کہ آپ کبھی بھی، کسی حال میں بھی مجھے نہیں چھوڑیں گے''

اس نے تیسرے وعدے پر چند لمحے خاموشی سے رخسار کا چہرہ دیکھا اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

رخسار کی سانس تھم سی گئی

بہزاد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک خوبصورت ڈائمنڈ پینڈٹ نکالا۔

''رخسار!

میں تمہیں چھوڑ دونگا''

سنجیدگی سے کہتا ہوا وہ رخسار کی جانب جھکا اور اس کی گردن میں وہ پینڈٹ پہنا دیا۔

رخسار، ہنوز سانس روکے بیٹھی تھی۔

پھر اپنا منہ اس کے کان کے قریب کر کے دھیمے لہجے میں بولا۔

''میں تمہیں۔۔چھوڑ دونگا۔۔اپنے مرنے کے بعد۔

اینڈ۔۔ہیپی فرسٹ ویڈنگ اینورسری مائے لو''

''رخسار کی آنکھوں میں ایک دم سے نمی آگئی اور اس نے مزید کچھ کہے بغیر بہزاد کے کندھے پہ سر رکھ لیا اور

بہزاد نے بھی کچھ سنے بغیر رخسار کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

یارو! کچھ تو حال سناؤ اس کی قیامت بانہوں کا

وہ جو سمٹتے ہونگے ان میں وہ تو مر جاتے ہونگے

سارے گلے شکوے دم توڑ گئے تھے اور ان کے بیچ رہ گئی تھی تو فقط محبت۔

رخسار کے پاس کہنے کو اب کچھ نہیں تھا۔ اب وہ صرف سن رہی تھی

بہزاد کے دل کی 'دھک دھک'

☆......☆......☆

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں امی"

نور کان میں ایئر فون لگائے، زرمینہ کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی اور ہاتھ بیڈ پر پھیلے نوٹس ترتیب کرنے میں مصروف تھے۔

"تمہاری خالہ مجھ سے شکوہ کر رہی تھیں کہ نور کی طبیعت خراب ہے اور کسی نے مجھے بتایا بھی نہیں"

"امی میں انھیں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہ رہی تھی"

"اچھا تو اب فون کر لو انہیں"

"ان سے میری بات ہو گئی ہے۔ ان کا فون آیا تھا میرے پاس"

"کوئی اور بات تو نہیں کی انھوں نے"

"ام۔۔نہیں" نور نے کندھے اچکائے

"ھم۔۔وہ میرے جواب کے انتظار میں ہے اور میں تمہارے"

زرمینہ کی بات پر نور کے نوٹس ترتیب دیتے ہاتھ رک گئے۔ دونوں جانب ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

زرمینہ ہلکا سا کھنکاری

"بتاؤ! کیا جواب دوں خالہ کو"

نور ہنوز خاموش رہی

”نور! کسی کو پسند کرتی ہو؟“ زرمینہ سنجیدگی سے بولیں۔

نور کا دل ان کے سوال پہ زور سے دھڑکا۔آنکھوں کے سامنے ایک دم کسی کا چہرہ نمودار ہوا۔

”نہ۔۔نہیں امی! ایسی کوئی بات نہیں۔آپ جو خالہ سے کہنا چاہتی ہیں وہ کہہ دیں“

”وہ تو میں۔۔۔

”امی! بعد میں بات کریں؟ مجھے ذرا کچھ کام ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں فون رکھ دوں؟“

نور نے ضبط سے کہا

”ہاں! مجھے بھی نماز پڑھنی ہے۔اپنا خیال رکھنا۔اللہ تمہیں کامیاب کرے۔اللہ حافظ“

نور نے ایک جھٹکے سے اپنے کانوں سے ایئرفون کھینچ نکالے۔

حمدان کا کہا گیا جملہ اچانک اسے یاد آیا (میں۔۔میں تمہیں تکلیف دے رہا ہوں؟ ٹھیک ہے اب میں تم سے بات کیا تمہیں اپنی شکل تک نہیں دکھاؤ گا پھر حساب لگا لینا کہ تمہاری تکلیف میں کتنی کمی ہوئی)

نور نے ہیڈ بورڈ پہ سر ٹکا کر آنکھیں میچ لیں۔آنکھوں سے گرم گرم پانی بہہ کر اس کے گالوں کو جلانے لگا۔

”حمدان! میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔تم نے تو واقعی میں ہی اپنی شکل تو کیا اپنی آواز تک نہیں سنائی مجھے۔ختم ہوگئی تمہاری محبت؟ کیا اب دل بے قرار نہیں ہوتا تمہارا؟“

اس نے آنکھیں کھول کر کمرے کی چھت کو دیکھا۔

”یا اللہ! مجھے معاف کر دیں۔میں نے بہت غلط کیا۔امی ابو کو تکلیف دی۔اپنی جان پہ ظلم کیا۔مجھے معاف کر دیں۔بس لا حاصل کی تمنا میرے دل سے نکال دیں۔جو فیصلہ آپ نے میرے لیے کر رکھا ہے مجھے اس فیصلے کو دل سے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔یا اللہ! اگر وہ میرے نصیب میں نہیں تو اس کی یاد، اس کی آرزو میرے دل سے نکال دیں۔اللہ! اس باب کو بند کر دیں۔بے شک آپ ہر چیز پہ قادر ہیں“

نور نے تڑپتے دل سے دعا کر کے چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں پہ گرا لیا۔

اچانک، اس کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجا اور اربش ہاتھوں میں رس ملائی کا پیالہ لے کر اندر داخل ہوئی۔

نور نے فوراً اپنے آنسو رگڑ ڈالے

”میں نے رس ملائی بنائی ہے۔کھا کر دیکھو،کیسی بنی ہے“

”آپ نے بنائی ہے تو اچھی ہی بنی ہو گی“

نور نے جبراً مسکرا کر کہا لیکن اس کی رندھی آواز نے اربش کو چونکا دیا

”کیا ہوا ہے؟تم رو رہی تھیں کیا“

”ن۔۔نہیں میں کیوں روؤنگی؟“

”ہنسنے کی اور رونے کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں اور جو کوئی کسی وجہ کے بنا ہنسے تو وہ پاگل کہلاتا ہے اور کسی وجہ کے بغیر روئے تو ناٹک باز۔خیر!میں جانتی ہوں کہ تمہارے پاس رونے کی کوئی وجہ ہے تبھی تو اکیلے میں بیٹھی آنسو بہا رہی ہو۔

اگر تم چاہو تو مجھ سے شیئر کر کے اپنا دل ہلکا کر سکتی ہو کیونکہ میں تمہاری رشتہ دار نہیں ہوں“

”ایسی کوئی بات نہیں،میں۔۔۔

”اچھا تم یہ رس ملائی کھاؤ۔میں تم سے اپنی کہانی شیئر کرتی ہوں“

اربش نے مسکرا کر رس ملائی کا پیالہ نور کے ہاتھ میں تھمایا اور اپنی ماضی کی کتاب بغیر کسی خوف کے اس کے آگے کھولنے لگی۔

اربش کی کہانی شروع ہوتے ہی نور کے رس ملائی چکھتے ہاتھ رک گئے اور وہ بنا پلک جھپکائے سننے گئی۔

”تو۔۔یہ ہے میری کہانی“

اربش نے تمام قصہ سنا کر ایک گہری سی سکون بھری سانس لی۔

”آپ کو دیکھ کر لگتا نہیں کہ آپ نے بھی زندگی کے اتنے مشکل دن گزارے ہیں۔ماشاءاللہ،کتنا سکون ہے آپ کے چہرے پہ“نور نے دھیمے،سنجیدہ لہجے میں کہا۔

اربش مسکرائی

”جب انسان اس فانی دنیا کی حقیقتوں کو جان لیتا ہے ناں تو پھر بڑے سے بڑا طوفان بھی اسکی کشتی کو ڈبانے میں ناکام رہتا ہے اور اگر مجھے یہ پتا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنے اچھے شوہر اور پیاری سی بیٹی سے نوازنے والا ہے تو

میں اپنی گزر جانے والی آدھی زندگی صبر کرتے نہیں بلکہ شکر کرتے گزارتی۔

اور ویسے بھی ہمیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ یہ جو دنیا میں کچھ لوگ فرعون بنے پھرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کوئی عام انسان ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا تو پھر ان زمینی جھوٹے خداؤں کو تمام جہانوں کا مالک، واحد و یکتا ،معبود حقیقی ایسی سزا دیتا ہے کہ وہ سزا دوسروں کے لیے عبرت کا نشا بن جاتی ہے، اس لئے ایسے لوگوں سے ڈرنا نہیں چاہیے اور اللہ کے وعدوں اور مدد و رحمت سے کبھی بھی، کسی حال میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے''

اچانک اربش کے فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو! کون؟

سوری رونگ نمبر۔

رونگ نمبر تھا''

اسنے مسکرا کر کہا اور فون سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''اب تمہاری باری۔ کس وجہ سے پریشان ہو؟''

نور نے اپنے ہونٹ کاٹے

''نہیں اربش! کوئی وجہ نہیں ہے''

''اچھا! نہ بتاؤ لیکن ۔ ۔ ۔ جب تم بخار میں تھیں تو میں نے تمہیں کسی 'حمدان' کا نام بڑبڑاتے سنا تھا۔ مجھے لگا شاید یہ حمدان ہی تمہاری پریشانی کا باعث ہو۔ کون ہے یہ 'حمدا ۔ ۔ ن؟''

نور نے پہلے تو حیرانی سے اربش کے الفاظ سنے پھر اپنی بے خودی پہ خود کو کوسا اور ایک گہری سانس لے کر اربش کے آگے ہار مان کر تھکے تھکے سے لہجے میں بولی

''حمدان میری پھوپھو کا بیٹا ہے۔ ہم سب کزنز بچپن سے ہی ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست ہیں مطلب کہ ہم کبھی ایک دوسرے کے بغیر کہی باہر گھومنے نہیں جاتے، کبھی ایک دوسرے کے بغیر کوئی پلان نہیں بنایا۔ بس یونہی کھیلتے کھیلتے اچانک یہ احساس ہونے لگا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ ہمارے جذبات بنا ہماری اجازت کے بدلتے گئے اور۔ ۔ اور ہم دونوں پہ یہ راز افشاں ہوا کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہوگئی ہے''

نور نے اپنی ہتھیلی مسلتے ہوئے ایک نظر اربش کو دیکھا جو سنجیدگی سے اسے سن رہی تھی۔

”ہم اس نئے جذبے سے اس قدر خوف زدہ ہو گئے تھے کہ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا بھی بند کر دیا تھا۔ہم ایک دوسرے سے ہچکچانے لگے تھے۔کسی کو اس بارے میں پتا نہ چل جائے اسی وجہ سے میں نے اپنے باقی کزنز لڑکوں سے بات کرنا کم کر دی تا کہ میرا حمدان سے بات نہ کرنا کسی کی نظر میں نہ آ جائے۔

ہم آپس میں بات تو نہیں کرتے تھے لیکن پھر بھی ایک دوسرے کی ہر خبر رکھتے تھے۔ایک دوسرے کے ہر جذبے سے واقف تھے“

”محبت تھی اور بات نہیں کرتے تھے؟ بلکہ تم دونوں کی دوستی اور گہری ہو جانی چاہیے تھی کیونکہ ہم لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ چاہے، درمیان میں محبت نہ بھی ہو تب بھی نامحرموں کے ساتھ گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں اور جب کوئی تنقیدی نگاہ سے دیکھے تو الٹا اسے یہ کہہ کر اس کا منہ بند کرا دیتے ہیں کہ بھئی، ہمارے دل میں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہیں۔ایک دوسرے کو بھائی بہن سمجھتے ہیں، کیوں پرانے زمانے کے جاہل لوگوں سی باتیں کرتے ہو۔ہم اپنے گناہوں پر بے تکے سے جواز پیش کر کے اپنے ضمیر کو تھپک کر سلا دیتے ہیں۔ہونہہ۔۔“

اربش نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہتے ہوئے اپنا سر جھٹکا۔

”ضروری تو نہیں ہوتا ناں کہ جس سے محبت ہو، اس سے فون پہ یا فیس ٹو فیس بات کرنا لازمی ہو؟ ہم نکاح کرنا چاہتے تھے۔اس محبت کو گندہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے مگر ہم دونوں خاموش رہے اپنی عمر اور پڑھائی کا سوچتے ہوئے ہم نے کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ صحیح وقت آنے پر حمدان میرے لیے رشتہ بھیج دے گا۔۔۔لیکن اسے دیر ہو گئی یا پھر وقت سے پہلے میرا رشتہ آ گیا“

”تمہاری منگنی ہو چکی ہے“ اربش نے مشکوک سے لہجے میں کہا

نور نے نفی میں سر ہلایا

”میرا رشتہ آیا تھا تو مجھے سوچنے کا موقع دیا گیا تھا۔میں حمدان سے اس بارے میں بات کرنا چاہتی تھی مگر جب مجھے پتا چلا کہ میری چھوٹی پھوپھو اپنی بیٹی کی شادی حمدان سے کرنا چاہتی ہیں اور بڑی پھوپھو نے انھیں زبان دے دی تو میں وہیں رک گئی۔

میں ۔۔میں اپنی پھوپھو سے بہت پیار کرتی ہوں ۔۔وہ بہت خوش تھیں بہت زیادہ خوش۔وہ میری امی کی طرح ہیں اور فاطمہ میری بہن ۔۔میں کیسے اپنی خوشی کے لیے ان کی خوشی چھین لیتی۔میں نہیں بتا سکی کسی کو سچ۔میری بچی کچی ہمت پھوپھو کی خوشی واطمینان کے آگے دم توڑ گئی تھی“

نور کے حلق میں آنسو کا گولہ پھنس گیا۔

”محبت تو قربانی مانگتی ہے ناں۔یہی کہا تھا پھوپھو نے ہم سے۔ایک دوسرے کے لیے قربانی دینے سے ہی تو خاندان مضبوط رہتا ہے تو میں نے بھی یہ قربانی دینے کی کوشش کی مگر میں کمزور پڑ گئی۔

میں نہیں چاہتی تھی کہ بات بڑھے۔میں نے سوچا تھا کہ وقتی جذبہ ہے، وقت کے ساتھ مٹ جائے گا۔میں کسی اور کی ہو جاؤنگی تو ہر چیز نارمل ہو جائے گی۔مگر مجھے یہ احساس ہوا کہ میں تو پہلے ہی کسی اور کی ہو چکی ہوں ۔میرا دل تو میرے پاس ہے ہی نہیں، تو میں ارحم کو کیا دونگی؟

ارحم بہت اچھا انسان ہے، میں اس کے ساتھ دھوکہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔میں اپنا سب کچھ اسے دے بھی دیتی لیکن دل ۔۔جو ہر چیز کے مقابلے میں اہم ترین ہوتا ہے وہی میں اسے نہیں دے پاتی تو پھر نکاح کا کیا مطلب بچتا۔میں آدھی ادھوری ارحم کی زندگی میں شامل ہونے سے گھبرا گئی تھی مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ میں گناہ گار نہ ہو جاؤں۔میں کسی اور کی بیوی ہو کر کسی اور کو سوچنے کی غلطی نہ کر جاؤں اس لیے میں پیچھے ہٹ گئی میں نہیں کر پائی شادی۔مجھ سے نہیں ہو پایا“

آنسو، ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

”میرے پاس تب آگے پڑھنے کا بہانا تھا لیکن اب میں کیا بہانا بناؤں گی؟ میں نہیں بتا سکتی کہ میں حمدان سے محبت کرتی ہوں۔لڑکیاں کہاں اتنی بہادر ہوتی ہیں۔

کیا حمدان کو نہیں دکھتا کہ میں نے شادی سے انکار کیوں کر دیا؟ کیوں اسے سمجھ نہیں آتا کہ کنواری لڑکیوں کو ماں باپ اپنے گھر بٹھا کر نہیں رکھ سکتے۔کیوں اسے احساس نہیں ہوا کہ لڑکیوں کی شادیاں جلدی کر دی جاتی ہیں۔اس نے کیوں نہیں بھجوا دیا پہلے ہی رشتہ؟

اب تو مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے ہی محبت کی ہے۔وہ تو مجھے بھول گیا ہے۔اپنی شکل تک نہیں دکھائی

اس نے ان سالوں میں اور۔۔اور مجھے پتا ہے کہ جیسے وہ پہلے کچھ نہیں کر سکا ویسے ہی وہ اب بھی کچھ نہیں کر سکے گا اور ہو جائے گی میری شادی سلمان سے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ لڑکا ہو کر بھی اس کے پاس اتنی ہمت نہیں کہ وہ سب کو بتا سکے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔

لیکن اب میں نے سوچ لیا ہے کہ مزید کوئی بہانا تلاش کر کے میں اپنے امی ابو کو پریشان نہیں کروں گی۔ان کی تو کوئی غلطی نہیں ہے، اس میں تو پھر میں انہیں کیوں تکلیف دوں۔ارحم، نوال کی قسمت میں تھا اس لیے میرا دل نہیں مانا لیکن اب۔۔میں سلمان سے شادی کرنے کو تیار ہوں کیونکہ اسی لائق ہوں میں۔

لمان جیسے ہی لڑکے کے لائق ہوں میں کیونکہ شاید حمدان کا دل مجھ سے اکتا گیا ہے اور۔۔یہی میں چاہتی تھی۔سب ختم ہو جائے، یہی چاہتی تھی میں"

"نہیں! تم ایسا نہیں چاہتی تھیں" اربش سنجیدگی سے بولی

نور نے بھیگی پلکیں اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اربش کو دیکھا

"تم کبھی نہیں چاہتی تھیں کہ ایسا ہو کیونکہ اگر تم یوں چاہتی تو ارحم سے شادی سے انکار نہ کرتیں، نہ ہی حمدان کو سوچ سوچ کر آنسو بہاتی اور نہ ہی دل میں یہ آرزو کرتیں کہ اچانک کہیں سے حمدان تمہارے سامنے آجائے اور تم سے وہ کہہ دے، جو تم سننا چاہتی ہو"

"نہیں۔۔۔میں۔۔۔

نور ایک دم نفی میں سر ہلا کر صفائی پیش کرنے لگی مگر اربش نے اس کی بات ان سنی کر دی۔

"تم خود کو بہت سمجھ دار سمجھتی ہو لیکن تم سے زیادہ بیوقوف میری نظر میں ابھی کوئی نہیں۔کب سے قربانی قربانی کر رہی ہو جیسے ساری قربانیاں دینے کا ٹھیکا تم نے لے رکھا ہے۔کیا تم نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ جو بڑے تم لوگوں کو قربانی کا درس دیتے ہیں، قربانی دینے میں بھی ان کو پہل کرنی چاہیے؟ انہیں اپنے اقدام سے چھوٹوں کو نصیحت کرنی چاہیے نہ کہ صرف باتوں سے"

اربش کا لہجہ بظاہر تو عام سا تھا لیکن الفاظ کاٹ دار۔

نور ایک ٹک اسے دیکھے گئی

”تم نے کہا کہ تم اپنی پھوپھو سے بہت محبت کرتی ہو اور ظاہر ہے کہ وہ بھی تم سے کرتی ہونگی تو پھر تم نے یا حمدان نے انھیں سچ کیوں نہیں بتا دیا؟

خاندان کو جوڑے رکھنے کی ذمہ داری تو ان کی بھی ہے ناں۔ وہ بھی تو قربانی دے سکتی تھیں؟ تم لوگ بھی تو ان کے بچوں جیسے ہو تو تم دو بچوں کی خوشی کی خاطر وہ اپنی بچی کا رشتہ کہیں اور بھی تو کر سکتی تھیں؟

بس اتنی سی بات تھی اور تم نے ڈر کے مارے اور اپنے ذہن میں آتے وسوسوں کی وجہ سے اسے کھینچ کھینچ کر اتنی بڑی بات بنا دی۔

اور ویسے بھی کوئی سمجھ دار انسان یہ جاننے کے بعد کہ لڑکا کسی اور کو پسند کرتا ہے، اپنی بیٹی کی اس سے کبھی شادی نہیں کریں گی بلکہ لڑکی خود اس رشتہ سے انکار کر دے گی کیونکہ۔۔ کوئی بھی۔۔ چاہے وہ بیوی ہو یا شوہر ۔۔ اپنی محبت میں شراکت داری قبول نہیں کر سکتا۔ کچھ مخصوص لوگ ہی ہوتے ہیں جو اس شراکت داری کو اپنا سکتے ہیں۔ ہر کسی کے پاس اتنا بڑا دل نہیں ہوتا۔ خاص کر کے ہم جیسے عام کمزور، لوگوں کے پاس“

اربش نے ذرا رک کر سانس بھری پھر سامنے پتھر بنی بیٹھی نور کے ٹھنڈے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر سمجھانے والے انداز میں بولی

”صبر رکھو نور! اور دعا کرو۔ اگر حمدان تمہارے نصیب میں نہیں ہوگا تو دیکھنا آہستہ آہستہ تمہارا دل اس سے ہٹتا چلا جائے گا اور اگر تمہاری شادی کسی اور سے ہو جائے تو یہ بھی تمہارے نفس کا امتحان ہوگا۔ تم آخرت پہ ایمان رکھتی ہو ناں؟ تو پھر آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے اور بہت کچھ پانے کے لیے صرف اسی کی ہو جانا جس سے تمہارا نکاح ہو۔ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ کے نصیب میں وہی ہو جس سے آپ نے محبت کی۔

اور صاف بات ہے، محبت کو پانے کے لیے نہ تم نے کوشش کی اور نہ ہی تمہارے کزن نے۔ صرف چھپ چھپ کے محبت کرنے سے یا آنسو بہانے سے محبت نہیں ملتی۔ ہمت ہونی چاہئے اس محبت کو حلال بنانے کے لئے۔ خیر۔۔ اب تم نے ایک فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس پر رونے کی بجائے اسے دل و جاں سے اپنا لو اور سنو! اب نہ دیکھوں میں تمہیں اداس اور روتا ہوا سمجھیں؟“

نور نے جھکے سر سے ہلکا سا اثبات میں سر ہلا یا۔

”گڈ! اور اب یہ رس ملائی ختم کرو اور پیالہ مجھے کچن میں لا کر دو“

اربش نے حکم دیتے ہوئے، چمچ بھر کے رس ملائی نور کے منہ میں زبردستی ٹھوسی اور اسے اپنے آپ میں الجھا چھوڑ، اپنا فون تھام کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

کچھ ہفتوں بعد۔۔

”اربش! شاید آج گھر آنے میں دیر ہو جائے۔ لاسٹ پیپر ہے، تو فرینڈز وغیرہ سب سے مل کر آؤنگی“

نور نے اطمینان سے ٹوسٹ کھاتے ہوئے کہا۔

”ماشاءاللہ! ہر پیپر میں تمہارے چہرے پہ سکون قابل تعریف ہوتا ہے، جیسے تمہیں پہلے ہی پتا ہو کہ کون کون سے سوالات آنے والے ہیں“

نور بے ساختہ ہنسی

”مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے کیونکہ میں جو پڑھ کر جاتی ہوں الحمداللہ وہی آتا ہے“

”تم، ماشاءاللہ اتنی محنت کرتی ہو کہ پھر تمہیں پیپر بھی ایزی لگتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ انشاءاللہ تمہاری فوٹو آئے گی اخبار میں پوزیشن لینے والے اسٹوڈنٹس کے خانے میں“

”دعا کرو کہ میں زندگی کے امتحان میں بھی کامیاب ہو جاؤں“

نور اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی

”ہو جاؤ گی کامیاب 'انشاءاللہ' بس اللہ تعالی کے فیصلوں کو دل سے اپنا لو۔۔ پھر سب آسان ہی آسان“

”تھینک یو اربش! ہر چیز کے لئے“

نور نے ایک دم اربش کو گلے لگا لیا اور ممنونیت سے کہا

اربش کے ہونٹوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”رکشہ آ گیا ہے نور!“

”ہاں۔ میں جا رہی ہوں۔۔ اللہ حافظ“

نور نے اربش سے علیحدہ ہو کر کہا اور تیز تیز قدم بڑھاتی گھر سے باہر نکل گئی۔

رکشہ والے کو سلام کرتی ہوئی وہ اندر بیٹھی اور رکشہ آگے بڑھ گیا۔

رکشہ کے جانے کے چند منٹوں بعد ایک سفید گاڑی، حاشر کے گھر کے سامنے آ رکی اور اس میں سے ایک خوبرو جوان، کالی شرٹ اور نیلی جینز پہنے برآمد ہوا۔

کالا چشمہ شرٹ کے گلے میں اٹکا رکھا تھا۔

گیٹ کے قریب پہنچ کر اس نے بیل بجائی۔

اربش، ناشتے کے برتن دھو رہی تھی۔

”صبح صبح کون آیا ہے“

قمیص کے دامن سے ہاتھ پونچھتی ہوئی، کچن سے نکلی اور آفس کے لئے نکلتے حاشر سے ٹکرا گئی۔

”تم رکو میں دیکھتا ہوں کہ کون ہے“

حاشر کے کہنے پر اربش سر ہلاتی ہوئی واپس کچن میں چلی گئی۔

بیل ایک دفعہ پھر بجی۔

حاشر کے دروازہ کھولتے ہی اس نوجوان نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

حاشر لمحہ بھر کے لیے خاموش سا اسے یکتا رہا پھر قدرے جوش سے بولا۔

”بہزاد؟

کتنے سالوں بعد دیکھا تمہیں یار! کیسے ہو“

وہ، اس نوجوان یعنی بہزاد سے گرم جوشی سے بغل گیر ہوا۔

”میں تو اللہ کا شکر بالکل ٹھیک ٹھاک مگر تمہاری حرکات ٹھیک نہیں لگی مجھے“

”کیوں بھئی میں نے کیا کر دیا۔

”نیا گھر لے لیا، شادی کر لی، ابا بھی بن گئے اور ہمیں خبر تک نہ کی“

بہزاد نے شکوہ کیا۔

”یار! میں اس سب کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔بس سب۔۔۔لیکن ایک منٹ تمہیں اس سب کی خبر کیسے ہوئی؟ مطلب تمہیں یہ بھی پتا چل گیا کہ میں یہاں رہتا ہوں“

حاشر حیران ہوا

”جن کو آپ سے ملنا ہوتا ہے ناں، تو پھر آپ دنیا کے کسی کونے میں بھی ہو، آپ کو ڈھونڈ نکالتا ہے“

بہزاد نے کندھے اچکا کر کہا

”واہ بھئی بڑی سمجھ دار باتیں کرنے لگے ہو“

”شادی شدہ جو ہو گیا ہوں“

بہزاد نے آنکھ مارتے ہوئے شرارت سے کہا

”واقعی میں؟ بہت مبارک ہو۔

بھابھی بھی ساتھ آئی ہیں کیا تمہارے؟“

”خیر۔۔پہلی بات یہ کہ وہ آپ کی بھابھی نہیں بلکہ بہن ہیں“ بہزاد مصنوعی سنجیدگی سے بولا

”لیکن تم میرے بھائی کی طرح ہو تو تمہاری بیوی، میری بھابھی لگی۔تم کہاں مجھے اپنا سالا بتا رہے ہو“

”تو کیا اب اپنی سگی بہن کو بھی بھابھی بولو گے؟“ بہزاد نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا

حاشر الجھا ”کیا مطلب؟ کون سگی بہن؟“

پھر ایک دم ٹھٹھکا

”رخسار، تمہاری بیوی ہے؟“

”جی ہاں سالے صاحب!“

حاشر نے اپنا ماتھا چھوا

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔رخسار؟ وہ اتنی بڑی بھی ہو گئی کہ اس کی شادی کر دی گئی۔میری بہن کی شادی ہو گئی اور مجھے خبر بھی نہیں؟“

”اچھا! تو آپ نے کونسا اپنی شادی کی خبر کی تھی یا مڑ کر اپنی بہن کی خبر لی تھی“

''یار! میں بہت برا انسان ہوں'' حاشر کی آنکھیں ہلکی سی گلابی پڑیں

''کیوں؟ مجھ سے رخسار کی شادی ہو جانے پر خوش نہیں ہو کیا؟''

''کیسی باتیں کر رہے ہو یار! شاید دنیا میں اس وقت مجھ سے زیادہ خوش کوئی نہیں ہو گا۔

رخسار کیا گاڑی میں ہے؟'' حاشر نے بے چینی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا

''نہیں۔ وہ تمہاری پھوپھی کے گھر رکی ہوئی ہے۔ اس ہی کا فون آیا تھا ہوٹل میں کہ میں اسے لینے کے بجائے ڈائیریکٹ تمہارے گھر پہنچوں۔ وہ پھوپھو کے ساتھ ادھر ہی آ رہی ہے۔۔

لیکن تم تو آفس جا رہے ہو تو میں بھی۔۔

''کون جا رہا ہے آفس؟ چلو اندر آؤ''

حاشر نے آفس جانے کا ارادہ کینسل کرتے ہوئے بہزاد کو گھر میں آنے کا اشارہ کیا تو وہ ہنستا ہوا گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا ہے آگے انکل! ٹریفک کیوں جام ہے؟''

''پتا نہیں۔ شاید ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے''

نور کے چہرے پہ چھایا اطمینان ہوا ہو گیا۔

''اب۔۔ اب کیا ہو گا؟ یونی جانے میں دیر نہ ہو جائے۔ میرا پیپر ہے''

نور نے پریشان لہجے میں کہا

''میں کیا کر سکتا ہوں؟ پیچھے بھی اتنا رش ہے، میں رکشہ موڑ بھی نہیں سکتا''

''اور میرا پیپر؟''

مٹھی سے وقت، ریت کی طرح پھسلنے لگا اور نور کی بے چینی اور دعاؤں میں مزید اضافہ ہو گیا

رکشے والے انکل کچھ بڑبڑاتے جا رہے تھے لیکن اس کا دھیان ان کی باتوں پر بالکل نہیں تھا

''یا اللہ! پلیز ہیلپ۔ وقت پہ پہنچا دیں یونی۔ یا تو یہ ٹریفک پلک جھپکتے میں غائب ہو جائے یا یہ رکشہ ہوا میں

اڑنے لگے“

سر پہ بندھے دوپٹے سے پسینہ نکل کر چہرے پہ پھسلتا جا رہا تھا۔ گال اور آنکھیں گلابی پڑتی جا رہی تھیں۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں کچلا جا رہا تھا اور ہتھیلیاں پسینے میں نہا گئیں تھی۔

کچھ دیر میں ہی اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔

سارا کنفیڈنس گاڑیوں کے دھویں سمیت فضاء میں غائب ہونے لگا

”اب تو میں پکا فیل ہو جاؤنگی۔ میری ساری محنت“

آگے اس سے کچھ نہ سوچا گیا اور آنکھوں سے دھڑ دھڑ پانی بہہ نکلا۔

وہ مٹھی میں پکڑے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں بے دردی سے مسلنے لگی تھی کہ اچانک اسے اپنے اوپر کسی شخص کا سایہ سا محسوس ہوا۔

اس نے بھیگی پلکوں کو اٹھا کر دیکھا اور۔۔۔ دائیں بائیں سے آتی ہارن اور لوگوں کی آوازیں دم توڑ گئیں۔

☆......☆......☆

”کہاں رہ گئی ہیں رخسار اور پھوپھو؟ ابھی تک آئی نہیں۔ فون تو کر کے پوچھو کہ کہاں تک پہنچیں“

حاشر نے دبی دبی سی بے چینی سے بہزاد سے کہا۔ اتنے میں اربش بھی ٹرے میں چائے اور لوازمات لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔

”راستے میں ہی ہون۔۔۔

بیل کی آواز پر بہزاد کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

”آ گئے شاید۔ میں دیکھتی ہوں“

اربش ٹرے ٹیبل پر رکھ کر جلدی سے کمرے سے نکلی، اس کے پیچھے حاشر بھی آیا اور اربش کے گیٹ کھولنے سے پہلے ہی حاشر نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا اور۔۔ لمحہ بھر کو ٹھہر سا گیا۔

اتنے سالوں بعد کسی اپنے کو دیکھا تھا۔ بھرا بھرا معصوم چمکتا چہرہ، بچوں کی سی کھکھلاتی ہنسی اور آنکھوں سے

بہتے بے اختیار آنسو۔

"السلام علیکم بھائی!"

رخسار نے بھرائی آواز میں کہا اور بھائی کے سینے پہ سر ٹکا کر رونے لگی۔

حاشر کی آنکھوں سے بھی نا جانے کب آنسو بہہ نکلے اسے خود بھی اس بات کا اندازہ نہ ہوا۔

دونوں بہن بھائی بس خاموشی سے آنسو بہا رہے تھے اور ان کو دیکھنے والی آنکھیں بھی دھندلا سی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

نور، مجسمہ بنی بے یقینی سے اس شخص کو گھورے جا رہی تھی۔

آنکھوں میں دھوپ سے بچنے کا چشمہ لگائے ہوئے اس شخص نے نور کے چہرے کے آگے چٹکی بجائی تو وہ ایک دم ہوش میں آئی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"آ۔۔پ یہاں کیسے؟"

"تمہارا پیچھا کرتا ہوا آیا ہوں"

سپاٹ لہجے میں جواب دیا گیا۔

"لیکن۔۔۔آپ۔۔

"پیپر دینا ہے ناں تمہیں؟ تو پھر جلدی اترو رکشہ سے"

اس نے نور کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

نور نے ہاتھ میں پہنی گھڑی دیکھی اور بوکھلا کر رکشہ سے اتری

"انکل! یہ میرے کزن ہیں۔۔حمدان۔ میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی"

"ہاں ٹھیک ہے ورنہ دیر ہو جائے گی۔السلام علیکم"

"وعلیکم السلام" نور اور حمدان نے رکشے والے کے سلام کا جواب دیا۔

گاڑیوں کا رش، حد سے زیادہ تھا۔لوگ بے زاری سے ہارنز پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔کچھ پچھ اتنی کہ پیدل چلنے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔

حمدان نے بنا کسی تاثر کے، اپنا دائیاں ہاتھ رخسار کی طرف بڑھایا۔

نور نے دھڑکتے دل سے پہلے حمدان کے ہاتھ کو دیکھا پھر سوالیہ نظروں سے حمدان کو (محبت کتنی بھی ہو۔وہ ایک نامحرم کا ہاتھ نہیں تھام سکتی تھی)

حمدان نے بے زاری سے ایک گہری سانس لی

''بیگ دو اپنا''

''نہ۔۔نہیں میں خود پکڑ لونگی''

نور نے بیگ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

حمدان نے کچھ بھی کہے بغیر نور کا بیگ ایک جھٹکے سے جھپٹا۔بیگ کی ایک سٹریپ خود پکڑی دوسری نور کے ہاتھ میں تھمائی اور کھینچتا ہوا اسے بھیڑ سے نکال کر دوسری سڑک پہ لے آیا۔

وہ خاموشی سے اس کے چوڑے مضبوط کندھوں کو دیکھتی ہوئی ایک ٹرانس میں اس کے پیچھے قدم اٹھا رہی تھی۔ایک خواب کی سی کیفیت طاری تھی۔اتنے عرصے سے جسے دیکھنے کو جس سے بات کرنے کو وہ بے قرار تھی ،اس سے صرف دو قدم کے فاصلے پر تھا۔

وہ اپنی آنکھیں بھی اس ڈر سے نہیں جھپکا رہی تھی کہ کہیں وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔وہ ہمیشہ کہیں نا کہیں سے اس کے سامنے اچانک آجاتا تھا یا شاید۔۔وہ کبھی اس کے پاس سے گیا ہی نہیں تھا۔

''اب خود گاڑی میں بیٹھو گی یا۔۔۔

حمدان کی بھاری آواز کان میں پڑی تو وہ ایک دم چمکی۔

نظریں نیچی کر کے جلدی سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور اپنے برقعے کو سمیٹتی ہوئی بیٹھ گئی

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ کیا باقی سب بھی پاکستان آئے ہیں؟ مجھے کسی نے بتایا کیوں نہیں''

گاڑی میں بیٹھتے ہی نور نے سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

حمدان نے بیک ویو مرر سے نور کے سرخ چہرے کو دیکھا

''ابھی صرف اپنے پیپر کے بارے میں سوچو۔۔میں کہاں سے، کیسے، کیوں پاکستان آیا۔وہ بعد میں پتا

کر لینا'' اس نے کھردرے لہجے میں کہہ کر میوزک کا والیوم تیز کیا اور زن سے گاڑی یونیورسٹی کے راستے پہ لے گیا۔

اس کے لہجے نے نور کو مزید کچھ کہنے کی اجازت تک نہ دی۔

☆......☆......☆

''حاشر بیٹا! بہن کے علاوہ بھی کوئی کھڑا ہے بھئی ان سے بھی مل لو''

اسماء پھوپھو نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔ حاشر نم آنکھوں کے ساتھ مسکرایا اور پھوپھو کے قریب پہنچ کر اپنا سر ہلکا سا جھکا کر سلام کیا تو پھوپھو نے محبت سے اس کے سر پہ اپنے ہاتھ پھیرے۔

''اب سامنے کھڑی اس پیاری سی لڑکی کا تعارف کرواؤ گے یا ہم خود ہی پوچھ لیں''

پھوپھو نے مسکراتی، اربش کی طرف اشارہ کیا

''اوہ۔ یہ محترمہ میرے بڑھاپے کی ساتھی ہیں۔ میری بیوی اربش''

حاشر نے اربش کے کندھے پہ بازو پھیلاتے ہوئے اس کا تعارف کرایا۔

''السلام علیکم''

اربش نے ہلکے سے سر کو جنبش دے کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بھابھی!''

پھوپھو کے جواب دینے سے پہلے ہی رخسار جواب دے کر جھٹ سے بھابھی کے گلے لگ گئی۔ وہ لوگ آپس میں بات کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے جہاں بہزاد، ماہ رخ کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھا۔

''یہ ماہ رخ ہے۔ تمہاری بھتیجی''

''ماشاءاللہ۔ بھائی! آپ کی بیٹی بھی ہوگئی اور مجھے اتنی دیر میں پتا لگا۔ آپ نے واقعی میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ناراضگی ابو سے تھی اور چھوڑ کر آپ ہم سب کو گئے''

رخسار نے بہزاد کی گود سے ماہ رخ کو لے کر اپنی بانہوں میں بھینچا اور ایک بار پھر سے رونا شروع کر دیا۔

''یا اللہ''

بہزادا سے روتا دیکھ منہ میں بڑبڑایا۔

''اچھا بھئی معاف کردو۔ میری ہی ساری غلطی ہے۔ آپ لوگ تو معصوم ہیں۔ آپ لوگوں پہ تھوڑی فرض ہے کہ مجھ سے اتنے سالوں میں کوئی رابطہ کرنے کوشش کرتے'' حاشر نے بھی گلہ کیا

''اچھا۔۔۔تو پھر ابھی کون آیا ہے آپ کو ڈھونڈتے ہوئے آپ کے گھر؟''

رخسار بھی آگے سے خفگی سے بولی۔

''ارے۔لڑنا کیوں شروع کردیا ہے؟ اللہ کا شکر کریں کہ آپ لوگ پھر سے ری یونانٹ ہوگئے ہیں۔چلیں آرام سے بیٹھیں سب، میں ناشتہ بناتی ہوں سب کے لیے''

اربش نے سمجھداری سے بات کو ختم کیا اور مسکراتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

وہ سب اب صوفوں پہ براجمان ہو چکے تھے اور رخسار کچھ کہنے ہی لگی تھی مگر اسی وقت حاشر، اسماء پھوپھو سے مخاطب ہوگیا اور رخسار کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

''اور پھوپھو! گھر میں سب کیسے ہیں؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔شوگر کنٹرول ہو پایا یا نہیں''

حاشر نے خوشگوار لہجے میں پوچھا اور جواب اتنے ہی کھردرے لہجے میں دیا گیا۔

''سب خوش ہیں بیٹا۔اپنے گھروں میں اپنے بچوں کے ساتھ۔میری طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہے لیکن تمہارے امی ابو ٹھیک نہیں ہیں۔ بہت تکلیف میں ہیں وہ''

ماں باپ کا ذکر سنتے ہی حاشر کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔آنکھوں میں ایک دم یوں سرخ کرچیاں پڑیں جیسے کئی چھوٹے چھوٹے نوکیلے شیشے ان میں گھب گئے ہوں۔

☆......☆......☆

صبح کا جوش اور خوشگواریت نور کے پاس سے اڑن چھو ہو چکی تھی۔دوستوں کے ساتھ مل کر بیٹھنے کے بجائے ان کو اللہ حافظ کہتی ہوئی وہ تیز تیز قدموں سے یونیورسٹی کے گیٹ کی طرف بڑھی

دل بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا۔وہ ایگزیم ہال میں تو سوچوں کو جھٹکنے میں کامیاب ہوگئی تھی لیکن اب اس کے اندر کی ہلچل زور پکڑ چکی تھی۔

وہ اب تک بے یقین تھی۔

"نور! تم خواب میں ہو۔ وہ۔۔ وہ نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو۔ اسے خود پہ حاوی مت کرو۔ پاگل مت بنو۔ دیکھنا وہ باہر کہیں نہیں ہوگا، باہر رکشے والے انکل تمہارے منتظر ہوں گے۔ جھٹک دو اسے اپنے ذہن سے"

انہی سوچوں میں گھری وہ یونیورسٹی سے باہر نکل آئی۔ نظروں کا اٹھانا ہی تھا کہ بالکل سامنے ہی وہ نیلی جینز کے اوپر سفید شرٹ اور نیلی جیکٹ پہنے، آنکھوں پہ چشمہ لگائے، گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کالے بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ سنجیدہ تھا۔

نور کا دل اسے دیکھتے ہی زور سے دھڑکا۔ وہ سچ میں اس کے سامنے تھا۔

"کیا یہ میرے لئے واقعی سب سے سب کچھ سچ کہہ کر مجھے لینے آیا ہے یا پھر اغوا۔۔۔ زبردستی نکاح۔۔ رسوائی، بدنامی۔۔"

اس نے ایک دم جھری جھری سی لی

"کیا فضول سوچ رہی ہو؟ حمدان ایسا نہیں ہے" دل کے کسی کونے سے آواز آئی۔

"تم کسی پہ اعتبار کیسے کرسکتی ہو؟ انسان کو بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ محبت ہے تو کیا؟ عزت اس سے زیادہ اہم ہے" دماغ نے فوراً دل کی بات کو رد کر دیا۔

"کیا کروں؟۔۔۔ ہاں امی کو فون کر کے حمدان کے آنے کا پوچھتی ہوں۔ انہیں تو خبر ضرور ہوگی"

نور نے ایک نتیجے پر پہنچ کر اپنے بیگ سے فون نکالا۔ امی کے نمبر پر کال کرنے سے پہلے ایک چور نظر اس نے حمدان پہ ڈالی اور اس کی چوری پکڑی گئی۔

دور سے حمدان نے چہرے پہ ناگواری لیے، اپنے ہاتھ سے نور کو اشارہ کیا (کیا ہے؟ وہاں کھڑی ہو کر کس انقلاب کے آنے کا انتظار کر رہی ہو؟)

نور کے ہاتھ وہیں تھم گئے۔ کال کا ارادہ منسوخ کیا اور اللہ کا نام لیتے ہوئے اس نے قدم حمدان کی طرف بڑھا دیئے۔

حمدان اسے آتا دیکھ، پہلے ہی ڈرائونگ سیٹ پہ بیٹھ چکا تھا۔

”السلام علیکم!“ نور نے پچھلی سیٹ پہ بیٹھتے ہی سلام کیا۔

”وعلیکم السلام!“ سنجیدہ سے لہجے میں جواب آیا اور پھر گاڑی میں قبرستان جیسی خاموشی چھا گئی لیکن نور کے اندر ایک شور سا مچا تھا۔

”اف۔۔ یہ اتنی اکڑ کس بات کی ہے؟ اب کچھ بتا بھی نہیں رہے۔

تو میں کیا ڈرتی ہوں سوال کرنے سے؟“

نور نے اپنا جی کڑا کیا اور ہلکا سا کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔

”کیا میں۔۔ پوچھ سکتی ہوں اب، کہ آپ یہاں کس سلسلے میں آئے ہیں“

”تمہیں لینے آیا ہوں“

حمدان نے نارمل سے انداز میں کہا مگر نور کے چہرے کی ہوائیاں ہی اڑ گئیں۔

”کی۔۔ کیا مطلب مجھے لینے۔۔ مجھے تو کسی نے فون کر کے یہ بتایا ہی نہیں کہ مجھے کوئی لینے آنے والا ہے اور وہ بھی آپ۔۔ میں اکیلے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جا رہی۔ مجھے امی۔۔۔

حمدان نے نور کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک قہقہہ لگایا۔

”نور بی بی! آرام سے بیٹھیں۔۔ میرے اتنے برے دن نہیں آئے کہ میں کسی کو اغواء کروں۔ میرے ساتھ ریحان بھی آیا ہے جو اس وقت تمہاری خالہ کے گھر پہ ہے۔ تم جن کے ساتھ رہ رہی تھیں میں پہلے ان کے گھر گیا تھا، تمہارا پوچھنے لیکن تم گھر سے نکل چکی تھیں۔ میں اس لیے تمہارے پیچھے آیا تاکہ تمہیں یہ بتا سکوں کہ ہمیں کل صبح کی فلائیٹ سے لاہور روانہ ہونا ہے تو جلد از جلد اپنا سامان وغیرہ باندھ لو اور دوسری بات، میں کراچی اسپیشلی تمہارے لیے نہیں آیا بلکہ یہاں اپنے کچھ دوستوں کو انویٹیشن کارڈز دینے آیا تھا تو مجھے ماموں نے کہا کہ تمہیں بھی وہاں سے لیتا آؤں۔ اب تمہیں کسی نے اس بات سے آگاہ کیا یا نہیں کیا۔۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔۔۔ جواب مل گئے سارے یا اور بھی کچھ پوچھنا ہے؟“

نور کا ذہن الجھن میں پڑ گیا۔

”لاہور کیوں؟ واپس قطر کیوں نہیں جا رہے اور اتنی جلدی میں مجھے کیوں بلایا ہے کہیں کچھ غلط؟ ایک

منٹ۔آپ کونسے انوٹیشن کارڈ کی بات کر رہے تھے؟"

حمدان کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔کچھ عجیب طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"نکاح کی دعوت ہے" آواز ذرا ہلکی پڑی۔

"کس کا نکاح؟"

حمدان نے ایک نظر بیک ویو مرر سے نور کے الجھے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر ہر لفظ رک رک کر جتا جتا کر ادا کیا۔

"میرا۔۔نکاح ہے۔۔اور فاطمہ کا"

نور اگلی سانس لینا بھول گئی۔

وہ ایک ٹک بنا پلک جھپکائے چند لمحوں تک اس آئینے میں دیکھتی رہی جہاں سے حمدان کی چشمہ لگی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔

وہ سب بھلا کر یہ انتظار کرتی رہی کہ حمدان اب زور سے ہنسے گا اور کہے گا کہ وہ صرف مذاق کر رہا تھا۔اس کا ایک ایک لفظ جھوٹ تھا۔اس کی محبت صرف وہ ہے لیکن۔۔۔

"میں جانتا ہوں تم اس وقت نا جانے کیا کیا سوچ رہی ہونگی۔میں نے اس سے بھی زیادہ اور بہت کچھ سوچا تھا جب تم نے ارحم سے شادی کے لیے ہاں کی تھی۔

تمہاری مجھ سے کہی گئی ہر بات میں سوچتا رہا۔پہلے پہلے بہت تکلیف ہوئی،غصہ آیا لیکن جیسے جیسے وقت گزرا یقین مانو محبت کا کالا بادل بھی آہستہ آہستہ میرے اوپر سے ہٹتا گیا اور میں نے یہ جانا کہ کسی سے دوری اختیار کرنے سے سچ میں محبت کے مرض سے شفاء مل جاتی ہے اور دوسروں کو جاننے کا ان کو سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔واقعی نور! کوئی کسی کے لئے اپنی زندگی، اپنی جوانی برباد نہیں کرتا۔ایسا تو بس افسانوں میں ہوتا ہے اصل زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔آجکل ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔آج کے دور کے مجنوں بھی دو نمبر ہوتے ہیں۔چائنہ کی محبت، پلاسٹک کے آنسو۔۔۔

خیر۔لیکن اب کی بار تمہارے رشتے کا سن کر مجھے رتی برابر بھی فرق نہیں پڑا کیونکہ۔۔مجھے۔۔بھی کوئی

۔۔بہت۔۔بہتر مل چکا ہے‘‘

آخری جملہ چبا چبا کر ادا کیا گیا تھا۔

نور بالکل خاموش تھی۔چہرے پہ کسی قسم کی تکلیف واضح نہیں تھی مگر اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔دل میں ایک دم زور سے کوئی تیر آ لگا تھا، بالکل دل کے بیچ و بیچ لیکن وہ اپنی اس حالت پہ بالکل بے بس تھی ۔نہ چیخ سکتی تھی اور نہ ہی حمدان کے منہ پہ ایک تھپڑ جڑ سکتی تھی کیونکہ۔۔یہی تو وہ چاہتی تھی کہ حمدان کا نکاح فاطمہ سے ہو جائے۔وہ سب کو، خاص کر کے سحرش پھوپھو کو خوش دیکھنا چاہتی تھی وہ تو ایسی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے نا جانے کب سے تیار تھی لیکن اسے اب اچانک کیوں اتنی گھٹن محسوس ہونے لگی تھی؟ کیوں اس کے حلق میں کانٹے سے چبھتے محسوس ہو رہے تھے کیوں آنکھیں جل رہی تھیں کیوں؟

اس نے فوراً آنکھوں کو زور زور سے جھپک کر بے اختیار آ جانے والے آنسوؤں کو روکا۔بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر غٹا غٹ پی کر خشک حلق کو تر کیا۔

اپنے حواسوں کو کنٹرول کیا۔لہجے کو مضبوط کیا۔انا کو ہوش میں لائی اور سپاٹ لہجے میں شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے بولی

’’مبارک ہو!‘‘

’’خیر مبارک‘‘

حمدان بھی بغیر کسی توقف کے بولا

اور پھر دونوں طرف لمبی خاموشی چھا گئی۔آنسو۔۔گر رہے تھے پورے جوش کے ساتھ مگر چہرے پہ نہیں دل پہ۔خاموش محبت کا خاموشی سے انتقال ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

’’ذرا بھی تم لوگوں کو اپنے ماں باپ کا احساس نہ ہوا۔کتنے سخت دل ہو تم لوگ کہ ماں باپ کو ایسا چھوڑا کہ پلٹ کر ان کی خبر تک نہ لی۔کیسے ہیں کس حال میں ہیں کچھ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی‘‘

اسماء پھوپھو دبے دبے غصے سے بولیں۔

"پھوپھو!۔ کیا ہم نے انھیں چھوڑا تھا یا ان لوگوں نے زبردستی ہمیں گھر سے نکالا تھا؟ ان کے دل بھی تو سخت ہو گئے تھے ہمارے لئے۔ آپ نے یہ باتیں ان سے کیوں نہیں کہی؟" حاشر نے قدرے ضبط سے کہا لیکن آنکھوں کے کناروں پہ چمکتے آنسو دل کے حال کی واضح دلیل تھے

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ یہ اتنے سال ہم نے عیاشی میں گزاریں ہیں؟ کیا ہم آپ کو اتنے بے غیرت دکھتے ہیں کہ ہم اپنے ماں باپ کو بھول جائیں؟ بھولے ہم نہیں ہیں پھوپھو! امی ابو ہمیں بھول گئے ہیں"

حاشر کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ نے رخسار کو ہچکیوں کے ساتھ رونے پر مجبور کر دیا۔ وہ ساری سچائی سے پہلے ہی آگاہ ہو چکی تھی۔

"ہم نے ان پر صرف اپنی خواہشات ظاہر کی تھیں۔ کوئی گناہ تو نہیں کیا تھا، جس کی ہمیں ان لوگوں نے اتنی بڑی سزا دی۔ دو کپڑوں میں گھر سے باہر نکال دیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ میں کہاں رہونگا۔ انھیں اس بات کا بھی شاید خیال نہیں آیا کہ میرے پاس کھانے یا اوڑھنے کے پیسے ہیں بھی یا نہیں۔ اتنے سال در در کی ٹھوکریں کھاتا رہا ہوں اور اس سب کے باوجود میں ہی غلط، میں ہی بے حس۔ باقی سب مظلوم"

"بیٹا خود باپ بن گئے ہو لیکن اب تک ماں باپ کی محبت کا اندازہ نہیں کر پائے۔ کیا تم اپنی بچی کو جان بوجھ کر اس کی مرضی سے اسے گھر سے نکالو گے؟"

حاشر جواب دیے بغیر چہرہ پھیر گیا۔

"ماں باپ کا دل کبھی اتنا سخت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بچوں کو خود سے دور کر لیں۔ اللہ کا شکر ہے، تم لوگ اتنی اچھی زندگی گزار رہے ہو۔ اپنے پیروں پہ کھڑے ہو گئے ہو۔ اپنا گھر ہے بیوی بچے ہیں۔ اللہ، کے اتنا سب کچھ عطا کرنے کے بعد بھی تم لوگ اپنے باپ کی ناانصافیوں کا بدلہ لے رہے ہو۔ ان کے رویوں کے بدل جانے پر ان سے ایک دفعہ پوچھ تو لیتے کہ ان کے سخت رویوں کے پیچھے کوئی بڑی مجبوری تو نہیں"

اسماء پھوپھو سانس لینے کے لئے رکیں۔ کمرے میں سب دم سادھے بیٹھے پھوپھو کے اگلے جملے کا انتظار کر رہے تھے۔

"بزنس میں بہت بڑا گھاٹا ہوا تھا عبید کو۔ قرضے چڑھ گئے تھے۔ بینک والوں نے تمام اکاؤنٹس ضبط کر لیے

تھے اس کے"

پھوپھو کی بات پر حاشر کے تنے اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑے۔

"تو اس وقت کیوں نہیں بتایا مجھے؟"

"کیسے بتاتے؟ ماں باپ ہیں بھئی۔ کیسے اپنے جوان بچوں کو اپنی پریشانی میں شریک کر کے ان کے خواب ادھورے رہنے دیتے؟ اسی لئے اپنے برے حالات کا تم لوگوں کے آگے رونا رونے کے بجائے وہ خود تم لوگوں کی نظروں میں برے بن گئے تاکہ تم لوگ ان کے سہارے پر بیٹھے رہنے کی بجائے خود اپنے پیروں پہ کھڑے ہو جاؤ۔

مجھے سختی سے منع کیا تھا عبید نے کہ تمہیں کچھ نہ بتاؤں لیکن مجھ سے نہیں دیکھی جاتی تمہارے بوڑھے ماں باپ کی تنہائی۔ اتنا بڑا گھر بیچ کر چھوٹے سے گھر میں رہ رہے ہیں۔ دو کمرے کرائے پہ دیئے ہوئے ہیں اور انھی کرائے کے پیسوں سے اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ رہے ہیں وہ بیٹا!

اب ان لوگوں کو معاف کر دو حاشر!۔ ایک دفعہ بھی اگر تم لوگ ان سے مل لو گے تو ان کی ساری تکلیفیں ختم ہو جائیں گی۔۔

"ناشتہ لگ گیا ہے سب۔۔۔

اربش کہتے کہتے ایک دم تھم گئی۔ کمرے میں بیٹھے لوگ اس موڈ میں نہیں تھے، جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے ناں؟" اربش کے لہجے میں بھی سنجیدگی پیدا ہو گئی۔

حاشر اپنی آنکھیں مسلتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"اربش! آپ لوگ ناشتہ کرو۔ میں بہزاد کے ساتھ جا کر امی ابو کو ان کے گھر واپس لانے کے لئے جا رہا ہوں"

اربش کو خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا۔ پھر پورے دل سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

حاشر بھی اسے دیکھ کر مسکرایا اور بہزاد کے ہمراہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

اربش، رخسار اور اسماء پھوپھو ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں جب دروازہ بجا۔

"میں دیکھتی ہوں۔نور ہو گی"

اربش ناشتے سے ہاتھ روک کر جلدی سے باہر کے دروازے کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم!" دروازہ کھلتے ہی نور کی بجھی ہوئی سی آواز اربش کے کان میں پڑی۔

"وعلیکم السلام! کیا ہوا اتنی بجھی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ پیپر تو ٹھیک گیا ہے ناں"

نور، اربش کے ہمراہ گھر میں داخل ہوتی ہوئی پھیکا سا مسکرائی۔چہرے پہ ایک عجیب سی تھکاوٹ تھی۔

"پیپر بہت اچھا ہوا ہے"

"تو پھر کیا ہوا"

"وہ دراصل مجھے۔۔۔"

"اچھا باقی بات بعد میں پہلے میرے ساتھ اندر چلو تمہیں کسی سے ملوانا ہے"

نور کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اربش نے اس کی بات کاٹ دی اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے کچن کی طرف لے گئی جہاں رخسار اور اسماء پھوپھو بیٹھی تھیں۔

نور کو آتا دیکھ دونوں نے کھانا کھاتے ہاتھ روک دیئے۔

"ان سے ملو۔یہ میری نند رخسار ہیں اور یہ حاشر کی پھوپھو، اسماء ہیں"

"اوہ۔السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟"

نور نے زرد چہرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے ان دونوں سے مصافحہ کیا۔

"واعلیکم السلام! اللہ کا شکر بالکل ٹھیک۔ابھی اربش ہمارے آگے آپ کا ہی ذکر کر رہی تھی۔

آؤ ناں بیٹھو ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔گپ شپ لگاؤ"

رخسار نے خوش دلی سے نور کو کہا

نور کے چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثرات ابھرے۔

"ام۔۔میرا تو بہت دل تھا آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا لیکن مجھے ابھی فوراً اپنا سامان پیک کر کے خالہ کے

گھر جانا ہے۔ باہر میرا کزن انتظار کر رہا ہے“

”کیا مطلب؟ ایسی بھی کیا بات ہوگئی جو ایگزیم ختم ہوتے ہی بس یہاں سے جانے کی اتنی جلدی ہوگئی۔ خالہ کے گھر ہی جانا ہے، تو شام تک یا کل تک چلی جانا“

اربش نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اربش! میری کل صبح کی لاہور کی فلائیٹ ہے“

”ہیں؟ تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔ اف نور! بتا ہی دیتیں“

”مجھے بھی ابھی تھوڑی دیر پہلے پتا لگا ہے کہ میں کل لاہور جا رہی ہوں“

نور کی آواز ایک دم رندھ سی گئی جس کو اربش فوراً بھانپ گئی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ تم اپنا سامان پیک کرو، میں جوس لے کر آتی ہوں تمہارے کمرے میں“

اربش نے سنجیدگی سے نور کو وہاں سے چلے جانا کا کہا تو وہ جبراً مسکرا کر ایکسکیوز کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

اربش، جوس کا گلاس لے کر نور کے کمرے کا دروازہ کھٹکا کر اندر داخل ہوئی۔

نور بیڈ پر بیٹھی اپنے سامنے رکھے بیگ میں کپڑے رکھنے میں مصروف تھی۔ ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اربش کو آتا دیکھ، سر اٹھا کر ہلکا سا مسکرائی۔

مگر جواب میں اربش ذرا بھی نہ مسکرائی اور جوس کی گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر نور کے سامنے آ بیٹھی۔

”نور! سب ٹھیک تو ہے؟ اچانک یوں اتنی جلدی لاہور جا رہی ہو۔ وہاں سب خیریت تو ہے؟“

اربش نے پریشان لہجے میں دریافت کیا۔

”شادی ہے میرے کزنز کی“

اس نے اربش کی آنکھوں میں دیکھے بغیر مصروف سے انداز میں کہا۔

”اوہ۔۔ اچھا۔ اور تمہیں لینے حمدان آیا ہے“

اربش ایک دم شرارت سے بولی۔

نور نے بے اختیار اربش کی طرف دیکھا۔اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن پھر اگلے ہی لمحے یوں مسکرائی جیسے اربش نے کوئی چٹکلا سنایا ہو یا نادانی میں کوئی بے تکی بات کر گئی ہو۔

”اربش! میرے کزنز مطلب فاطمہ اور حمدان کا نکاح ہے اور کراچی حمدان اس لئے آیا ہے تاکہ یہاں اپنے دوستوں کو انوٹیشن دے سکے۔تو ابو نے اسے کہا تھا کہ آتے وقت مجھے بھی اپنے ساتھ لاہور لے آئے“

یہ کہہ کر اس نے جوس کا گلاس منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں سارا جوس کسی کڑی دوائی کی طرح اپنے حلق سے اتار لیا۔

اربش، چند لمحے خاموشی سے نور کا چہرہ دیکھنے کے بعد دھیمی آواز میں بولی۔

”نور! تم واقعی خوش ہو؟“

”ہاں کیوں نہیں۔یہی تو میں چاہتی تھی۔آج نہیں تو کل ایسا ہونا ہی تھا“

نور نے کندھے اچکا کر بے پرواہی سے کہا لیکن اربش اس کے الفاظ اور اس کے انداز سے بالکل بھی مطمئن نظر نہیں آ رہی تھی۔

”پتا ہے کیا نور! تم بہت اچھا ڈرامہ کر لیتی ہو۔اور جس کو تمہارے اور حمدان کے بارے میں کچھ خبر نہیں، وہ تو کبھی یہ جان بھی نہیں پائے گا کہ تم حمدان سے محبت کرتی ہو“

”ہاں یہ تو اچھی بات ہے۔کسی کو کچھ پتا نہیں لگے گا۔ویسے میں سوچ رہی ہوں کہ ڈراموں میں کام کرنا شروع کر دوں“

نور، زور سے ہنس کر بولی ایسے کہ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے جن کو اس نے ہنسی کے دوران ہی بیدردی سے رگڑ کر صاف کر ڈالا۔

”نہیں۔تم ہر کسی کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتیں۔تم منہ سے تو یہ سب بہت آرام سے کہہ سکتی ہو لیکن تم جانتی ہو یہ اچھی طرح کہ اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت ہے اور تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔تمہیں اس شخص کو اپنے ذہن و دل سے نکالنا ہوگا نور! کل کو تمہاری بھی کسی سے شادی ہوگی اور وہ شخص تو یہی چاہے گا ناں کہ تمہارے

دل میں اس کے لئے محبت ہو۔لیکن تم اس کے ساتھ زیادتی کر دو گی ۔تم اسے دل میں جگہ ہی نہیں دے پاؤ گی ۔تم چاہو گی کہ وہ بھی حمدان کی طرح ہو جائے لیکن وہ ویسا نہیں ہو پائے گا پھر تمہیں تکلیف ہو گی ،افسوس ہو گا اور تم اس شخص کو دل سے اپنا ہی نہیں سکو گی ۔

ہر کسی کو ہمیشہ ہی وہ نہیں مل جاتا جس کی وہ تمنا کرتا ہے کیونکہ ہم وہ نہیں جانتے جو اللہ تعالی جانتے ہیں ۔اس کی رضا میں ہمیں راضی ہونا پڑتا ہے ۔بے شک ہونا وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے ۔اس لئے بجائے دل میں غم لے کر بیٹھنے کے ،ہمیں اس کے فیصلوں کو دل سے قبول کر لینا چاہئے کیونکہ اسی میں ہماری بھلائی ،ہماری نجات ہے ۔کسی نا محرم کو اپنے دل میں بے پناہ جگہ دے کر اللہ کی ناراضی کو دعوت مت دو“

اور اربش جو چاہتی تھی وہ ہو گیا تھا ۔نور کو سارا ڈرامہ بھول چکا تھا اور آنسو سارے بند توڑ کر تیزی کے ساتھ آنکھوں سے بہنے لگے تھے ۔

اربش اسے چپ کرانے کے بجائے اس کے خود ہی چپ ہو جانے کا انتظار کرنے لگی ۔

وہ نچلا لب دانتوں میں دبائے دیر تک خاموشی سے آنسو بہاتی رہی پھر بھیگی پلکیں اٹھا کر مضبوط لہجے میں بولی

”میں کسی انسان کے لئے اپنے اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی ۔بالکل بھی نہیں ۔میرے دل میں ہر چیز سے بڑھ کر اللہ کی محبت ہے ۔اگر مجھے اس کا ڈر نہ ہوتا تو میں شاید اپنی حیا اور اپنے مقام کو بھول کر حمدان یا پھر کسی اور شخص سے فونوں پہ باتیں یا چھپ چھپ کر ملاقاتیں کر کے اپنی ہی نظروں میں اپنی عزت کھو دیتی ۔چلو اگر اس نے مجھے چھوڑا بھی ہے تو عزت کے ساتھ ۔کیونکہ میں نے اپنی عزت کو کسی کے ہاتھوں خراب نہیں ہونے دیا ۔مجھ پہ کسی نے بدکرداری کا ٹیگ نہیں لگایا پتا ہے کیوں؟ کیونکہ میں اللہ سے محبت کرتی ہوں ،اس سے اپنی حفاظت کی دعا کرتی ہوں اور اس کی خاطر ساری محبتیں قربان ہیں ۔فکر نہ کرو اربش !اب میں کسی کو دھوکہ نہیں دوں گی“

نور ،آنسو پونچھ کر ایک عزم کے ساتھ مسکرائی ۔

اربش نے بھی مطمئن مسکراہٹ نور کی طرف اچھالی اور پیکنگ میں اس کی مدد کرنے لگی ۔

☆......☆......☆

پورا گھر باہر سے لائٹوں سے سجا تھا لیکن دوپہر ہونے کی وجہ سے ساری لائٹیں بند تھیں ۔

حمدان اور ریحان گاڑی سے بیگز اتار رہے تھے اور وہ ان کو پیچھے چھوڑ کر لان سے ہوتی ہوئی لاؤنج کے کھلے دروازے پہ آرکی۔

سحرش پھوپھو اور نور کی امی زرمینہ، کارپٹ پہ بیٹھی دلہن کے بھاری سوٹ، زیورات اور چپل وغیرہ کو دیکھ کر کسی ضروری بات میں مصروف تھیں۔ سامنے اوپر جاتی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی پہ جاسم بیٹھا اپنے فون کی اسکرین میں گم تھا۔ گھر اندر سے بھی پھولوں سے سجا تھا۔

نور ادھر ہی تھم گئی۔ لب بھینچے چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔ حلق میں کانٹے سے اگ گئے۔ پھر سے ایک بار اس کا عزم وارادہ ڈگمگانے لگا۔

اسے ایک دم ایک فلم کا سین یاد آنے لگا۔ جس میں لڑکی اپنے محبوب کی دلہن کو اپنے ہاتھوں سے سجاتی ہے اور آخر میں دلہن اپنے دولہے کے ہاتھ میں اس لڑکی کا ہاتھ دے دیتی ہے اور۔۔۔

نور نے زور سے اپنی آنکھیں میچ کر کھولیں۔

''یہ کوئی فلم کا سین نہیں ہے نور! یہ اصل زندگی ہے۔ پلیز! اب بھی کسی معجزے کے انتظار میں نہ رہو۔ سب کتنا خوش ہیں۔ تم کیوں حسد جیسے زہریلے جذبے کو اپنے اندر پیدا ہونے دے رہی ہو۔

مسکراؤ نور! اس وقت مسکراہٹ تمہاری ڈھال ہے۔ تم۔۔۔

''السلام علیکم!''

حمدان کی بلند آواز سے وہ ایک دم چونکی۔ وہ اس کے بائیں طرف کھڑا تھا۔ دراز قد اور چوڑے کندھوں والا خوبرو انسان۔

نور فوراً اس سے دو قدم آگے بڑھ گئی۔

''وعلیکم السلام۔ اللہ کا شکر ہے۔ بخیریت پہنچ گئے بچے''

پھوپھو اور زرمینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان لوگوں کے پاس آئیں اور دونوں نے نور کو باری باری گلے لگایا۔

''کیسی ہو بیٹا!'' پھوپھو نے پیار سے نور سے پوچھا۔

''میں۔۔۔

''میں گھر جا رہا ہوں خالہ! امی نے کہا تھا کہ میں دروازے سے ہی واپس لوٹ آؤں''

حمدان، نور کے کہنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''ارے تو کیا ہو گیا۔ سب اپنے ہی تو ہیں، مہوش باجی بھی حد کرتی ہیں'' سحرش پھوپھو خفا سا بولیں

''بیٹا! ناشتہ کر کے آرام سے چلے جانا'' زرمینہ نے کہا۔

''نہیں مامی! مجھے ابھی فوراً جانا ہو گا ورنہ امی ناراض ہو جائیں گی۔ ان کی بات کا بھی تو پاس رکھنا پڑے گا''

''ہاں مامی! جانے دیں اسے۔ یہ تو اب پکا والا داماد بن کر ہی اس گھر میں قدم رکھے گا''

پیچھے سیڑھی پہ بیٹھا جاسم بولا تو سب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی

''اچھا پھر میں چلتا ہوں۔ السلام علیکم''

حمدان سلام کرتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

''میں بھی جا رہا ہوں سونے، یار! بہت تھک گیا'' ریحان نے بھی بیگ زمیں پہ پٹخا اور وہاں سے بھاگنے لگا۔

''رکو لڑکے! یہ بیگ کون لے کر جائے گا؟ اٹھاؤ اسے فوراً'' زرمینہ کی سخت آواز پر ریحان الٹے قدموں واپس آیا اور بیگ تھام کر بے زاری سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

''جاؤ نور! تم بھی فریش ہو جاؤ پھر ناشتہ کر لینا'' زرمینہ اسے بھی ہدایت دیتی ہوئی واپس کارپٹ پہ جا بیٹھی۔

پھوپھو بھی جانے لگی تھیں کہ نور نے انھیں آواز دے کر روکا۔

''پھوپھو مبارک ہو''

''خیر مبارک'' سحرش نے مسکرا کر جواب دیا۔

''فاطمہ کہاں ہے؟ کہیں گئی ہوئی ہے کیا؟ کوئی دکھائی نہیں دے رہا''

''ساری لڑکیاں میرے گھر پہ ہیں۔ تم ابھی آرام کر لو، شام میں تمہیں بھی ادھر ہی چھوڑ دیں گے۔ تمہیں بھی تو اپنے کپڑوں کو ٹرائی کر کے دیکھنا ہے۔ کہیں نکاح والے دن کوئی بدمزگی نہ ہو جائے''

نور نے ذرا الجھ کر پھوپھو کر دیکھا۔

"آپ کا گھر یہ نہیں ہے؟"

سحرش زور سے ہنسی۔

"لڑکی! کہاں گم ہو بھئی۔ یہ گھر تم لوگوں کا ہے۔ میں تو یہاں سوٹ وغیرہ دیکھنے آئی تھی تمہارے"

"اوہ۔ اتنے ٹائم بعد آئی ہوں تو اسی لئے شاید بھول گئی ویسے میرے کونسے سوٹ؟ شادی تو فاطمہ کی ہے"

"فاطمہ کا صرف نکاح ہے کل۔ شادی چھ مہینے بعد کی ہے لیکن تمہاری شادی بھی تو اسی ہفتے ہے ناں"

نور کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں، دل زور سے دھڑکا۔

"میری کس سے شادی ہے؟ ایسا خطرناک مذاق مت کریں پھوپھو"

"ارے میں کہاں مذاق کر رہی ہوں پوچھ لو اپنی امی سے"

نور نے سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جو اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

"حمدان نے کچھ نہیں بتایا تمہیں؟" سحرش پھوپھو نے تجسس سے پوچھا

"پھوپھو! حمدان نے بتایا تھا کہ اس کا اور فاطمہ کا نکاح ہے مگر میری شادی ہے اس کا تو مجھے کسی نے نہیں بتایا۔ اب آپ لوگ بند کریں یہ مذاق"

وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

لاؤنج میں ایک دم سناٹا چھا گیا پھر اچانک ایک ساتھ ہنسنے کی کئی آوازیں لاؤنج میں گونج گئیں۔

"بھابھی! یہ دیکھیں کیسا الو بناتا ہوا لایا ہے بیچاری بچی کو، حمدان۔ توبہ ہے۔ ہم سے کہا تھا اس نے کہ نور کو کچھ مت بتانا اسے میں خود بتا دونگا اور خود اسے جھوٹی کہانیاں سناتا ہوا لایا ہے"

"ارے امی! اس نے ڈر کے مارے اسے کچھ نہیں بتایا ہوگا کہ کہیں اپنی شادی کا سن کر پھر سے نہ بھاگ جائے" جاسم نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

نور بالکل شل کھڑی ان سب کی باتوں کو سن رہی تھی، بنا پلک جھپکائے ان کے ہنستے چہروں کو دیکھ رہی تھی

"نور! حمدان نے تمہیں پاگل بنایا ہے۔ فاطمہ کا نکاح سحرش پھوپھو کی دوست کے بیٹے سے ہو رہا ہے اور تمہارا حمدان سے"

امی کے جملے سے اس کا دل ڈوب کے ابھرا۔ یہ سب ہو کیا رہا تھا۔

اب اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

”بھئی، حمدان کی اکلوتی پسند ہو تم۔اس نے تمہارے لئے اپنی امی کے آگے پسندیدگی ظاہر کی تھی اور ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر یہ پلان بھی بنایا تھا تمہیں کچھ نہ بتانے کا۔اب اس پلان کے پیچھے اس کا کیا مقصد تھا یہ تو تم شادی کے بعد ہی اس سے پوچھنا“

پھوپھو کے شریر لہجے نے نور کو نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا۔اس کے گالوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔وہ کیا کہے، کیا کرے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔اس کے دل میں دم توڑتی امید واپس زندگی کی طرف آ چکی تھی۔ اس کا دل بھنگڑے ڈالنے کے لئے تیار تھا لیکن دماغ یہ کہہ رہا تھا کہ حمدان کا گلا دبا دو۔عجیب خوشی و غصے کی کیفیت تھی جو پوری کی پوری اسکے چہرے پہ عیاں تھی۔وہ کچھ بھی کہے بغیر اپنی بے اختیار سی مسکراہٹ کو روکتی ہوئی سب کی نظروں سے بچتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف تیز تیز قدم بڑھانے لگی، اچانک اس کے فون پہ میسج کی بیپ ہوئی

نور نے فون کی اسکرین سامنے کر کے میسج بھیجنے والے کا نام دیکھا اور اس کا دل زور سے دھڑکا

حمدان نے پہلی بار اسے کوئی میسج بھیجا تھا۔

اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانت سے کاٹتے ہوئے، لرزتے ہاتھوں سے میسج کھولا۔

”بھولا اسے جاتا ہے جو کہیں بہت دور چلا جاتا ہے لیکن تم تو کبھی میرے پاس سے کہیں گئی ہی نہیں۔چڑیل کی طرح ہر وقت میرے سر پہ سوار رہتی ہو۔تمہیں تو میں چاہ کر بھی بھلا نہیں سکتا۔مائی وائف ٹو بی“

نور کا چہرہ لال ٹماٹر کی طرح ہو گیا۔ہونٹوں پہ خوبصورت سی مسکراہٹ دوڑنے لگی۔وہ جواب میں فوراً کچھ لکھنے لگی تھی مگر ایک دم سے اسے حمدان کا انتہائی برا مذاق اسے یاد آیا۔

”ہونہہ۔۔بدتمیز“

پہلی فرصت میں اس نے حمدان کا نمبر بلاک کیا اور اس کو سخت سست سنانے کے لئے دل میں الفاظ جمع کرنے لگی۔

☆......☆......☆

عروسی جوڑے میں ملبوس، میک اپ اور زیورات سے لدی وہ حسین لڑکی، برائڈل روم میں پریشان حال سی بیٹھی تھی۔

"نوال! اللہ کا واسطہ ہے تمہیں، یہ بالی میرے ناک سے اتار دو۔ یار! بہت تکلیف دے رہی ہے"

نور نے گلابی آنکھوں سے نوال کی طرف دیکھ کر منت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ سزا ہے تمہاری۔ اگر پہلے ہی ناک چھدوا لیتیں تو ابھی یوں رونا نہیں ڈال رکھا ہوتا۔ یار! بس تھوڑی دیر کی بات ہے برداشت کرلو۔ بالی اتار دوں گی تو دلہن والی لک کیسے آئے گی؟"

نور نے نوال کی بات پر گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر ابھی اسی وقت یہ 'بلا' میری ناک سے نہ ہٹی تو میرے آنسو نکل آئیں گے اور میرا کاجل پھیل جائے گا۔ چہرے پہ تباہی مچ جائے گی اور۔۔۔"

"اچھا ٹھیک ہے بھئی۔ لاؤ اتار دوں ورنہ میرا دماغ کھا جاؤ گی تم"

نوال کو نور کی بگڑی ہوئی شکل پہ ترس آ گیا اور وہ اس کی ناک سے بالی نکالنے لگی۔

"سس" نور کے ناک سے بالی کم بلا نکال لی گئی تو اس کی رکی سانس بحال ہوئی اور منہ سے درد کے مارے سسکی سی نکلی۔ فوراً اس نے اپنا سر جھکا لیا کہ کہیں آنکھ سے نکلا آنسو اس کا کاجل نہ بہا دے۔

"پڑ گئی تمہارے دل میں ٹھنڈک؟" نوال نے دانت پیس کر کہا۔

"ہاں" نور نے بے اختیار ہنس کے کہا تو نوال بھی ہلکا سا مسکرائی۔

"ماشاءاللہ اتنی پیاری لگ رہی ہو تم۔ لگو گی بھی۔ پسندیدہ انسان جو مل رہا ہے"

نور نے بے اختیار تھوک نگلا۔

"استغفراللہ۔ میرا پسندیدہ کہاں ہے۔ یہ شادی تو آپ لوگوں کی پسند سے ہو رہی ہے"

"اوہ ہو۔ بیگم شریفہ! آپ کو کیا لگتا ہے؟ بچپن سے آپ کے ساتھ بلکہ دنیا میں آپ کے ساتھ آئی ہوں اور آپ کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہوگا مجھے؟ سب جانتی ہوں میں تم دونوں کے بارے میں۔ آج سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے اس لئے میں نے ارحم سے شادی کے لئے فوراً راضی ہوگئی تھی کیونکہ مجھے آپ کے چال چلن سے

پہلے ہی شک ہو گیا تھا کہ آپ باغی ہونے والی ہیں"

"نوال!" نور صوفے سے اٹھ کر نوال کے سامنے کھڑی ہوئی اور اسے زور سے گلے سے لگا لیا

"تھینک یو"

"تمہیں بھی تھینک یو نور! اگر تم ارحم سے شادی سے انکار نہ کرتی تو شاید مجھے بھی ایسا اچھا، محبت کرنے والا شخص نہ ملتا"

نوال نے بھی بھرپور طریقے سے اسے گلے لگایا۔ وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کے گلے لگ کر جذباتی ہو رہی تھیں کہ برائڈل روم کا دروازہ ناک کر کے کوئی اندر آیا۔

"اسلام اعلیکم!"

دونوں نے باوقت دروازے کی طرف دیکھا۔

سامنے کھڑی خاتون کو دیکھ کر نور کو حیرت کا زبردست جھٹکا لگا۔

"اربش آپ؟ وعلیکم السلام" وہ گرم جوشی سے اربش سے گلے ملی پھر الگ ہو کر پر جوش لہجے میں بولی

"آپ سب نے تو مجھے سرپرائز کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

"تم نے تو مجھے بلانا نہیں تھا شادی میں۔ میں تو خود ہی آ گئی بن بلائے مہمان کی طرح" اربش نے شکوہ کیا۔

"ارے نہیں اربش! ایسی بات نہیں ہے۔ آپ جانتی ہو، مجھے خود بھی اس بات کی خبر تک نہیں تھی یہ تو۔۔۔

نور کو ایک دم کچھ اور یاد آیا۔

"اوہ۔ نوال سے تو ملانا ہی بھول گئی۔ یہ ہے نوال۔ فوٹو تو دکھائی تھی ناں میں نے"

"ہاں۔ نوال اور ان کے شوہر ہی تو ہمیں پک کرنے آئے تھے ایئرپورٹ۔ سب سے پہلے انہی سے ملی ہوں میں لاہور پہنچ کر"

اربش نے نوال کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو جواب میں وہ بھی خوش دلی سے مسکرائی لیکن نور کی مسکراہٹ پھیکی پڑ چکی تھی۔

"اچھا۔ تو پھر میری شادی کی خبر بھی نوال نے ہی دی ہو گی آپ کو۔ خاص کر میرے لئے اتنی جلدی میں

لاہور آنے کا شکریہ"
"ارے جلدی میں کہاں آئی ہوں۔ہم نے تو بہت پہلے سے ہی تمہاری شادی میں آنے کے لئے ٹکٹ بک کرا لئے تھے"
اربش کے اس جملے پہ جہاں نور کی مسکراہٹ غائب ہوئی وہیں نوال کا زوردار قہقہہ کمرے میں گونجا
"اوہ نور! تمہاری شادی کی سب کو خبر تھی سوائے تمہارے"
نور نے خفگی سے اربش کو دیکھا جو اپنی ہنسی دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"مطلب کہ اربش! آپ بھی مجھے الو بنا رہی تھیں۔آپ نے بھی مجھے سچ نہیں بتایا حالانکہ آپ جانتی تھیں"
"میں کیا کروں نور! مجھے نوال نے منع کیا تھا کہ تمہیں کچھ نہ بتاؤں"
اربش نے سارا الزام فوراً نوال پہ ڈالا۔
"میری بھی غلطی نہیں ہے۔یہ سب کرنے کو ہمیں، تمہارے شوہر نے کہا تھا"
نوال نے بھی فوراً اپنا دامن بچایا۔
نور نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر غصے سے نوال کو دیکھا جو معنی خیز انداز میں ہنس رہی تھی۔
"ایکسکیوزمی لیڈیز!"
ریحان برائڈل روم کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آیا اور بلند آواز میں ان تینوں کو مخاطب کیا۔
"کیا مسئلہ ہے؟"
نوال نے ایک ابرو اٹھا کر اس کے آنے کی وجہ پوچھی۔
"سلطان حمدان بن عبداللہ اپنے تخت شاہی پہ براجمان ہو چکے ہیں اور اپنی۔۔آ آ۔
وہ بولتے ہوئے ذرا سا لڑکھڑایا
"اور اپنی، استغفراللہ، شہ۔زا۔دی کی راہ تک رہے ہیں"
اپنی بہن کو شہزادی بولنے میں اسے ذرا تکلیف ہوئی تھی۔
نوال جھنجھلائی۔"یہ ڈائلوگز تمہیں جاسم نے ہی سکھائے ہونگے ہے ناں؟"

"جی ہاں"

ریحان نے فوراً گردن ہاں میں ہلائی۔

"بہت بڑا ڈرامہ ہے وہ"

وہ اپنے منہ میں بڑبڑائی پھر نور کی طرف دیکھا جو بالکل کھلا ہوا لال گلاب لگ رہی تھی۔

"چلو میڈم! بلاوا آ گیا ہے"

نوال نے اس کے سر پہ ایک اور لال دوپٹا ڈال دیا جس سے اس کا چہرہ بھی چھپ گیا تھا۔

ایک سائیڈ سے نوال نے اس کا لہنگا تھاما اور اربش نے اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑا۔نور کی ہتھیلی مارے نروسنس کے پسینہ پسینہ ہونے لگی۔

وہ دونوں دلہن کو روم سے نکال کر آہستہ آہستہ کیمروں کی روشنی میں اسٹیج تک لے کر جا رہی تھیں جہاں دولہے صاحب سفید شیروانی پہ لال پگڑ پہنے پوری شان سے کھڑے بھرپور انداز میں مسکرا رہے تھے۔

نور کے دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ وہ اسے اتنے شور میں بھی محسوس کر سکتی تھی۔

تمہیں میں کس طرح دیکھوں!

دریچہ ہے دھنک کا اور اک بادل کی چلمن ہے

اور اس چلمن کے پیچھے چھپ کے بیٹھے کچھ ستارے ہیں

ستاروں کی نگاہوں میں عجب سی ایک الجھن ہے

ستاروں کی یہ حیرانی سمجھ آنے والی ہے

کہ ایسا دلنشیں منظر کسی نے کم ہی دیکھا ہے

نور اسٹیج پہ چڑھ چکی تھی اور اب دونوں ایک ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے تھے۔دونوں کے دل بھی ایک ہی طرح دھڑک رہے تھے۔

سر جھکائے بیٹھی نور کو حمدان نے دیکھا پھر اس کے کان کے قریب منہ کر کے سرگوشی کی

"السلام علیکم!"

نور کی سانس ایک لمحے کو تھمی۔ وہ اس کے اتنے قریب بھی کبھی بیٹھے گا اور سب کے سامنے اس پہ اپنا حق جتائے گا وہ اتنا آگے کا کبھی سوچ بھی نہیں پائی تھی۔ حمدان کے لہجے کی مٹھاس اس کے کانوں میں رس گھول گئی تھی۔ اس کی شیروانی سے اٹھتی پرفیوم کی مہک اسے اپنے آپ سے اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔

ایک دم سے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے اطمینان اس بات کا تھا کہ اس کا چہرہ چھپا ہوا ہے ورنہ اگر حمدان اس کی مسکراہٹ دیکھ لیتا تو اسے پتا چل جاتا کہ اس کی ناراضگی ظاہری ہے۔

ہمارے درمیاں اس وقت جو چاہت کا موسم ہے
اسے لفظوں میں لکھیں تو کتابیں جگمگا اٹھیں
جو سوچیں اس کے بارے میں تو روحیں گنگنا اٹھیں
یہ تم ہو میرے پہلو میں
کہ خواب زندگی تعبیر کی صورت میں آیا ہے؟
یہ کھلتے پھول سا چہرہ،
جو اپنی مسکراہٹ سے جہاں میں روشنی کر دے
لہو میں تازگی بھر دے
بدن ایک ڈھیر ریشم کا
جو ہاتھوں میں نہیں رکتا
انوکھی سی کوئی خوشبو کہ آنکھیں بند ہو جائیں
سخن کی جگمگاہٹ سے شگوفے پھوٹتے جائیں
چھپا کاجل بھری آنکھوں میں کوئی راز گہرا ہے
بہت نزدیک سے دیکھیں تو چیزیں پھیل جاتی ہیں
سو میرے چار سو دو جھیل سی آنکھوں کا پہرہ ہے
تمہیں میں کس طرح دیکھوں!!!

لوگ ایک ایک کر کے آ رہے تھے اور دولہا دولہن کو ڈھیروں دعائیں اور مبارک باد دے رہے تھے۔ دلہن کے چہرے سے پردہ نہیں ہٹایا تھا کیونکہ اسے دیکھنے کا حق صرف دولہے کے پاس تھا۔

عورتیں آ آ کر اس کا دوپٹا ہٹا ہٹا کر بھرپور طریقے سے ماشاءاللہ کہتیں اور حمدان کی بے چینی میں مزید اضافہ کر دیتیں۔

رشتہ داروں کی مبارک بادوں اور ڈنر وغیرہ کے بعد اب اسٹیج پہ سارے کزنز مل کر بیٹھ چکے تھے اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے نظر آ رہے تھے۔

''ویسے یار! تم بہت بڑے چھپے رستم ہو حمدان! تبھی کہوں، تم دوسری لڑکیوں سے فری کیوں نہیں ہوتے تھے۔ میں تو سمجھا بڑا شریف بچہ ہے، لڑکیوں کو دیکھ کر نظریں جھکا لیتا ہے لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ اس شریف بچے نے بہت پہلے سے ہی کسی پہ گہری نظر رکھی ہوئی ہے''

حمدان کی بائیں طرف بیٹھے جاسم نے کہا

''ہاں تو بیٹا! جس پہ گہری نظر تھی، آج وہ میرے ساتھ بیٹھی ہے میری زوجہ بن کر۔ اگر میں ان محترمہ کے علاوہ اور لڑکیوں پہ بھی گہری نظر رکھتا تو کیا پتا شاید ان کے ساتھ وہ سب بھی میری دولہن بن کر یہاں بیٹھی ہوتیں''

''اللہ کا کرم ہے کہ وہ لڑکیاں تمہاری نظر بد سے محفوظ رہیں بس افسوس ہے اس بات کا کہ نور نہ بچ سکی اور پھنس گئی تمہارے جال میں''

''بس کر دو جاسم۔ اتنی سائیڈ مت لو اس کی۔ یہ دونوں شریف لوگ مل کر ہم سب کو پاگل بنا رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو پتا نہیں کب سے پسند کرتے تھے اور ہمیں ان لوگوں نے اپنے راز میں شامل ہی نہیں کیا۔ گھنے کہیں کے''

نور کے ساتھ بیٹھی، نوال نے یوں منہ بگاڑ کر شکوہ کیا کہ سب کے ساتھ ساتھ نور کو بھی ہنسی آ گئی۔

''ان لوگوں نے یہ جملہ بہت ہی سیریس لے لیا کہ 'محبت اتنی خاموشی سے کرو کہ تمہاری شادی شور مچا دے''

''اف جاسم'' فاطمہ بے زاری سے بولی۔

''صحیح جملہ یہ ہے۔ 'محنت اتنی خاموشی سے کرو کہ تمہاری کامیابی شور مچا دے'

یہ فیس بک کے گھسے پٹے ڈائلوگز مت مارا کرو یار۔ ایک دم سڑک چھاپ جملے"

اب کی دفعہ بھی سب ہنسے اور جاسم، اپنی بہن کو گھور کے رہ گیا۔

"ویسے یار! مجھے بھی یقین نہیں آرہا کہ نور باجی اب میری بھابھی ہو چکی ہیں۔ اب تو میرے حصے کا کام ان کی ذمہ داری، میں تو گھر کے ہر کام سے بری۔ تین بھابھیاں کسی نعمت سے کم نہیں ہوتیں" فاطمہ کے ساتھ کھڑی اریج بھی اپنی ایکسائٹمنٹ روک نہ پائی۔

جاسم نے اس کے انداز پہ اپنا منہ نیچے جھکا کر ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

"اریج! بس کچھ سالوں کی بات ہے، آپ واقعی میں چھوٹی ذمہ داریوں سے بری ہو جائیں گی کیونکہ آپ کو اس سے بھی بڑی اور مشکل ذمہ داری کا سامنا کرنا ہے جو فیس بک کی فضول باتوں اور سستی شاعری سے اپنے سے وابستہ لوگوں کو پکاتا ہے"

فاطمہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر معنی خیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اس کی بات پر نور اور اریج کو چھوڑ کر باقی سب اتنی زور سے ہنسے کہ ہال میں بیٹھے مہمان مڑ مڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھنے پہ مجبور ہو گئے۔

اریج کے چہرے میں ایک دم سے کئی رنگ بکھر گئے۔

بے اختیار مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ آ گئی۔

"یار! بس اب میں جا رہی ہوں یہاں سے"

وہ کہہ کر جانے ہی لگی تھی کہ نوال نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیوں بھئی پٹاخہ! تمہیں بھی شرمانا آتا ہے؟"

اریج نے بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اونچی نیچی، گھبرائی شرمائی سی آواز میں بولی۔

"آپ کو تو میں دیکھ لوں گی نوال آپی" کہہ کر وہاں سے بھاگ گئی۔

"دیکھ لینا جی بھر کے"

نوال، بلند آواز میں ہنستے ہوئے بولی۔

جاسم پورے اطمینان کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور زیر لب مسکرا بھی رہا تھا۔

حمدان نے اس کی طرف گھور کے دیکھا۔

"ہاں بھائی! کوئی شرم کوئی ڈر ہے تمہیں؟ میرے ساتھ بیٹھ کر میری ہی بہن کو گھورے جا رہے ہو"

جاسم نے اسی اطمینان کے ساتھ حمدان کو دیکھا۔

"جب پیار کیا تو ڈرنا کیا"

"بیٹا! ڈر، ہو بھی سکتا ہے، اس لیے شادی سے پہلے ذرا دور ہی رہنا میری بہن سے۔ سمجھ تو گئے ہو گے"

حمدان نے ایک ابرو اٹھا کر مصنوعی سا دھمکایا۔

جاسم نے فوراً اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"میری توبہ، جو میں، تین خطرناک بھائیوں کی خوفناک بہن کو بری نظر سے بھی دیکھوں"

"اچھی نظر سے بھی نہیں دیکھنا"

"کیا چاہتے ہو؟ آنکھیں ہی پھوڑ والوں؟"

"ارے نہیں۔ ایسا مت کرنا۔ ہم کسی اندھے سے تھوڑی کریں گے اپنی بہن کی شادی"

"یار تو نہ۔۔۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے مذاق میں لڑ رہے تھے اور وہیں دوسری طرف نور، نوال کے کان میں کھس پھس کر رہی تھی۔

"نوال!"

"ہاں"

"یہ کیا چکر ہے۔ اریج اور جاسم کے بیچ بھی کچھ چل رہا ہے کیا؟"

"ارے لڑکی! ان کے بیچ کچھ نہیں چل رہا تھا۔ بڑوں نے ان دونوں کی بات پکی کی ہے۔ شاید اگلے مہینے تک منگنی شنگنی کا بھی پلان ہے"

"کیا؟ اور مجھے اس بارے میں بھی نہیں پتا یعنی کے حد ہے۔ میں صرف پاکستان میں تھی۔ دوسرے سیارے پر نہیں تھی، جہاں فون کے سگنلز نہ آتے ہوں"

”میں نے کہا تھا ناں تم سے کہ حمدان نے ہم سے درخواست کی تھی کہ تمہیں ہر چیز سے بے خبر رکھا جائے تا کہ ایک ساتھ تمہیں بہت سے سرپرائز ملیں“

نوال کی بات پر نور نے اپنے دانت پیسے۔

”دیکھ لونگی میں ان صاحب کو بھی“

وہ صرف منہ میں بڑبڑائی تھی اور نوال کے کانوں تک اس کی آواز نہیں پہنچ سکی تھی۔

اسی وقت زرمینہ اور پھوپھیاں بھی اسٹیج پہ آ گئیں۔

”چلو بھئی رخصتی کا وقت ہے۔نوال! مدد کرو نور کی صوفے سے اٹھنے میں۔

قرآن کہاں ہے؟“

رخصتی کا نام سن کر نور کا دل ڈوب کے ابھرا۔بہت مشکل مرحلہ آ چکا تھا۔اب آفیشلی کوئی اور اس کا حق دار بننے جا رہا تھا۔تین الفاظ نے اس کا حق دار بدل دیا تھا۔

اپنی ماں کی پریشان وہدایات دیتی آواز سن کر اس کی آنکھوں میں بہت سا نمکین پانی بھر گیا۔اس کے ابو جو اس سے ناراض تھے،آج اس کے پاس آ کر کچھ بھی کہے بغیر اسے گلے سے لگا لیا آنکھوں کے ذریعے ساری ناراضگی بہہ گئی اور آخر کار کاجل پھیل ہی گیا۔۔۔

سب کی دعاؤں اور قرآن کے سائے میں رخصت ہو کر وہ ایک الگ زندگی کے سفر پہ اپنے ہمسفر کے دو قدم پیچھے اس کے پیروں کے نشانوں پر اپنے پیروں کے نشاں بناتی ہوئی چل دی۔

☆......☆......☆

”آئم سوری یار! بتاؤ،اب اپنے شوہر سے کتنی دفع معافی منگواؤ گی۔اتنا سا تو مذاق کیا تھا میں نے“

”اچھا۔اتنا سا مذاق تھا یہ؟ ایک تو اتنے عرصے تک مجھے بلاک کیے رکھا۔پھر اچانک میرے سامنے آ کر مجھے ہارٹ اٹیک دینے کا پلان بنایا۔پھر فاطمہ سے نکاح ہے یہ کہہ کر مجھے تکلیف پہنچائی۔گھر میں کیا چل رہا ہے ،سب نے مجھ سے چھپایا اور میں ذرا سا شکوہ بھی نہ کروں؟“

گلاب کے پھولوں سے سجے خوبصورت کمرے میں دولہا دلہن آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

حمدان، نور کے قریب بیٹھا بہت سنجیدگی کے ساتھ اسے منانے میں مصروف تھا جو کسی حالت میں ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔ عجیب سیریس سا ماحول بنا ہوا تھا۔

نور کی بات پر حمدان نے بھویں اکھٹی کر کے اس کے پھولے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھا۔

”نور! تمہارا کیا خیال ہے؟ تم نے میرے ساتھ کس نوعیت کا مذاق کیا تھا؟ میں ان گزری ہوئی باتوں کو اس وقت نہیں چھیڑنا چاہ رہا تھا لیکن اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم نے مجھے کس قدر تکلیف دی تھی۔

تم جانتی بھی ہو، کس کرب سے گزرا تھا میں، جب تم اتنی آسانی سے کسی اور سے شادی کے لئے مان گئی تھیں۔ ذرا احساس نہیں کیا تھا تم نے میرا۔

تم سے پوچھتا رہ گیا کہ آخر اس سب کی وجہ کیا ہے مگر تم کچھ بتانے کو بھی تیار نہ تھیں۔

اس شام بہت ضبط کیا تھا میں نے۔ میرا بس چلتا تو تمہارا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے لے جاتا اور کہہ دیتا کہ ہم ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھ پر یہ لازم تھا اور لازم ہے کہ میں ہر حال میں تمہاری عزت کا خیال کروں۔ تمہیں کسی کے آگے شرمندہ نہ کروں اور نہ ہی اس وقت میں امی سے کچھ کہہ سکتا تھا کیونکہ رشتہ پہ رشتہ بھیجنا غلط ہوتا ہے اور تمہارا کیا بھروسہ کہ تم میرے بھیجے گئے پروپوزل کو ریجیکٹ کر دیتیں۔ بس اپنی تکلیف کا احساس ہے تمہیں“ حمدان کا لہجہ اور آنکھیں خطرناک حد تک سنجیدہ تھیں اور وہ بنا پلکیں جھپکائے نور کا نیلا پیلا ہوتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

نور نے اس کی ساری بات سن کر تھوک نگلا پھر ہلکی آواز میں منمنائی۔

”یہ سب کرنے کے پیچھے بھی ایک وجہ تھی میں۔۔۔

”کیا وجہ تھی؟“ حمدان نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

نور ہکلائی

”م۔۔میں نہیں بتا سکتی“

حمدان سر جھٹک کر ہنسا۔

”نہیں بتا سکتی کیونکہ بہت ہی کوئی فضول سی وجہ تھی۔

تم بھی حد کرتی ہو نور! تم سحرش پھوپھو کو اتنا خود غرض سمجھی کہ وہ صرف اپنے بچوں کی ہی خوشی چاہتی ہیں اور تم اس ڈر سے چپ رہیں کہ کہیں گھر والوں میں لڑائیاں نہ ہو جائیں؟

تمہیں پتا ہے، جب امی نے میرے کہنے پر سحرش پھوپھو کو میری، تمہارے لئے پسندیدگی کے بارے میں بتایا تو ان کے چہرے پہ ایک شکن نہ آئی بلکہ وہ کھلے دل سے مسکرائیں اور انہوں نے کہا کہ فاطمہ اور نور دونوں میری بیٹیاں ہیں اور نور کے لئے بھی میں ویسے ہی جذبات رکھتی ہوں جیسے فاطمہ کے لئے''

نور کے چہرے پہ حیرانگی و شرمندگی کے ملے جلے تاثرات پیدا ہو گئے۔

''آپ کو کس نے بتایا کہ میں سحرش پھوپھو۔۔

حمدان کے ہونٹوں پہ ایک دم مسکراہٹ پھیلی۔

''وہ۔۔جب تم مسز حاشر کو اپنا حال دل رو رو کر سنا رہی تھیں تو وہ جو، ان کے پاس رونگ نمبر سے کال آئی تھی وہ نوال کی تھی اور ہم دونوں اس رونگ نمبر کال کے پیچھے تمہاری دکھ بھری داستان بہت دلچسپی سے سن رہے تھے۔انہیں پہلے ہی نوال سب کچھ بتا چکی تھی''

''اف۔۔میں کتنی بیوقوف ہوں۔ مجھے سب کے سب مل کر دھوکہ دے رہے تھے اور میں۔۔۔آپ واقعی میں بہت چالباز اور خطرناک انسان ہیں''

نور نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

حمدان، مسکراتے ہوئے اس کے اور قریب ہو کر بیٹھا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

نور ایک دم پیچھے ہوئی۔

''اب ختم کرو ناں یار! ان باتوں کو۔ دیکھو، اب تو میں تمہارے پاس ہوں ناں۔ایک بار پیار سے میری طرف دیکھ کر مسکرا دو۔تمہارے ٹیڑھے میڑھے دانتوں کی بھدی سی ہنسی دیکھنے کے لئے ترس رہا ہوں۔ کچھ تو خیال کرو میرا''

وہ محبت سے بھرپور لہجے میں کہتا ہوا اس کے مزید نزدیک آیا۔

ایک لمحے کے لئے نور، موم کی طرح پگھلنے لگی تھی مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے زور سے حمدان کو پیچھے کی طرف

دھکا دیا"

حمدان، اس رویے کی توقع بالکل نہیں کر رہا تھا۔ حیرانی سے اس کی طرف دیکھا

"یہ کیا غنڈہ گردی ہے؟"

"دور رہیں مجھ سے"

نور نے نظریں دوسری جانب پھیرتے ہوئے خفگی سے کہا

حمدان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا جیسے کسی چھوٹے بچے کی معصومانہ بات پر لوگ ہنستے ہیں۔

وہ ہنستا ہوا اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور الماری کی جانب جاتے ہوئے بولا

"تم، نافرمان بیوی! اپنے شوہر کے حقوق نہیں کھا سکتی ہو، پتا ہے کتنا بڑا گناہ ہے اپنے معصوم شوہر پہ ظلم ڈھانے کا"

"معصوم شوہر؟ ہونہہ" نور بڑبڑائی

حمدان، الماری کی دراز سے دو قیمتی کنگن اپنی انگلی میں گھماتا ہوا واپس نور کے پاس آیا اور ایک دم سے اسکی گود میں سر رکھ کے لیٹ گیا۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ نور کو وہاں سے ہٹنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

حمدان نے آنکھیں اٹھا کر نور کو دیکھا جو اسے دیکھنے سے بالکل اجتناب کر رہی تھی۔ چہرے کا رنگ گلابی پڑتا جا رہا تھا۔

"محترمہ! اگر آپ کی اجازت ہو تو آپ کا ہاتھ تھام سکتا ہوں"

نور نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں میں چھپا لیا

حمدان، ایک جھٹکے سے اس کے دائیں ہاتھ کی کلائی مضبوطی سے پکڑ اپنے سامنے لایا۔

"اجازت کی ایسی کی تیسی"

اس نے نور کی کلائی میں کنگن پہنائے اور چند لمحوں تک وہ اس کے کنگن والے ہاتھ کو دیکھتا رہا پھر ہلکے سے اس کی ہتھیلی کو اپنے لبوں پہ رکھ کر گہری سانس لی۔

نور کی ہتھیلی پہ رچی مہندی کی خوشبو، حمدان کی سانسوں میں بھر گئی۔

حمدان نے اپنی آنکھیں یوں بند کیں جیسے کوئی نشہ اس کی رگوں میں اتر گیا ہو۔

وہ خاموش بیٹھی حمدان کے ہاتھ میں جکڑے اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

اس کی دھڑکنیں سکون میں تھیں، وہ جانتی تھیں کہ یہ ہاتھ کا لمس کسی نامحرم کا نہیں ہے کیونکہ جب ہاتھ کسی نامحرم کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو دھڑکنیں تیز ہو کر اس گناہ پہ احتجاج کرتی ہیں لیکن لوگ اسے سچے جذبات کا نام دے کر گناہ کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور جب کسی نامحرم کو چھونے پر بھی آپ کے اندر کسی قسم کا احتجاج پیدا نہ ہو تو سمجھ جائیں کہ یا تو آپ اس گناہ کے عادی ہو چکے ہیں یا آپ کو سرے سے وہ گناہ، گناہ لگتا ہی نہیں ہے۔

حمدان نے آنکھیں کھولے بغیر نور کے ہاتھ کو اپنے سینے پہ رکھ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔

”اتنی راتیں بے خوابی میں گزاری ہیں تمہارے ہجر میں کہ اب جب تم میرے پاس ہو تو یہ نیند بھی نا جانے کہاں سے میری آنکھوں میں اترنے لگی ہے۔ مجھے تم کو دیکھنے، تم سے بات بھی نہیں کرنے دے رہی“

نور کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی (بدتمیز انسان) اس کو اچانک حمدان کے اوپر بہت سا پیار آیا تھا لیکن وہ اس پیار کو کسی جملے کی شکل دینے کے موڈ میں بالکل نہیں تھی۔

کچھ لمحے ہی گزر رہے تھے کہ کمرے میں اچانک حمدان کے خراٹوں کی آواز گونج گئی۔

نور نے پہلے تو ایک دم حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا پھر بے اختیار اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اس نے فوراً اپنے منہ پر ہاتھ رکھا کہ کہیں اس کی ہنسی سے یہ سوتا ہوا دیو جاگ نہ جائے۔

”سوتے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے ہو، ناک پہ اگر چٹخنی لگا دوں تو میوٹ بھی ہو جاؤ گے۔ پرفیکٹ“

وہ یہ سب ذہن میں سوچ کر حمدان کے خراٹے بند کرنے کے لئے اس کا ناک دبانے لگی مگر پھر ٹھہر گئی۔

”نہیں یار نور! ان صاحب کے تو خراٹے بھی بھا رہے ہیں تمہیں“ وہ اپنا خطرناک ارادہ ترک کر کے پورے دل سے مسکرائی۔

ٹک ٹک۔۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ حمدان کے خراٹے گونجتے رہے اور نور۔۔ نور، حمدان کو دیکھتی رہی دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ اپنی ساری ناراضگی بھول گئی اور اس کا دل ایک دم سے بھر آیا۔

”تھینک یو اللہ تعالیٰ! بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں اور ہم عاجز بندے آپ کے ہی حکم کے محتاج ہیں۔ تھینک یو!“

اس نے اپنی آنکھیں زور سے میچیں اور ایک آنسو اس کی آنکھ سے گر کر حمدان کی کی بڑی بڑی پلکوں پہ گرا اور وہ ایک دم نیند سے جاگا۔

نور نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے۔

حمدان کچھ دیر اپنی سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اس کی گود سے سر اٹھایا اور بے اختیار اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا (بیچاری کا پیرسن ہو گیا ہو گا اس لئے رو رہی ہے۔۔ڈیم۔۔!)

”بہت دیر ہو گئی ہے۔سو جاؤ تم بھی“

وہ نیند بھری آواز میں کہتا ہوا کپڑے بدلنے کے لئے باتھ روم میں چلا گیا۔

نور بھی اپنے بھاری لہنگے کو سمیٹتی ہوئی بیڈ سے اتری اور۔۔سس۔۔۔اس کا پیر واقعی میں سن ہو چکا تھا۔وہ تکلیف سے چلتی ہوئی الماری تک پہنچی اور الماری میں رکھے اپنے ڈریسز کو دیکھنے لگی۔

حمدان رف سے ٹراؤزر ٹی شرٹ میں باتھ روم سے نکلا اور نور کو الماری کے پاس کھڑا دیکھ، اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور دھیرے سے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

نور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”کیا ہوا؟“

حمدان نے نور کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

”میں تمہیں بہت چاہتا ہوں نور! وعدہ کرو کہ دوبارہ کبھی بھی، تم جان بوجھ کر مجھ سے دور نہیں جاؤ گی“

نور نے چند لمحے خاموشی سے حمدان کی آنکھوں میں دیکھا پھر اپنا سر اس کے کندھے پہ رکھا اور ایک سکون بھری سانس لی۔

”آپ بھی مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ کبھی بھی مجھے نظر انداز نہیں کریں گے“

حمدان نے اس کے گرد اپنے بازو حائل کیے اور دھیرے سے مسکرایا

"نہیں کروں گا۔ مجھے اپنی جان مشکل میں تھوڑی نہ ڈالنی ہے"

نور ہلکا سا ہنسی۔

"تمہیں پتا ہے نور! مجھے تم سے پکی والی محبت کب ہوئی تھی۔

"کب؟"

"جب میں نے تمہیں سائیکل سے گرایا تھا اور تمہارے ماتھے پہ اتنی زور کی چوٹ آئی تھی کہ اس زخم پہ اسٹچز لگانے پڑے تھے اور تم نے کسی سے میری شکایت نہیں کی تھی بلکہ تم نے کہا تھا کہ تم خود ہی سائیکل سے گری تھی۔ بس اس وقت سے میرا دل تمہارے لئے کچھ الگ طرح سے دھڑکنے لگا تھا"

"ہاں اور اس محبت کی نشانی اب تک میرے ماتھے پہ موجود ہے جو زندگی بھر کے لئے رہنے والی ہے"

نور چہک کر بولی اور دونوں ایک ساتھ ہنس دیئے اور ان کی ہنسی کی آوازیں دیر تک کمرے کی فضا میں گونجتی رہیں۔

......ختم شد......